جملہ حقوق محفوظ ہیں

مقامِ نبوّت کی

عجمی تعبیر

حصّہ اوّل

ملّتِ اسلامیہ کی اکثریت ایک نظریے کے تحت نبوت کے عقیدے میں ایک غلط فہمی کا شکار ہے۔ اس غلط فہمی کے جو بنیادی اسباب ہیں اس کتاب میں ان کی اچھی طرح نشان دہی کی گئی ہے۔ اربابِ تحقیق سے درخواست ہے کہ مطالعہ کے بعد اپنی علمی آراء سے ضرور آگاہ کریں۔

از

علاّمہ ابو الخیر اسدی

دارُالتذکیر

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

ادارہ اسلامیہ

مخدوم رشید۔ ملتان 0301-7444110

Azhar.asdi@gmail.com Idarahislamia.com

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حرف اول	۲	بریلوی مسلک کی بنیاد حقیقت محمدیہ پر ہے	۸۳
نظریہ اصالت اور اس کے ثمرات	۴	بین الاجمال والتفصیل	۹۳
حقیقت محمدیہ کے ماخذ	۱۳	حاضر و ناظر کا مفہوم	۹۵
حقیقت محمدیہ کے قدیم مبادیات کی تشریح	۲۳	حقیقۃ محمدیہ مصدر کائنات روح الاکوان کا مفہوم	۹۸
زرتشتی نظریہ	۲۴	کائنات میں حقیقت محمدیہ کا تفصیلی تصرف	۹۹
مجوسیت میں حلول اور مظہر کا مفہوم	۳۲	علم غیب اور حقیقت محمدیہ	۱۰۵
مجوسیت میں نبوت کا مفہوم	۳۷	رحمۃ للعالمین کا مفہوم	۱۰۸
مجوسیت اور روحانی توسط کا مفہوم	۴۲	رحمۃ للعالمین کی آیت سے بریلویت کے بنیادی اصول	۱۱۱
مجوسی نظریات کے ساتھ حقیقۃ محمدیہ کی تطبیق	۴۷	ایک شبہ کا ازالہ	۱۱۵
بریلوی مسلک کے بنیادی اصول	۵۵	رحمۃ للعالمین کی آیت سے حاضر و ناظر کے فلسفہ کی تشریح	۱۱۷
بریلویت کے عقائد میں حقیقت محمدیہ کے ثمرات	۷۳	وحی سے قبل نبوت کی تشریح	۱۲۳
بریلوی مسلک کے بنیادی اصول	۷۴	ایک شبہ۔ اس شبہ کا ازالہ	۱۲۴
مجمع البحرین کا مفہوم اور حقیقۃ محمدیہ	۷۶	ایک یہ کہ ۔ دوسرے یہ کہ	۱۲۵

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تیسرے یہ کہ	۱۲۶	نبوۃ کا انقطاع اور اس کا اجراء	۲۱۳
چوتھے یہ کہ	〃	مجمع البحرین کی ایک نئی تعبیر اور حیاتِ	۲۲۵
اور کن کو نماز پڑھائی	۱۲۷	نبویہ	
پانچویں یہ کہ	〃	خاتم النبوۃ اور فاتح النبوۃ	۲۲۸
مقام نبوت اور اکابر علماء دیوبند	۱۲۹	تخلیق کائنات کا باعث اور	۲۳۲
اکابر علماء دیوبند کا اغلاط سے	۱۳۰	قدیم نبوت	
رجوع کرنا		ذاتی ختم نبوت	۲۳۴
دیوبندی مسلک کا مفہوم	۱۳۲	حقیقت محمدیہ کیا ہے۔	۲۳۸
روح نبویہ کا مربی خدا کا اسم علیم	۱۴۲	عہد صحابہؓ میں ہر خیر موجود تھی	۲۴۴
ہے اور نبوت بالذات کا فلسفہ		تفضیل بین الانبیاء	۲۴۵
نبوت بالذات کے دوسرے	۱۵۰	خاتم النبیین کا مفہوم	۲۴۷
شواہد اور ختم نبوۃ کا مفہوم		قدم کائنات اور اکابر امت	۲۵۸
مرتبی ختم نبوۃ کا مفہوم	۱۵۲	نبوۃ بالذات کا رد اور قرآن	۲۶۰
مرتبی ختم نبوۃ کی مزید تشریح	۱۵۵	یونانی علوم اور مشرکین ہنود کے فلسفہ کا اہلِ	۲۶۵
حیات انبیاء علیہم السلام کا فلسفہ	۱۶۷	کتاب کے فلسفہ سے زیادہ رد کیا جائے۔	
علماء دیوبند کے عقائد پر حقیقتِ	۱۸۱	مقام رسالت کی اہانت کرنے والے	۲۶۹
محمدیہ کے اثرات		جلدی ختم ہو جائیں گے	
حقیقت محمدیہ کی تشریح اور عقیدہ	۱۸۹	محمدؐ کو خدا مان لیا	۲۷۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق	۱۹۷	نظریہ تخلیق پر علم بصیرت گمراہی کا بنیادی سبب ہے	۲۹۵
میں حقیقت محمدیہ کا تصرف		توحید و رسالت کے مفہوم میں اعراض	۳۰۰
حیات بالذات کا مفہوم	۲۰۲	وجواہر کا استعمال	
مرتبی نبوۃ سے نبوۃ بالعرض کا اجراء	۲۰۳	آخری التماس	۳۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

توحید کے بعد جس عقیدے پر امت کی نجات کا مدار ہے، وہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختمِ نبوت کا دل و جاں سے اقرار کیا جائے۔ خدا کی طرف سے آپؐ کو جن جن مراتبِ عالیہ سے نوازا گیا ہے وہ سارے مراتب آپؐ کی نبوت میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ نبوت سے بڑھ کر دوسرا کوئی ایسا کمال نہیں ہے جسے آپؐ کی افضلیت کا معیار بنایا جا سکے اور آپؐ کی افضلیت کا یہی وہ معیار ہے جو اسلاف کے بنیادی عقائد میں داخل تھا۔ لیکن جو علماء اور مشائخ نظریۂ وحدۃ الوجود کے قائل تھے انہوں نے آپؐ کی اس افضلیت کو عامیانہ عقائد پر محمول کرتے ہوئے قبول نہ کیا۔ کیونکہ اس افضلیت کے عقیدے سے اُن کے ان عزائم کی تکمیل نہ ہو سکتی تھی جن کے تحت وہ مقامِ نبوت کی تعبیر بدلنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے آپؐ کی افضلیت کا وہ معیار جو شرفِ نبوت پر موقوف تھا، اسے نظریۂ اِصالت، یعنی

حقیقتِ محمدیہ میں تبدیل کر دیا۔ جس کے نتیجے میں صرف نبوت کی عظمت ہی مجروح نہیں ہوئی بلکہ توحید کی بنیاد بھی متزلزل ہو کر رہ گئی۔

اب ہم اِس نظریہ کے حامل علماء کے وہ شواہد پیش کرتے ہیں، جن میں مقامِ نبوت کی صحیح تعبیر کو ایک دوسرے رُخ میں پیش کیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اربابِ حقائق سے گزارش کرتے ہیں کہ اِس کتاب میں آپ کے نزدیک اگر کسی عبارت کی تفہیم میں ہم صحیح ترجمانی نہیں کر سکے تو از راہِ شفقت ہمیں ضرور آگاہ کر دیں تاکہ ہم اس غلطی کا ازالہ کر سکیں۔

نظریۂ اِصالت اور اس کے ثمرات

نظریۂ اِصالت کا آسان مفہوم یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، ساری کائنات کی اصل ہے۔ اور کائنات کے اندر جو کچھ بھی موجود ہے وہ آپؐ ہی کی فرع ہے۔ اب جس قسم کا کمال کسی فرع میں ہوگا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کمال اصل میں ضرور موجود ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو کمال فرع میں ہو وہ اس فرع کی اصل میں موجود نہ ہو۔ اصالت کا یہ نظریہ حقیقتِ محمدیہؐ سے ماخوذ ہے جو فلسفۂ وحدۃ الوجود میں تعیّنِ اوّل کے نام سے مشہور ہے۔ جب تک کوئی عالم وحدۃ الوجود کے بنیادی فلسفہ کا پورا ادراک نہ رکھتا ہو، اصالت کے اس نظریے نے اسلام کو جس قدر ضرر پہنچایا ہے، اس ضرر کے عواقب و نتائج کی توضیح نہیں کر سکتا۔ اس نظریے کی وجہ سے نبوت کی تعبیر میں جو ثمرات مرتب ہوں گے پہلے ہم ان کی تلخیص بیان کرتے ہیں:-

۱۔ ذاتِ نبویہ کے جس وجود کو ساری کائنات کی اصل بنایا گیا ہے ظاہر ہے کہ آپؐ کے عنصری [illegible] پر اس وجود کا اطلاق نہیں ہوسکتا اب اس کے لیے آپؐ کا کوئی [illegible] تشخص کرنا پڑے گا تاکہ اس وجود پر کائنات کی اصل کا اطلاق ہوسکے۔ ان کے نزدیک اس تشخص وجود کا نام حقیقتِ محمدیہؐ

عـه علامہ کاظمی صاحب لکھتے ہیں [illegible] امر [illegible] یہ واقعی ابدی ہے [illegible]

ہے۔

۲۔ اصل اپنی فرع سے مقدم ہوتی ہے۔ چونکہ آپؐ کی ذات ساری کائنات کی اصل ہے لہذا آپؐ کو ساری کائنات سے مقدم ماننا پڑے گا۔ اس تقدم کی وجہ سے آپؐ اس کائنات میں شامل نہیں ہو سکتے کیونکہ علت اور معلول کے درمیان ایسا تباین ہوتا ہے کہ نہ علت اپنے معلول میں اور نہ معلول اپنی علت میں شامل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجودی مشائخ حقیقتِ محمدیہ کو مخلوق نہیں مانتے۔

۳۔ سارے انبیاء چونکہ آپؐ کی فرع میں داخل ہیں۔ اس لیے ان کی نبوت پر فرع ہونے کی وجہ سے حقیقی نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس طرح ان کے ہر ذاتی کمال[۵] کی نفی ہو جائے گی۔

۴۔ اس دنیا میں جب آپؐ کے بشری وجود کو پیغمبر بنا کر سارے جہان کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ بشریت کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوتی

(بقیہ حاشیہ ص۴) نہیں ہے بلکہ وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے اور موجود خارجی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جوہر بسیط نورانی سے تعبیر کیا گیا ہے" (تسکین الخواطر ص۵۲)

۵ے حضرت نانوتویؒ لکھتے ہیں: "سارے انبیاء آپؐ کی ذات سے فیض لے کر اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض بیچ میں واسطہ فیض ہیں مستقل بالذات نہیں ہیں۔ غرض ان سارے انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکسِ محمدی ہے (ان کا) کوئی ذاتی کمال نہیں ہے۔ (تحذیر الناس ص۲۸)

ہے۔ جب حضرت آدمؑ آپؐ کی فرع میں داخل ہیں اور آپؐ بشر ہونے کی وجہ سے اولادِ آدم میں داخل ہیں، تو آپؐ کا یہ عنصری وجود بھی کائنات کی فرع میں داخل ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپؐ کے اس عنصری وجود کو جو نبوت قرآن کے ذریعے ملی تھی وہ نبوت بھی حقیقتِ محمدیہ کی فرع میں داخل ہو جائے گی۔ دیکھیے جو نبوت آپؐ کو قرآن کے ذریعے ملی تھی وہ حقیقت محمدیہ کی فرع میں داخل ہو رہی ہے اور حقیقتِ محمدیہ جس کے حق میں کوئی نص بھی وارد نہیں ہے اُسے مرتبی اور نبوت بالفعل کا درجہ دیا جا رہا ہے۔

۵۔ ذاتِ نبویہ کی مرتبی نبوت سے جب ہر نبی اپنے اپنے عہد میں نبوت کا فیض لیتا رہا ہے تو اس فیض کو آپؐ کی ختمِ زمانی کیسے ختم کر سکتی ہے۔ جب تک فیض کے مرکز کو بند نہ کیا جائے گا اس کے نتیجے میں بڑے کذّاب نبی اپنی اپنی نبوت کا اجراء ثابت کرتے رہیں گے

۶۔ کائنات کی اصل ہونے کی وجہ سے جس طرح آپؐ کی حقیقت سے اسلام کا صدور ہو گا، اسی طرح آپؐ کی اِس حقیقت سے کفر کا صدور بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح اسلام اور کفر کے درمیان جو حقیقی امتیاز پایا جاتا ہے اس امتیاز کی حقیقت اعتباری بن جائے گی اور یہ وہی اعتباری امتیاز ہے جس پر دینِ الٰہی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ خدا جانے دَورِ اکبری کے کتنے مسلمان اس دینِ الٰہی کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنے ہوں گے۔ عہدِ عالمگیری میں داراشکوہ، سرمد اور محب اللہ الٰہ آبادی

اس نظریے کی وجہ سے دینِ الٰہی کی دوبارہ تجدید کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اورنگزیب نے ان کی اس تحریک کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

۷۔ اس نظریے کی وجہ سے جس طرح اسلام اور کفر کے درمیان حقیقی امتیاز ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح حلت و حرمت کے درمیان بھی حقیقی فرق ختم ہو جائے گا۔ جس کے نتیجے میں اباحیت، مزدکیت اور اشتراکیت کی راہ آسانی کے ساتھ ہموار ہو سکتی ہے تشیّع کی ساری بنیاد ائمہ اہلِ بیت کی اصالت پر رکھی گئی ہے۔ عرب کے ایک محقق عالم لکھتے ہیں:۔

الشیوعیۃ ولیدۃ — عراق میں اشتراکیت پھیلنے کی

التشیّع — وجہ تشیّع کا بنیادی فلسفہ ہے[۱]

۸۔ اس نظریے کی وجہ سے کائنات کی تخلیق ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ظہور[۲] اور صدور ثابت ہوتا ہے۔ جس سے ہر چیز خدا کا مظہر بن جاتی ہے۔ پھر ان مظاہر کونیہ میں سے جو مقدس ہستی ہوتی ہے اسے الوہی صفات کا مظہر بنا کر متصرف فی الکائنات مان لیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ ساز ی

ف۱ شیعہ کی مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ کائنات کا سارا نظام ائمہ کے سپرد ہے حتیٰ کہ اشیاء کی تحلیل و تحریم بھی ان کی مرضی پر موقوف ہے۔

ف۲ مولانا عبدالباری ندوی لکھتے ہیں: خود مخلوق کے لیے بھی آخر خلق کے بجائے ظہور کی اصطلاح کیوں استعمال ہو جو طرح طرح کے ابہامات سے خالی نہیں۔

(جامع المجددین۔ ص ۵۳۱)

کے لیے اس سے بہتر بن کوئی فلسفہ نہیں ہے۔

یہاں تک اس نظریے کے جتنے ثمرات بیان کیے گئے ہیں جب تک ان کی اچھی طرح تشریح نہ کی جائے اذہانِ عامہ کے لیے کافی عسیر الفہم معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ کتاب ہم اہلِ علم کو صرف اس نظریۂ اصالت سے متعارف کرنے کے لیے لکھ رہے ہیں اس لیے ہماری معذرت کو قبول کرتے ہوئے فی الحال اسی اختصار پر اکتفا کریں۔ اس کے بعد ہم دوسری فرصت میں ان شاء اللہ اس نظریے پر مکمل بحث کریں گے۔ اگر آپ حق وانصاف کا ساتھ دیں تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ ایسے نظریے کے حاملین مقامِ نبوت کی حقیقی تعبیر کو کیوں بدلنا چاہتے ہیں، اور آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہم اپنی اس تحریر سے کسی خاص مسلک کو اپنا ہدف نہیں بنا رہے اور نہ یہ ہمارا مشن ہے کہ کسی مخصوص شخصیت کو سامنے رکھ کر اس کے تقدس کو مجروح کیا جائے، بلکہ جہاں بھی توحید و نبوت کے خلاف کوئی سقم محسوس کرتے ہیں للّٰہیت کے ساتھ اس کی تردید کر دیتے ہیں۔ اب ہم نظریۂ اصالت جس کا دوسرا نام حقیقتِ محمدیہ ہے اس کے شواہد پیش کرتے ہیں، اور ساتھ ہی تفہیم کے لیے کہیں کہیں اس کی توضیح بھی کرتے جائیں گے۔

علامہ کاظمی صاحب جو برِ صغیر میں اس نظریے کے مشہور سکالر ہیں، ذاتِ نبویہ کے وصفِ اصالت کو عقیدے کے طور پر اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

" اظہارِ کمالاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں،

علمائے امت کا ہمیشہ یہ مسلک رہا کہ جب انہوں نے کسی فردِ مخلوق میں کوئی ایسا کمال پایا جو از روئے دلیل بہ ہیئتِ مخصوصہ اس کے ساتھ مختص نہیں تو اس کمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس بنا پر تسلیم کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے وجود اور اس کے ہر کمال کی اصل ہیں۔ جو کمال اصل میں نہ ہو فرع میں نہیں ہو سکتا لہٰذا فرع میں ایک کمال کا پایا جانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اصل میں یہ کمال ضرور ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اصول بالکل صحیح ہے۔ معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب فرع کا کمال اصل سے مستفاد ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کمال فرع میں ہو اور اصل میں نہ ہو" (الحق المبین، ص ۲۵)

ذاتِ نبویہ کے مراتبِ عالیہ میں ایک مرتبہ آپؐ کا علمی کمال اور اس کی زیادتی بھی ہے۔ کاظمی صاحب آپؐ کے اس مرتبے کو افضلیتِ

---

[1] ان علماء سے جمہور امت کے علماء مراد نہیں ہیں۔ بلکہ وہ علماء مراد ہیں جو ابنِ عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے حامی ہیں۔ وصفِ اصالت کے نظریہ کا بانی چونکہ ابنِ عربی ہے اس لیے ان علماء سے وہی علماء مراد ہو سکتے ہیں جو ابن عربی کے اس نظریہ کے ساتھ اتفاق رکھتے ہوں۔ اسلاف کے نزدیک آپؐ کی افضلیتِ محضہ آپؐ کی نبوت پر موقوف تھی، نہ کہ وصفِ اصالت پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ عصرِ حاضر میں جو علماء اس نظریے کے داعی ہیں ان کے عقیدے کا اسلاف کے عقیدے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

محضہ کی دلیل نہیں سمجھتے۔ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"کسی سُنّی عالم نے بھی افضلیتِ محضّہ کو زیادتی علم کی دلیل نہیں بنایا۔ ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصالت کو حضورؐ کی اعلمیت کی دلیل قرار دیتے ہیں اگر بالفرض کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو حضورؐ کی اعلمیت کی دلیل بنایا بھی ہو تو اس سے افضلیتِ محضہ سمجھنا انتہائی حماقت ہے کیونکہ حضورؐ کی افضلیت حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہے جس کا تحقق اصالت کے بغیر ناممکن ہے"۔ (حق المبین ص ۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اِس نظریے کے حاملین کے نزدیک آپؐ کے مراتب عالیہ میں سے کوئی مرتبہ بھی خواہ آپؐ کا مقامِ نبوت ہی کیوں نہ ہو، آپؐ کی افضلیتِ محضہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اگر کوئی ثابت بھی کرے تو اسے انتہائی حماقت پر محمول کرنا چاہیے۔ اور جو افضلیت آپؐ کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے وصفِ اصالت کے بغیر اس کا تحقق ناممکن ہے۔ اپنے اس مخصوص نظریے کی تائید میں اب کاظمی صاحب ابنِ عربی کا مسلک بیان کرتے ہیں :۔

" اس بات کی تائید و تصدیق کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل اور سب انبیاء کے خاتم، نیز یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام آپؐ کی ذات سے مدد حاصل کرتے ہیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے اس قول سے ہوتی ہے جسے آپ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب ۱۹۴ میں ذکر کیا ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد، دنیا اور آخرت کا کوئی علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنیت (روحانیت) کے بغیر کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں کر سکتا،

برابر ہے کہ متقدمین انبیاء ہوں یا وہ علماء ہوں جو آپؐ کی بعثت سے متاخرین ہیں۔ آپؐ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے مجھے اوّلین و آخرین کے تمام علوم عطا کیے گئے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم آخرین میں سے ہیں (پھر ہمارا کوئی علم بلاواسطہ روحانیتِ محمدؐیہ کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے) اور حضورؐ کے اس ارشاد میں ان علوم کے حکم میں تعمیم معلوم ہوتی ہے لہذا یہ حکم ہر قسم کے علوم کو شامل ہے۔ خواہ وہ علمِ منقول و معقول ہو یا مفہوم اور موہوب۔ لہذا ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے آپؐ کے واسطے سے علم حاصل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں آپؐ کی ذاتِ مقدّسہ علی الاطلاق سب سے زیادہ علم رکھتی ہے۔" (الیواقیت و الجواہر، ص ۳۹ ج ۲۔ حق المبین ص ۲۸)

پہلے ہم ایک عبارت کے ترجمے میں علامہ کاظمی کی ایک علمی خیانت بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی افسوس بھی کرتے ہیں کہ جو لوگ صرف عالم ہی نہ ہوں بلکہ ایک دینی مسلک کی قیادت بھی کر رہے ہوں ان کی شان میں اس قسم کی علمی تحریف زیب نہیں دیتی۔ اوپر کی عبارت میں کاظمی صاحب نے ابنِ عربی کے ایک جملے کا اس طرح ترجمہ کیا ہے:۔

"برابر ہے کہ متقدمین انبیاء ہوں یا وہ علماء ہوں جو آپؐ کی بعثت سے متاخرین ہیں۔"

اور ابن عربی کی اصل عبارت یہ ہے:۔

سواء الانبیاء و العلماء　　برابر ہے انبیاء اور علماء متقدمین

المتقدمون علیٰ زمن — ہوں یا وہ ذی علم ہوں جو آپؐ کی
بعثتہ والمتاخرون عنہا — بعثت کے بعد پیدا ہوں گے۔

(الیواقیت والجواہر۔ ص ۳۹ ج ۲)

کیونکہ اس عبارت کے شروع میں ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد بھی ایسا نہیں ہے جو آپؐ کی باطنیت کے بغیر کسی دوسرے ذریعے سے علم حاصل کر سکتا ہو ظاہر ہے کہ کائنات کے اندر جتنے انبیاء اور علماء موجود ہوں گے وہ سب اسی حصر میں داخل ہیں، خواہ وہ آپؐ کی بعثت سے پہلے گزرے ہوں یا جتنے ذی علم آپؐ کی بعثت کے بعد پیدا ہوں۔ وہ سب کے سب آپؐ کی ذات سے علم حاصل کریں گے۔ اور کاظمی صاحب بعثت سے قبل انبیاء کے ساتھ علماء کو شامل نہیں کر رہے بلکہ بعثت کے بعد کے علماء کو شامل کر رہے ہیں یہ غلط ہے بلکہ انبیاء کے ساتھ سابقہ علماء بھی شامل ہیں۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ایسے لوگوں کا نظریہ اصالت ہو یا مقام نبوت کے بارے میں افضلیت کی کوئی دوسری تعبیر ہو، ان سب کا ماخذ حقیقۃ محمدیہ کا فلسفہ ہے جو ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود میں تعیّنِ اوّل کے نام سے مشہور ہے۔ اگر ان لوگوں کے نظریۂ اصالت کی صراحت کتاب وسنت میں ہوتی یا اسلاف کے علمی ذخائر میں اس کے واضح شواہد موجود ہوتے تو اس نظریہ کے حاملین اپنے دلائل کے لیے ابن عربی کا سہارا نہ لیتے۔

حقیقتِ محمدیہ کے ماخذ

مفہوم کے لحاظ سے حقیقتِ محمدیہ کی تعبیر اتنی دقیق ہے کہ اسے جس قدر بھی پھیلا کر لکھا جائے، فلسفۂ وحدۃ الوجود کی تفہیم کے بغیر اس کا اچھی طرح ادراک نہیں ہوسکتا۔ تاہم اسے متعارف کرانے کے لیے اس کا ماخذ اور مفہوم کچھ نہ کچھ ضرور بیان کرتے ہیں تاکہ نظریۂ اصالت کا جو بنیادی مقصد ہے سامنے آسکے۔ فصوص الحکم جس کی شرح شیخ تاجی نے لکھی ہے اس کے مقدمہ میں حقیقتِ محمدیہ کے بارے میں لکھا ہے :-

لان محمدًا او حقیقۃ محمدٍ	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ
واسطۃ الخلق وحلقۃ	گرامی یا حقیقتِ محمدیہ خالق اور مخلوق
الاتصال بین الذات	کے درمیان واسطہ ہے اور ذاتِ الٰہیہ
الالٰھیۃ و المظاھر الکونیۃ	اور مظاہر کونیہ کے مابین حلقۂ اتصال
فھو فی بمثابۃ العقل الاول	ہے۔ پس حقیقتِ محمدیہ فلسفۂ نو
فی الفلسفۃ الافلاطونیۃ	افلاطونیہ میں عقلِ اوّل کے مصداق ہے
الحدیثۃ و بمثابۃ المسیح	اور مسیحی فلسفہ میں حضرت مسیح کے کلمۃ اللہ
فی الفلسفۃ المسیحیۃ و	کے مصداق ہے اور فلسفۂ غزالی میں
بمثابۃ المطاع فی فلسفۃ	المطاع کے مصداق ہے۔
الغزالی۔	

(فصوص الحکم لابن عربی، ص ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدیہ کا وہی مفہوم ہے جو فلاسفہ کے نزدیک عقلِ اوّل اور مسیحیت کے نزدیک کلمۃ اللہ کا مفہوم ہے۔ اور واسطہ کا مفہوم یہ ہے کہ جتنی نعمتیں مخلوق پر نازل کی جاتی ہیں وہ آپؐ کے واسطے سے کی جاتی ہیں۔ اور حلقۂ اتصال کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز خدا کی کسی نہ کسی صفت کا مظہر ہے۔ جس طرح خدا کی ذات کے ساتھ اس کی صفات کا تعلق ہے اسی طرح کائنات کا خدا کی ذات کے ساتھ ربط ہے۔ اور جس ربط کے ساتھ خدا اور کائنات کے درمیان معیتِ ذاتی کا اتصال ثابت ہو رہا ہے اس ربط کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے حقیقتِ محمدیہ کو کلمۃ اللہ کا مصداق اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح مسیحیت کے فلسفے میں کلمۃ اللہ مراتبِ الٰہیہ میں داخل ہے اسی طرح فلسفۂ وحدۃ الوجود میں حقیقتِ محمدیہ بھی مراتبِ الٰہیہ میں داخل ہے اس لیے وجودیہ مشائخ کہتے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق مخلوق پر نہیں ہو سکتا حضرت تھانویؒ فصوص الحکم کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

"وجود واجب کے مراتب میں سے ایک مرتبہ وحدت ہے جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں، مراد اس سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہیں ہے، محض اصطلاح ہے۔" (خصوص الکلم فی شرح فصوص الحکم ص ۵۶)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

"اور حقیقتِ محمدیہ وغیرہ یہ سب اصطلاحات ہیں، ورنہ یقینی

بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدمؑ مخلوقات ہی ہیں، نہ کہ صفاتِ الٰہیہ۔" (جامع المجددین، ص ۵۳۰)

جناب عبدالباری صاحب ندوی جو فلسفۂ تھانوی کے شارح اور فلسفہ کے مشہور سکالر ہیں، تھانوی صاحب کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"لیکن اصل یہ ہے کہ یہ اصطلاحات چونکہ فلسفہ واشراقیت وغیرہ بیرونی اثرات کا رنگ لیے ہوئے ہیں جہاں حلول واتحاد سب کچھ ہی تھا، اور مسلمان صوفیہ میں کہیں نہ کہیں خواہ سُکر کے غلبہ ہی سے یہ رنگ محض عنوان وعبارت یا اصطلاح کی حدود سے نکل گیا ہے اس لیے اسلم طریقہ یہی ہے کہ ایسی موہم اصطلاحات کا سرے سے استعمال ہی کیوں ہو۔ اور کتاب وسنت کے عنوانات وعبارات سے تجاوز کرنے کی ان نازک مسائل میں وہ ضرورت ہی ایسی کون ہے جس سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔ خود خلق کے لیے بھی آخر خلق کے بجائے ظہور کی اصطلاح کیوں استعمال ہو جو طرح طرح کے ایہامات سے خالی نہیں۔ درحقیقت یہ چیزیں فلسفہ پسند اور نظریات ساز دماغوں کی راہ سے داخل ہوگئی ہیں جو وحی ونبوت کے فطری مذاقِ سلیم پر قانع نہیں رہ سکتے تھے۔" (جامع المجددین، ص ۵۳۱)

حضرت تھانویؒ اُن اکابر علماء میں سے ہیں جو دیوبندی مسلک میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں اور فنِ تصوف میں مجتہد کا مقام رکھتے ہیں، انہوں نے

صاف لکھ دیا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ خدا کے مرتبۂ وحدت کا نام ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ آپؐ مخلوق ہیں نہ کہ صفاتِ الٰہیہ میں سے کوئی صفت ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ کو جب مرتبۂ وحدت کی اصطلاح کے لیے مخصوص کیا گیا ہے تو اسے ذاتِ نبویہ پر کیوں محمول کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے آپؐ کی ذات پر صفتِ الٰہیہ کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب ہم جناب عبد الباری صاحب ندوی کی عبارت کو ذرا سہل کر کے بیان کرتے ہیں:۔

۱۔ حقیقتِ محمدیہ جیسی اصطلاحات فلسفہ و اشراقیت وغیرہ کے عجمی نظریات سے ماخوذ ہیں۔ یہ ایسے نظریات ہیں جن کے ذریعے مقدس ہستیوں میں خدا کا حلول اور اتحاد آسانی کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے۔

۲۔ مشائخ صوفیہ کے بعض شطحیات میں جہاں حلول و اتحاد کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ یا تو سکر کا غلبہ ہے یا ایسے اقوال کو ایسی عبارت یا عنوان کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے جو ظاہری حدود سے تجاوز کر گئے ہیں (اس میں آپ صوفیہ کی حلولی شطحیات کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک شریعت کی عظمت ان کے تحفظ سے بہتر ہے۔ دوسرے غلبۂ سکر کے بعد جب عالم صحو میں داخل ہوتے تھے تو توبہ کے ساتھ ایسے اقوال کا ازالہ کر لیتے)۔

۳۔ اسلم طریقہ یہ ہے کہ جب ایسی اصطلاحات سے شرک کا ایہام پیدا ہوتا ہے تو سرے سے ایسی اصطلاحوں کو استعمال ہی نہ کیا جائے۔

جب معارفِ الٰہیہ بیان کرنے کے لیے قرآن وسنّت میں مسنون عنوان موجود ہیں تو پھر ایسے نازک مسائل میں موہم عنوان استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ کون سی مجبوریاں لاحق ہیں جن کی وجہ سے ان سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ وحدۃ الوجود کے نظریے میں کائنات کی تخلیق ثابت نہیں ہوتی بلکہ کائنات کا خدا سے ظہور ثابت ہوتا ہے۔ اس پر جناب عبدالباری صاحب فرما رہے ہیں کہ تخلیق کی بجائے ظہور کی اصطلاح کیوں استعمال کی جاتی ہے جو طرح طرح کے ایہامات سے خالی نہیں۔ درحقیقت یہ چیزیں فلسفہ پسند اور نظریات ساز دماغوں کی راہ سے داخل ہو گئی ہیں جو وحی ونبوّت کے فطری مذاقِ سلیم پر قانع نہیں رہ سکتے تھے۔

جو علماء حضرت تھانویؒ جیسے اکابرین کے مسلک کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا یہ تبصرہ ان کے لیے ایک حجت ہے۔ واقعی نظریۂ وحدۃ الوجود اور حقیقتِ محمدیہ جیسی اصطلاحیں فلسفہ پسند اور نظریات ساز دماغوں کی راہ سے اسلام میں داخل ہو گئی ہیں جو وحی ونبوت کے فطری مذاقِ سلیم پر قانع نہیں رہ سکتے تھے۔

مولانا عبدالباری صاحب ندوی نے تھانوی تصوف میں ایک تجدیدی کتاب لکھی ہے، اس میں وحدۃ الوجود کے بارے میں تھانوی صاحب کا تحقیقی فیصلہ نقل کرتے ہیں:۔

”مسئلہ خواہ وحدۃ الوجود کی صورت میں ہو یا وحدۃ الشہود کی صورت

ہیں، براہِ راست اسلامی تصوف کا کوئی خاص اور ضروری جزو بالکل نہیں۔ بلکہ کلامی و علمی یا عقلی اور فلسفیانہ مسئلہ ہے۔ یا بعض صوفیہ کے یہ کشفی جو بجائے خود (اسلام میں) کوئی حجت نہیں۔

(تجدید تصوف و سلوک، ص ۱۰۹)

اور دوسرے مقام پر وحدۃ الوجود کے بارے میں حضرت تھانوی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:-

"یہ مسئلہ ایک علمی و کلامی مسئلہ ہے اور اسلامی تصوف کا یہ کوئی خاص جزو نہیں، اور نہ اس اعتبار سے اس بحث کی کوئی اہمیت رہ جاتی ہے کہ اسلامی تصوف میں یہ باہر سے داخل ہوا یا نہیں بلکہ اس کی غالیانہ تعبیرات یقیناً بیرونی اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔" (تجدید تصوف و سلوک، ص ۱۱۱)

دیکھیے حضرت تھانویؒ نے جو خود بھی ایسے نظریات میں اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں، صاف لکھ دیا ہے کہ ابن عربی کا نظریۂ وحدۃ الوجود ہو یا مجدد صاحبؒ کا نظریۂ وحدۃ الشہود، ان کا اسلامی تصوف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ اس کا کوئی حصہ ہیں بلکہ یہ دونوں کلامی اور فلسفیانہ مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، یا بعض انہیں کشف میں داخل کرتے ہیں اور کشف خود ایسی چیز ہے کہ اس سے ہر ثابت شدہ چیز اسلام میں حجت نہیں ہو سکتی۔ جب وحدۃ الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ ہے تو حقیقتِ محمدیہ جو اس نظریے کی بنیادی اینٹ ہے، اسلام میں اس کی کیا حقیقت رہ جائیگی۔

اور جن لوگوں نے نبوت کی اساس ہی حقیقتِ محمدیہ پر رکھی ہے آپ اندازہ کریں کہ ایسے لوگ ملتِ اسلامیہ کو کس وادی میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ اب حقیقتِ محمدیہ کے بارے میں دوسرے محققین کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ عفیفی جو فلسفۂ ابنِ عربی کے مشہور سکالر ہیں' حقیقتِ محمدیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ابنِ عربی حقیقتِ محمدیہ کو حقیقۃ الحقائق، روحِ محمد، عقلِ اول، قلمِ اعلیٰ، انسانِ کامل، اصل العالم، الہیولیٰ اور تنزلِ اول کہہ کر پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم کی تخلیق کی اصل بھی حقیقتِ محمدیہ ہے۔

ابن عربی نے حقیقۃ الحقائق کی اصطلاح اوریجن (origen) سے لی ہے جو فیلو کے لوگوس (Logos) کو عین العیون کہتا تھا۔ ابن عربی حقیقتِ محمدیہ کو عقلِ کل کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جو کائنات کے تمام مظاہر کونیہ اور شئون کی تخلیق کا باعث ہوئی۔ وہ اسے تکوینِ کائنات کی علتِ اول بھی کہتے ہیں اور خدا کی تخلیقی قوت (ارادہ کونیہ) بھی قرار دیتے ہیں۔ ابن عربی حقیقتِ محمدیہ کو قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں، جو قرامطیہ اور اسماعیلیہ کے امام کی طرح ہر زمانے میں حلول کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

(اقبال اور نظریۂ وحدۃ الوجود از سید علی عباس، ص ۱۰۵)

پروفیسر سید علی عباس لکھتے ہیں:۔

" صوفیہ وجودیہ نے حقیقتِ محمدیہ کا تصور نوفلاطونی اور عیسائی

متکلمین آگسٹائن وغیرہ سے لیا تھا۔ سب سے پہلے منصور حلاّج نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازلیت (قدیم ہونے) کی طرف توجہ دلاکر ابنِ عربی کے لوگوس (حقیقتِ محمدیہ) کے نظریے کے لیے زمین ہموار کی۔ حلاج منصور اپنی مشہور کتاب طواسین میں رقم طراز ہیں

"جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عدم سے بھی پہلے موجود تھے اور قلم سے پہلے ان کا اسم موجود تھا۔ آپؐ اُس وقت بھی موجود تھے جب کہ نہ جوہر کا وجود تھا اور نہ اعراض کا اور اوّل و آخر بھی پردہ کتم میں تھے۔"

(اقبال اور نظریہ وحدۃ الوجود، ص ۱۰۵)

حسن علی جامعی شرقپوری تعلیماتِ مجددیہ میں لکھتے ہیں :۔

اہلِ فلسفہ جسے عقلِ اول کہتے ہیں، وہی عقلِ اول حقیقتِ محمدیہ ہے۔ متصوفۂ اسلام نے خواہ مخواہ اہلِ فلسفہ کی اصطلاحات اور ان کے مفہوم کو تعلیمِ وحی کے مطابق کرنے کے لیے نہایت ضعیف اور بھدی تاویلیں کیں اور اپنی مطلب برآری کے لیے افراط و تفریط سے دریغ نہیں کیا۔

(تعلیماتِ مجددیہ، ص ۸۴۴)

جناب بشیر احمد ڈار جو فلسفہ کے سکالر ہیں حقیقتِ محمدیہ کا قدیم ماخذ بیان کرتے ہیں :۔

حضرت مسیح کا تصور وہی قدیم لوگوس (Logos) کا تخیل تھا جو

زرتشتی مذہب سے یونان میں داخل ہوا۔ ہریکلیٹس اور افلاطون سے ہوتا ہوا فلاسفر فیلو، یوحنا اور پولس میں آموجود ہوا۔ فرق صرف یہ تھا کہ فیلو کے ہاں یہ لوگوس یا کلمہ مسیح کے بغیر موجود تھا اور پولس اور یوحنا کا یہ لوگوس کلمۃ اللہ کا روپ دھار لیتا ہے۔ مسلمان صوفیہ کے ہاں یہی نظریہ بعد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ وابستہ ہو کر حقیقتِ محمدیہ بن جاتا ہے۔

(تاریخ تصوف قبل از اسلام، ص ۱۵۴)

پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں :۔

" موجود اولی کہ بمنزلہ افگندن معمار گل است تا کہ قبول کند ہر شکل را بحسب ارادہ نباہبار است کہ در اصطلاح فلاسفہ اورا ہیولی می گویند پس قبول کرد ہر شکل را بحسب استعدادِ صالحہ۔ اندرونِ خانہ روشنی چراغ را قبول می کند۔ پس نبود کسے قریب تر از روئے قبول دراں ہبار مگر حقیقتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام باصطلاح شیخ ابن عربی۔ وعقلِ اول بلسانِ فلاسفہ وہمان است اول ظاہر فی الوجود کہ وجودش از نورِ الٰہی است۔ وہبار حقیقتِ کلیہ است باز قریب تر بداں از نوعِ انسانی حضرت علی است کما صرح بہ الشیخ ابن عربی در فتوحاتِ مکیہ۔

(مکتوبات پیر مہر علی شاہ۔ ص ۱۸)

پیر مہر علی شاہ صاحب کی عبارت کا آسان مفہوم یہ ہے :۔

" ہبار ایک حقیقت کلیہ ہے جسے اصطلاحِ فلاسفہ میں ہیولیٰ

کہتے ہیں اور یہی موجودِ اولی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے معمار کے سامنے گل ہوتی ہے۔ وہ معمار کے ارادہ کے مطابق حسب استعداد ہر شکل قبول کرلیتی ہے۔ جیسے چراغ کی روشنی اندرونِ خانہ ہر چیز قبول کرلیتی ہے۔ اس ہبار میں ابن عربی کی اصطلاح کے مطابق سب سے اول جس صورت نے قبول کیا اس کا نام حقیقت محمدیہ ہے۔ اور اس حقیقتِ محمدیہ کے ساتھ جو قریب ترین صورت تھی وہ حضرت علی کی حقیقت تھی۔"

ہبار، حقیقت کلیہ اور ہیولیٰ ایسی دقیق اور ذو وجوہ اصطلاحیں ہیں جن کی تشریح اس رسالے میں غیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ آپ صرف ان کے ناموں ہی سے اندازہ کرلیں کہ حقیقتِ محمدیہ کا مرکزی ماخذ کیا ہے۔ علامہ کاظمی صاحب حقیقتِ محمدیہ کی تشریح محقق دوانی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"تمام اصحاب نظر و برہان اور ارباب شہود و عیان اس بات پر متفق ہیں کہ بوسیلۂ قدرت و ارادۂ خدائے قدوس امر کن فیکون سے سب سے پہلے جو گوہر مقدس دریائے غیب مکنون سے جو ساحلِ شہود پر آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا، جسے حکماء (فلاسفہ یونان) کے عرف میں عقلِ اول کہتے ہیں اور بعض احادیث میں قلمِ اعلیٰ سے اس کو تعبیر

ﮯ قلمِ اعلیٰ اور عقلِ اول ایک ہی نور کے دو نام ہیں، جب (باقی ص۲۳ پر)

کیا گیا ہے اور ارباب کشف و تحقیق اسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں"۔
(تسکین الخواطر، ص ۶۳)

حقیقتِ محمدیہ کے قدیم مبادیات کی تشریح

گزشتہ صفحات میں اہل حقائق تحریروں میں جن قدیم ماخذوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر ماخذ کی اختصار کے ساتھ کچھ تشریح کر دی جائے، تاکہ اہلِ علم کو اس نظریے کی مبادیات سمجھنے میں ذرا آسانی رہے۔ پہلے آپ یہ بات سمجھ لیں کہ ان قدیم ماخذوں کے ساتھ اس حقیقتِ محمدیہ کا کیا ربط ہے۔ وہ یہ ہے کہ اقوامِ عالم میں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں، ان میں یہ بحث صدیوں سے چلی آرہی ہے کہ کائنات اور خدا کے درمیان ربط کی کیا کیفیت ہے اور تخلیق کے بعد وہ کون سے وسائط ہیں جن کے ذریعے اس کائنات کا نظم و نسق چلایا جاتا ہے۔ ربط بین الحادث والقدیم کی جس طرح ابن عربی نے توضیح کی ہے، اس کا نام نظریۂ وحدۃ الوجود ہے۔ ابنِ عربی نے اپنے اس نظریے میں ان اصولوں سے استفادہ کیا ہے جو اقوامِ عالم کے بعض مذاہب اور نظریات میں پائے جاتے تھے۔ وحدۃ الوجود

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) اس نور کی عبد کی طرف نسبت کی جائے تو اسے عقلِ اول، اور جب خدا کی طرف نسبت کی جائے تو اسے قلم اعلیٰ کہتے ہیں۔

(سردلبراں۔ ص ۲۸۲)

کے نظریے میں حقیقتِ محمدیہ چونکہ تعینِ اوّل کہلاتا ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کی وہی تعبیر ہو گی جس طرح وحدۃ الوجود کی تعبیر سابقہ نظریات سے اخذ کی گئی ہے۔ اس لیے اکثر اہل علم نے تحقیق کر کے واضح کر دیا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کی وہی تعبیر ہے جو فلاں فلاں سابقہ مذاہب کے نظریات میں پائی جاتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک حقیقتِ محمدیہ کا نظریہ زرتشتی مذہب سے ماخوذ ہے۔ پھر بھی نظریہ فلاسفۂ یونان سے ہوتا ہوا فیلو اور مسیحی علماء میں داخل ہو گیا۔ اس لیے پہلے اختصار کے ساتھ زرتشتی نظریے کی وضاحت کرتے ہیں، اس کے بعد بتدریج دوسرے نظریات کی تشریح بیان کریں گے۔ ہمارا مقصود چونکہ تعارف کی سطح تک محدود ہے اس لیے ہم طویل اور دقیق موشگافیوں سے گریز کر رہے ہیں۔ ہم اپنے دوسرے مقالوں میں کوشش کریں گے کہ ان عجمی نظریات کے مسموم اثرات کو اس طرح عریاں کیا جائے تاکہ اسلام کے بنیادی نظریات کا اچھی طرح تحفظ کیا جا سکے۔

زرتشتی نظریہ

امام ابنِ حزم لکھتے ہیں کہ مجوسیت دنیا کا سب سے قدیم مذہب ہے جو عہدِ ابراہیمؑ میں صابئہ کے نام سے مشہور تھا۔ اور بعض محققین کے نزدیک ہنود کا مذہب بھی سب سے قدیم ہے۔ یہ دونوں اس لیے قدیم ہیں کہ آگ اور سورج پرستی کے نظریے میں ان کا باہمی اشتراک پایا جاتا ہے۔ اس لیے ہنود کے قدیم اکابر کو صابئہ بھی کہتے ہیں۔ امام ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں :-

واما الصّابئة وھم جمھور الھند ومعظمھا فانھا تقول بازل العالم وانہ معلول بذات علۃ العلل ھی الباری	ہندستان کے جمہور ہنود صابئہ ہیں اور ان کی اکثریت عالم کی ازلیت کی قائل ہے اور یہ کہ عالم علۃ العلل یعنی ذات باری تعالیٰ سے معلول ہے۔

(طبقات الامم۔ ص ۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ جن ادیان میں قدم عالم کا نظریہ مانا جاتا ہے، ان سب کا ماخذ ہنود اور مجوس کے اس قدیم نظریے سے ماخوذ ہے۔

زرتشت کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں:۔

ایران کے سب سے قدیم مذہب کو مزدائیت کہتے ہیں۔ یہ مذہب زرتشت سے زیادہ قدیمی ہے۔ ان کے نزدیک مزدا کسی خاص قبیلے یا خاص قوم کا خدا نہیں، بلکہ نوع انسان اور دنیا بھر کا خدا ہے۔ زرتشت نامی ایک شخص ایران میں پیدا ہوا۔ جس نے مزدائیت میں ترمیم کر کے ایک نیا مذہب پیش کیا۔ جس کا اہم عقیدہ یہ تھا کہ خالق دو ہیں، ایک خالقِ خیر ہے اور دوسرا خالقِ شر۔ نیکی اور بدی کی جنگ روزِ ازل سے جاری ہے، اس لیے ان کے خالق بھی جدا جدا ہیں۔ محققین سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ زرتشت کی اپنی تاریخی حیثیت ہے۔ بعض ان میں سے زرتشت کا زمانہ پانچ ہزار سال قبلِ مسیح سے اوپر لے جاتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ اس سے کم ہے۔ زرتشت کے بارے میں کہا

جاتا ہے کہ وہ بہت خلوت پسند تھا، وہ کئی کئی دن محویت کے عالم میں رہتا تھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ میرے پاس فرشتے آیا کرتے تھے۔ ایک دن میرے پاس ایک فرشتہ آیا، جس کا نام اردی بہشت تھا اور کہا آگ میں اہورا مزدا کی صفات جمع ہیں، اس لحاظ سے وہ اہورا مزدا[1] کی مظہر ہے اور ہر قسم کی آلائشوں کو پاک کرنے والی ہے، اس کی پرستش کرو۔ پھر اس نے اپنے نظریے کی دعوت پھیلانی شروع کر دی۔ اس عہد میں ایک بادشاہ گشتاسپ تھا اس نے اس کے مذہب کو قبول کر لیا۔ اس طرح کافی لوگ اس کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ اس مذہب کی رو سے اہورا مزدا کا مظہر آگ کو سمجھا جاتا تھا، اس لیے جگہ جگہ آتشکدے بننے لگ گئے زرتشتیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آگ اور نور کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے روشنی حرارت سے جدا ہو کر اندھیری راتوں کو روشن کرتی ہے۔ آگ اور نور اہورا مزدا کے مظاہر ہیں۔ اور ظلمت اہرمن کا مظہر ہے۔ زرتشت اپنی کتاب اوستا میں اپنا یہ عقیدہ بھی پیش کرتا ہے :-

---

[1] زرتشت کا تخیل ہے کہ ہرمز، مزد، اہورا مزدا یا یزدان مختلف تلفظوں میں سب ایک حقیقت کے نام ہیں۔ جو چھٹے مقرب ملائکہ کے ساتھ نور کے عرش پر محفوظ ہے۔ ان اسمار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب صفاتِ الٰہی ہیں۔

(اللہ۔ از عباس محمود عقاد۔ ص ۱۱۶)

"کہ اہورامزدا یعنی خالقِ خیر ہر جگہ موجود ہے۔ کھیتوں میں، دن کی روشنی میں، آتشکدوں کی آگ میں، محنت کرنے والے کے جسم میں، ہوا میں، پانی میں۔ غرضیکہ فائدہ پہنچانے والی ہر چیز میں موجود ہے اہورامزدا کو یہ حاجت نہیں کہ اس کا کوئی مجسمہ بنایا جائے۔"

(تاریخ ایران از بدخشانی، ج ۱ ص ۳۱۷)

کیا خدا کو ظاہر کرنے کے لیے کوئی مخلوق خدا کا مظہر بن سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے جس نے خدا کو ظاہر کرنے کے لیے آگ اور نور کو خدا کا مظہر بنایا ہے وہ زرتشت ہے۔ دوسرے وہ کہتا ہے کہ اہورا مزدا یعنی یزدان جب ہر چیز میں موجود ہے تو اس کو پوجنے کے لیے کوئی مجسّمہ بنانے کی ضرورت نہیں، اس سے خدائے مطلق کا تقید ثابت ہو جائے گا۔ اور وحدۃ الوجود کا نظریہ بھی یہی ہے کہ خدا ہر چیز میں موجود ہے (یعنی ہر چیز خدا کا مظہر ہے) ابن عربی نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ جو مشرک اپنے مخصوص بتوں میں خدا کو مقید کرکے پوجتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، اگر وہ اصنام پرستی کے اس تقید کو ختم کرکے ہر چیز کو خدا کا مظہر سمجھ لیں تو پھر ان کا یہ شرک خالص توحید میں بدل جائے گا۔ نظریۂ وحدۃ الوجود میں گلشنِ راز ایک مستند کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بت پرستی بھی توحید میں داخل ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جو صدیوں تک اسلامی نصاب میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔ ؎

چو کفر و دیں بود قائم بہ ہستی شود توحید عین بت پرستی

چو اشیا ہست ہستی را مظاہر
ازاں جملہ یکے بُت باشد آخر

یعنی کفر و اسلام جو ظاہر میں متضاد نظر آتے ہیں، یہ دونوں اصل میں ایک ہستی مطلق کے ساتھ قائم ہیں۔ جب کفر کو ہم خدا کا غیر نہ سمجھیں گے تو بُت بھی توحید بن جائے گی۔ چونکہ ساری کائنات ہستی حق کے مظاہر ہیں اور ان مظاہر میں سے بت بھی ایک مظہر ہے۔ اس لیے جس بت کی بھی عبادت کی جائے گی وہ عبادت خدا کی عبادت کہلائے گی۔

شرح گلشن راز، ص ۲۵۱)

آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس نظریے کے تحت جب سارے اصنام مظاہر الٰہیہ بن جائیں گے، اس کے بعد وہ کون سی بت پرستی باقی رہ جاتی ہے جس کی آپ تردید کر کے خدا کی توحید ثابت کر سکیں گے۔ یاد رکھیے دنیا میں جتنے شرکیہ مذاہب پائے جاتے ہیں، ان سب کا نظریہ یہی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کا مظہر سمجھتے ہیں اور یہ نظریہ تناسخ اور حلول کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے ہنود اور مجوسیت کی بنیاد بھی نظریہ تناسخ اور حلول پر رکھی گئی ہے۔ علامہ ابوالشکور سالمی لکھتے ہیں :۔

وھم قوم یعبدون کل	مجوس کی ایک ایسی قوم بھی ہے جو ہر
نور مثل الشمس والقمر	روشنی کی پرستش کرتی ہے۔ خواہ وہ
والنجوم والنار ویقولون	روشنی سورج، چاند اور ستاروں کی ہو
بان ھذہ الانوار کلھا	یا آگ کی۔ وہ کہتے ہیں سورج چاند وغیرہ میں

كانت نوراً واحداً قبل ان يخلق الله الخلق فلما خلق الله هذه الاشياء تفرقت هذه الانوار و هي في راى العين و في الحقيقة كلها نور واحد وهو نور الله تعالىٰ - و هذا مذهب البراهمة من بلاد الهند ومذهب المجوس من بلاد العرب والعجم وهذا القول يميل الى التناسخ ويشبه قول الفلاسفة في الجوهر البسيط والحلولية من بلاد الخاقانية -

تمهید لابی الشکور
ص ١٩٢، ١٩٨

جو انوار نظر آتے ہیں یہ انوار کائنات کی تخلیق سے قبل ایک نور کی شکل میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب سورج چاند وغیرہ کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں متفرق ہوکر پھیل گیا۔ سورج، چاند، ستارے وغیرہ جو ظاہر میں علیحدہ علیحدہ شکلوں میں نظر آتے ہیں، درحقیقت وہ اسی ایک ہی نور کے مختلف مظاہر ہیں۔ اور وہ نور دراصل اللہ ہی کا نور ہے۔ نور واحد کے ان مظاہر کا جو نظریہ بیان کیا گیا ہے ہندستان کے برہمنوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اور عرب وعجم میں جتنے مجوس رہتے ہیں ان سب کا یہی نظریہ ہے۔ مظاہر کا یہ نظریہ فلسفہ تناسخ کے عین مطابق ہے۔ فلاسفہ جس طرح جوہر بسیط کی تعریف بیان کرتے ہیں یہ نظریہ اس کے ساتھ وہی مشابہت رکھتا ہے۔ اور خاقان کے علاقہ میں جو حلولی حلاجیہ کی ایک جماعت رہتی ہے ان کا نظریہ حلول بھی مجوسیت کے اسی نظریہ سے ماخوذ ہے۔

علامہ ابوالشکور سالمی مانویہ کا عقیدہ اس طرح بیان کرتے ہیں - یہ مجوس کا ایک مشہور فرقہ ہے -

وقالت المانویۃ بان اللّٰہ	مانویہ جو مجوس کا ایک مشہور فرقہ ہے وہ
تعالیٰ یحل بذاتہ فی کل	کہتے ہیں اللہ کی ذات ہر جگہ اور ہر چیز
مکان وقال بعضہم جزو	میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اور بعض کہتے
منہ یحل فی کل مشاھد	ہیں کہ جن چیزوں کی وہ عبادت کرتے ہیں
وھم یعبدون. وکل	اور وہ چیزیں جو عام محسوسات میں داخل
ما یحسس باعینھم	ہیں ان سب میں خدا کا ایک جزو حلول کیے
من الانوار والاعیان	ہوئے ہے۔ محسوسات کی چیزیں جیسے
والجبال والماء والابل	سورج چاند آگ اور ان کی روشنی پہاڑ
والبقر والغنم والنبات	اور ان کے چشمے، پانی، گائے بھیڑ بکری،
والرجل والمرأۃ وغیر	نباتات، عورت اور مرد وغیرہ۔ حلولیہ

لہ فرقہ مانویہ کا بانی ابن فاتک ہے - جو تیسری صدی عیسوی کے آغاز میں ظاہر ہوا تھا۔ شہرستانی کہتے ہیں کہ ابن فاتک نے اپنے مانوی مذہب کا تخیل مجوسیت اور نصرانیت کے بین بین قائم کیا ہے۔ حکیم مانی کے عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ یہ جہان دو اصولوں سے مرکب ہے ایک نور اور دوسرا ظلمت - اور یہ دونوں ازلی ہیں، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے -

(اللہ - از عباس محمود عقاد - ص ۱۲۷)

ذلك هذا هو المذهب للحلولية من الحلاجية وعند الغالية من الروافض وهذا المعنی قالوا بان علیاً کان الهًا۔	حلاجیہ جو منصور حلاج کا ایک مشہور فرقہ ہے ۔ حلول کے لحاظ سے اس کا بھی ایسا ہی عقیدہ ہے جیسا کہ مانویہ مجوسیہ کا۔ اسی طرح غالیہ شیعہ جو حضرت علی کو الٰہ کہتے ہیں ۔ ان کا یہ عقیدہ بھی مانویہ مجوسیہ سے ماخوذ ہے۔[۱]

(تمہید لابی الشکور، ص ۱۹۷)

علامہ ابوالشکور سالمی نظریۂ حلولیت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم نقول بان الله تعالیٰ لو کان فی کل مکان یؤدی الی ان یکون فی افواه الکلاب والدواب وفروج النساء وهذا کفر قبیح.	اگر ہر جگہ اور ہر چیز میں اللہ کا حلول مان لیا جائے جیسا کہ حلولی فرقوں کا عقیدہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ہر حلال و حرام جانور کے منہ اور پیٹ میں اللہ کا حلول ماننا پڑے گا۔ حتیٰ کہ عورتوں کے پوشیدہ مقام میں بھی حلول تصور کرنا پڑے گا۔ اور یہ ایسا نظریہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی قبیح کفر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔
(تمہید لابی الشکور، ص ۳۸)	

---

[۱] اس وجہ سے بعض محققین کے نزدیک روافض کا قدیم مذہب مجوسیت سے ماخوذ ہے۔

مجوسیت میں حلول اور مظہر کا مفہوم

مجوسیت کے نزدیک کائنات کے اندر جتنے انوار پائے جاتے ہیں، ان سب کا سرچشمہ خدا کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب سورج، چاند اور آگ وغیرہ کو پیدا کیا تو ہر روشن چیز میں خدا نے اپنا نور داخل کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ سورج سے جو دھوپ نکل رہی ہے یہ دھوپ نہیں ہے بلکہ خدا کا نور دھوپ کی صورت میں نظر آرہا ہے۔ اسی طرح جب چاند روشن ہوتا ہے تو خدا کا نور چاندنی بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ ہر روشن چیز کی روشنی کو خدا کے نور پر محمول کر لیں۔ وہ کہتے ہیں خدا کی دوسری صفات کی طرح نور بھی خدا کی ایک صفت ہے۔ چونکہ اس صفت کا سورج کے ذریعے اظہار کیا جا رہا ہے اس لیے ہم سورج کو خدا کے نور کا مظہر کہیں گے۔ اِس مثال سے آپ سمجھ جائیں گے کہ مظہرِ الٰہی کا کیا مفہوم ہے۔ یعنی جس چیز کے ذریعے خدا کی کسی صفت کا بھی اظہار کیا جائے گا اس چیز کو خدا کی اس صفت کا مظہر کہا جائے گا۔ اور جس مخلوق میں خدا کی تمام صفات کا ظہور ہو گا اسے ہم ذاتِ الٰہی کا جامع مظہر کہیں گے، جیسے ذاتِ نبویہ کو خدا کا مظہرِ اتم کہتے ہیں۔

۲۔ جب خدا کا نور دھوپ کی صورت میں سورج سے ظاہر ہو سکتا ہے اسی طرح خدا کی دوسری صفات بھی کسی نہ کسی صورت میں اشیاء کے وجود سے ظاہر ہو سکتی ہیں، اس لیے زرتشت نے اپنی کتاب ژند اوستا میں کہ خالق یزداں ہر چیز میں جلوہ گر ہے۔ کھیتوں میں، آتشکدوں کی آگ میں،

ہوا ہیں، پانی ہیں غرضیکہ فائدہ پہنچانے والی ہر چیز میں خدا موجود ہے۔ موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں خدا کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اب ان چیزوں میں سے جس چیز کی بھی پرستش کی جائے گی اُس پرستش میں اس چیز کا وجود مقصود نہ ہوگا، بلکہ اس چیز کے وجود میں خدا کی جس صفت کا ظہور ہو رہا ہے حقیقت میں اس صفتِ الٰہی کی پرستش سمجھی جائے گی۔ ہنود کی بُت پرستی بھی اسی نظریے پر موقوف ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ ان چیزوں کے وجود میں خدا کی صفات کس طرح داخل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً جب ایک چیز کسی دوسری چیز میں داخل ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو چیز داخل ہو رہی ہے وہ داخل ہونے والی چیز میں پہلے موجود نہ تھی، داخل ہونے کے بعد کہا جائے گا کہ اب وہ چیز اس وجود میں منتقل ہو گئی ہے۔ اسی طرح ہنود کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو اس کی روح کسی دوسرے وجود میں، داخل ہو جاتی ہے۔ اس نظریے کو آواگون یا تناسخ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک روح ایک ایسی چیز ہے کہ وہ تنہا مجرد ہو کر نہیں رہ سکتی، بلکہ اُسے اپنے رہنے کے لیے کسی نہ کسی بدن کی ضرورت رہتی ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ خدا کی روح بھی ہر اطلاق سے پہلے مجرد تھی، اس نے چاہا کہ میں اپنے آپ کو ظاہر کروں اور جس طرح روح بدن کے بغیر تنہا نہیں رہ سکتی اسی طرح خدا کی ذات بھی مظاہر کے بغیر اپنے آپ کو ظاہر نہ کر سکتی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ روح اپنے رہنے کے لیے جس طرح بدن کی محتاج ہے

اسی طرح خدا بھی اپنے ظہور کے لیے کائنات کا محتاج نظر آتا ہے۔ یہی وہ نظریہ مظہر ہے جس کا ماخذ تناسخ کا فلسفہ ہے۔

۳۔ فرقہ مانویہ کے نزدیک خدا کی ذات یا خدا کا کچھ حصہ ہر چیز میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اسی طرح حلولی حلّاجیہ اور غالبہ روافض کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ بھلا ایک محسوس چیز تو دوسری محسوس چیز میں حلول کر سکتی ہے لیکن جو غیر مرئی ہو وہ محسوس میں کیسے حلول کر سکتی ہے۔ اس کی صورت انہوں نے یہ سوچی کہ جن عوارض کی وجہ سے کوئی چیز محسوس ہونے لگتی ہے ذاتِ باری پر بھی انہیں عوارض کا اطلاق کر دیا جائے۔ جیسے فرشتے کو اختیار ہے کہ وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے، اسی طرح خدا بھی ہر ممکن پر قادر ہے جس صورت میں چاہے وہ اپنے آپ کو ظاہر کر سکتا ہے۔ حضرت مسیح کی ابنیت اور تمام حلولی فرقوں کی حلولیت کا ماخذ یہی ہے کہ خدا جس صورت میں چاہے اپنے آپ کو ظاہر کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر ڈبلیو ہلر جو مسیحی نظریات کا متکلم ہے وہ لکھتا ہے:۔

"خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے لہٰذا وہ قادرِ مطلق ہے اس کے لیے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو ہم پر ظاہر کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے اگر ہم یہ کہیں کہ خدا ایسا نہیں کر سکتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس کی قدرت کا انکار کرتے ہیں اور یہ انکار کفر کے برابر ہوگا۔" (Can I Know God. P. 12)

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا واقعی ہر ممکن پر قادر ہے لیکن خدا جب

اپنے آپ کو کسی صورت میں ظاہر کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ صورت حادث ہوگی اور ہر حادث تغیر پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ صورت پھر ایک حد تک محدود نہ رہے گی بلکہ یہ صورت تغیر پذیری کی وجہ سے ہزاروں صورتوں میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ جس وجود پر اس قدر تغیرات کے احتمال پائے جاتے ہوں، ایسے وجود کو خدا کا قدیم وجود کیسے کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا جب کسی حادث صورت میں ظاہر ہوگا تو اس سے ثابت ہوگا کہ خدا کا وجود بھی حدوث کی صفت قبول کر سکتا ہے جس سے خدا کا قدیم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی ذات پر جب حدوث کے عوارض کا اطلاق نہ کیا جائے اس کی ذات کسی چیز میں حلول نہیں کر سکتی۔ یہ بھی یاد رہے کہ حلول اور مظہر کے نظریے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صرف اُلجھاؤ کی خاطر ان کی تعبیر میں اختلاف بیان کر دیتے ہیں۔

(۱) حلولیہ کے نزدیک حلول کی تعریف یہ ہے کہ خدا تنزل کر کے کسی مخلوق کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر اس صورت سے جو آواز آتی ہے وہ کہتے ہیں یہ اس کی اپنی آواز نہیں ہے بلکہ اس کی آواز میں خدا بول رہا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عرش پر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو گفتگو کی تھی تو وہ گفتگو حضرت علی کے لہجے میں کی تھی۔ اور کاظمی صاحب اپنی کتاب معراج النبی میں لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو حضرت ابوبکرؓ کے لہجے میں کی گئی تھی۔ اور صوفیہ حلولیہ کہتے ہیں کہ

منصور نے جب انا الحق کہا تھا تو یہ کلمہ منصور نے نہیں کہا تھا بلکہ منصور کے لہجے میں خود خدا بول رہا تھا۔ چشتیہ سلسلے کے بعض اکابر سے منقول ہے کہ آخرت میں خدا جب تک میرے مرشد کی صورت میں ظاہر نہ ہوگا میں ایسے خدا کی زیارت بھی نہ کروں گا۔ (بوادر النوادر)

نواب وحید الزماں اپنی کتاب ہدیۃ المہدی میں اہلِ حدیث کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

والظھور فی ای صورۃ شاء۔ (ہدیۃ المہدی ص ۹ ج ۱) خدا جس صورت میں چاہے اپنے آپ کو ظاہر کر سکتا ہے۔

ان تمام نظریات کا ماخذ حلولیت کا فلسفہ ہے۔ اور مسیحی حلولیت کی تشریح اگلے اوراق میں آرہی ہے۔

(۲) مظہر اور مظہر پرستی کی مختصر تعریف یہ ہے کہ کسی مخلوق سے جب اس کی فطری خاصیت کا ظہور ہوتا ہے تو مظاہر پرست کہتے ہیں کہ یہ اس کی ذاتی خاصیت نہیں ہے بلکہ اس کے وجود سے خدا کی ایک صفت کا ظہور ہو رہا ہے، جیسے پھول سے خوشبو اور چاند سے روشنی کا ظاہر ہونا۔ حالانکہ یہ ان کی اس فطری خاصیت کا ظہور ہے جو خالقِ فطرت نے ان کے وجود میں تخلیق کے لحاظ سے ودیعت کر رکھی ہے۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی فطری خاصیت نہیں ہے بلکہ پھول کی خوشبو اور چاند کی روشنی میں خدا کی تجلیات کا ظہور ہو رہا ہے۔

اور وحدۃ الوجود کی بنیاد بھی فلسفہ مظہریت پر رکھی گئی ہے۔ ان کے

نزدیک جس وجود سے خدا کی ساری صفات کا ظہور ہوتا ہے وہ صرف ذاتِ نبویہ کا وجود ہے۔ وجود یہ صوفیہ کہتے ہیں حقیقتِ محمدیہ جسن الوہیت کی تجلی اول ہے۔

مجوسیت میں نبوّت کا مفہوم

مجوسیت کے نظریات اتنے عالمگیر ہیں کہ دنیا کا کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے ضرر سے بچ نکلا ہو۔ امام اوزاعی نو اہل کتاب اور اسلام کے سوا دنیا کے باقی تمام مذاہب کو مجوسیت میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے :۔

کل دین بعد الاسلام سوی الیھودیۃ والنصرانیۃ فھم مجوس ۔	اقوام عالم میں اسلام، یہودیت اور نصرانیت کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں وہ سب کے سب مجوسیت میں شامل ہیں۔

(کتاب الاموال، ص ۵۴۵ ۔
حوالہ عرب و ہند عہد رسالت میں ص۱۴۵)

اور امام شہرستانی فرماتے ہیں :۔

" مجوسیت دینِ اکبر اور ملتِ عظمیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ سابقہ نبیوں میں سے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام مجوسیت کی عالمگیر امت کی طرف مبعوث ہوئے تھے اسی طرح دوسرا کوئی نبی بھی اتنی وسیع امت کے لیے مبعوث نہیں ہوا تھا" (الملل والنحل، ص ۲۳۰ ج ۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ مجوسیت جس طرح اکثریت کی وجہ سے اکثر ممالک میں پھیلی ہوئی تھی اس طرح اس مذہب کے نظریات بھی ایسے خطرناک تھے کہ اس کے لیے ایسے اولی العزم پیغمبر کی ضرورت تھی جو اس پوری ملت کے مہلک نظریات کی اصلاح کر سکے۔ جس عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اُس وقت بابلی اور عرب کی مجوسیت صابئہ کے نام سے مشہور تھی۔ یعنی ہر خطّے میں مجوسیت مختلف ناموں کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی اصولاً سب کے سب آگ اور کواکب کی پرستش کرتے تھے اور انہیں اپنے اوتاروں اور روحانیات کا مظہر سمجھتے تھے۔ عہدِ ابراہیمؑ کی مجوسیت کے اہم نظریات میں سے ایک یہ نظریہ بھی تھا کہ وہ نبوت کے لیے بشری عوارض کی وجہ سے انسان کو نبی نہ مانتے تھے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:۔

فالصابئة كانت تقول انا نحتاج فی معرفة الله ومعرفة طاعته الى متوسط لكن ذلك المتوسط يجب ان يكون روحانيا ولا جسمانيا۔ وذلك لزكاء الروحانيات و قربها من رب الارباب

عہدِ ابراہیمی کے صابئہ کہتے تھے ہمیں خدا کی معرفت اور اس کی عبادت کرنے کے طریقے معلوم کرنے کے لیے ایک واسطے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس واسطے کا تعلق روحانیات سے ہونا چاہیے جنسِ بشر سے نہ ہو، کیونکہ ارواح اپنی لطافت کی وجہ سے زیادہ مزکی ہوتی ہیں اور ساتھ ہی اس لطافت کی وجہ سے رب الارباب

والجسمانی بشر مثلنا یاکل مماناکل ویشرب ممانشرب الملل والنحل ص ۴ ج ۲	کے زیادہ قریب ہوتی ہیں، بخلاف انسان کے کہ وہ ہر قسم کے عوارضِ بشریہ کے ساتھ ملوث ہے جس طرح ہم کھاتے پیتے ہیں وہ بھی ہماری طرح کھاتا پیتا ہے۔ ان عوارض کی وجہ سے انسان پر نبوت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

اِس سے معلوم ہوا اس قوم کو خدا کی معرفت کے لیے واسطے کی تو ضرورت تھی، لیکن جس واسطے کے ذریعے وہ اس معرفت کو حاصل کرنا چاہتے تھے اس میں انہیں انبیار کا جسمانی اور تشریعی واسطہ منظور نہ تھا۔ اور ساتھ ہی انہوں نے اس کی ظاہری وجہ بھی بتلا دی تھی، کہ چونکہ نبی بشر ہوتے ہیں، وہ کھاتے ہیں پیتے ہیں اور بیمار ہوتے ہیں اس لیے ہم وہ واسطہ قبول کریں گے جو بشریت کے جملہ عوارض سے پاک ہو۔ ان کے عقائد میں ملائکہ کی روحانیات کا قدیم تصور موجود تھا اس لیے خدا کے تقرب کے لیے انہوں نے روحانیات کو اپنا واسطہ بنالیا۔ سوال یہ ہے کہ واسطہ بنانے کا جب مقصد بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کیا جائے تو اس کے لیے وہی واسطہ بہتر ہوگا جو خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو نہ کہ وہ واسطہ جس کا اپنے زعم کے مطابق انتخاب کیا جاتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ خدا کے مقرر کردہ واسطوں کو قبول نہیں کرتے بلکہ اپنے زعمِ باطل کے مطابق روحانی وسائط اختراع کرتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن نبیوں کو خدا کی طرف سے مبعوث کیا جاتا ہے وہ سب کے سب جنسِ بشر سے ہوتے ہیں۔ دوسرے، ان کی بعثت کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو احکام ان پر نازل ہوتے ہیں وہ لوگوں تک پہنچا دیں۔ انبیاء کے اس مشن کو مقامِ نبوت کہتے ہیں۔ نبوت ایک ایسا مقام ہے کہ خدا کے نزدیک تقرب کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر دوسرا کوئی مقام بھی اتنا ترفع حاصل نہیں کر سکتا۔

لیکن مشرکین کے نزدیک خدا کے تقرب کا یہ معیار ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو اپنا مقرب بناتے ہیں تو نیابت کے طور پر وہ مقرب الوہی صفات کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ جس قسم کا تصرف کرنا چاہے اسے اس تصرف میں کلی اختیار ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب کوئی نبی ان کے سامنے نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اس کی بشری کمزوریوں کو دیکھ کر تعجب کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ نبی واقعی خدا کا مقرب ہوتا تو پھر اسے بھوک اور پیاس کیوں محسوس ہوتی ہے۔ دوسرے، وہ کہتے ہیں، اگر بشریت اور اس کے عوارض کے باوجود بھی تقرب کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو پھر وہ کون سی شئ مانع ہے کہ ہم لوگ اس تقرب کے مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ بشریت پر نبوت کے اطلاق کو قبول نہیں کرتے بلکہ ملائکہ جیسی روحانی مخلوق پر نبوت کا اثبات پیش کرتے ہیں۔ یعنی مشرکین کے نزدیک نبوت کا مفہوم تکوینی تقرب کے مترادف ہے۔ اور خدا کے نزدیک مقامِ نبوت کے تمام لوازم تشریعی حدود میں

محدود ہوتے ہیں۔ انبیاء کی بشریت پر اعتراض کرنے والے نبوت کے اصل مقصد کو نہیں سمجھ سکے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا تمام تر تعلق انسانوں کی اصلاح تک محدود ہے۔ نبوت پر بعض ایسے احکام بھی اترتے ہیں جن پر نبی خود بھی عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر نبی کو بشری جنس کے علاوہ کسی دوسری جنس سے بنایا جائے گا تو اس نبی کا وجود جب ایسے احکام قبول کرنے کی خود اہلیت بھی نہیں رکھتا تو امت کے سامنے اس عمل کو کس صورت میں پیش کر سکے گا۔ مثلاً ایک فرشتے کو نبی بنادیا جاتا ہے۔ جب اس نبی پر روزے کا حکم نازل ہوگا کہ آپ روزہ رکھ کر امت کو بتلائیں کہ خدا کے حکم کے مطابق روزہ کیسے رکھا جاتا ہے اب بتلائیے یہ فرشتہ جو نبی بنا ہوا ہے روزے کے حکم کی کیسے تعمیل کر سکتا ہے جب کہ وہ بھوک اور پیاس کے عوارض سے بالکل پاک ہے۔ اسی طرح نکاح، طلاق، بیع وشراء وغیرہ ایسے احکام ہیں کہ فرشتہ کی ذات پر ان کا عملاً اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح اظہارِ حق کے نتیجے میں اس نبی کو جب اس کے مخالفین ایذا پہنچائیں گے تو فرشتہ نبی کو کس طرح ایذا پہنچا سکیں گے فرشتہ نبی نہ ایذا رسانی کی وجہ سے شہادت حاصل کر سکتا ہے اور نہ وہ کسی تکلیف کی وجہ سے ماجور ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بشری جنس کے سوا کسی دوسری جنس پر نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ نبوت اور بشریت کے درمیان ایسا لازمی ربط پایا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کی تبدیلی اس کے دوسرے لازم کو دوسری جنس میں تبدیل کر دیتی ہے۔ مثلاً بشریت کے

علاوہ جب آپ مقام نبوت کو دوسری جنس پر ثابت کریں گے تو نبوت کو جس مفہوم کے ساتھ شریعت میں مختص کیا گیا ہے تو اس کا یہ اختصاص دوسرے مفہوم میں تبدیل ہو جائے گا یعنی جس نبوت کو جنسِ بشریت پر ثابت کیا جائے گا اسے ہم تشریعی نبوت کہیں گے۔ اور جو نبوت کسی دوسری جنس پر ثابت کی جائے گی اس کو ہم تشریعی نبوت نہیں کہہ سکتے، بلکہ اسے نبوت کی کسی دوسری جنس میں شامل کرنا پڑے گا۔ اور مشرکین بھی یہی چاہتے ہیں کہ نام تو نبوت کا رہے لیکن اس کا مفہوم تشریعی نہ رہے بلکہ خدا کی کسی تکوینی صفت کے مفہوم میں تبدیل ہو جائے[1]

مجوسیت اور روحانی توسط کا مفہوم

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ صابئہ خدا کے تقرب کے لیے روحانیات کا توسط اختیار کرتے ہیں اور انبیاء کا توسط وہ اس لیے قبول نہیں کرتے کہ وہ بشری عوارض کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔ اب ہم یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ صابئہ کے نزدیک روحانی تقرب کا کیا مقصد ہے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:-

ومذهب هؤلاء ان   صابئہ قوم کا عقیدہ ہے کہ اس کائنات کا

---

[1] جیسا کہ عہدِ حاضر کے بعض غالی فرقے نبی کے مفہوم کو غیب داں، مختارِ کل کی اصطلاحوں میں استعمال کرتے ہیں۔ پھر ان سے ہر قسم کے تکوینی تصرفات اثبات کر لیتے ہیں۔

للعالم صانعاً فاطراً حکیماً	ایک خالق ہے جو فاطر اور حکیم بھی ہے اور
مقدساً عن سمات	اس کی ذات ہر حادث صفت سے
الحدثان والواجب علینا	پاک ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ اس
معرفۃ العجز عن	ذات تک رسائی کے لیے ہم اپنی
الوصول الی جلالہ و	عاجزی کا اعتراف کریں۔ وہ کہتے ہیں
انما یتقرب الیہ	اس ذات کا تقرب ان روحانی وسائط
بالمتوسطات المقربین	کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے جو اللہ کے
لدیہ وھم روحانیون	نزدیک مقرب فرشتے کہلاتے ہیں
جوھراً وفعلاً وحالۃ۔	اور وہ تین صفات کے ساتھ موصوف
الملل والنحل	ہوتے ہیں صفت جوہر۔ صفات افعالیہ
ص ۶ ج ۲	اور صفت حالت۔

اس کے بعد علامہ شہرستانی ان صفات کی تشریح بیان کرتے ہیں :۔

(۱) اما الجوھر فھم	روحانی ملائکہ کو جوہر کہنے کا مطلب یہ
المقدسون عن المواد	ہے کہ وہ بشری اور جسمانی عوارض سے
الجسمانیۃ وفطروا علی	بالکل پاک ہیں، وہ صرف تسبیح اور تقدیس
التقدیس والتسبیح	کے لیے مقرر ہیں۔ عاذیمون اور ہرمس
انما ارشدنا الیھم	ہمارے اس عقیدے کے معلم اول ہیں
معلمنا الاول عاذیمون	ہم ان روحانی الہوں کی طرف عاذیمون کے

وهم مس فنحن نتقرب اليهم ونتوكل عليهم وهم اربابنا و الهتنا وشفعاءنا عند الله وهو رب الارباب و اله الالهة رب كل شئ ومليكه. فنسال حاجاتنا منهم ونعرض احوالنا عليهم فيشفعون لنا الى خالقنا وخالقهم ورازقنا ورازقهم۔

ذریعے تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کے اختیارات پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہ ہمارے چھوٹے رب اور آلہ ہیں اللہ کی طرف ہماری سفارش کرتے ہیں وہ خدا ان سب خداؤں کا بڑا رب اور آلہ ہے اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا رب اور مالک ہے۔ ہم اپنے چھوٹے خداؤں سے اپنی مرادیں طلب کرتے ہیں، اپنا ہر دکھ سکھ ان کے آگے پیش کرتے ہیں۔ پھر یہ چھوٹے خدا ہمارے حوائج کی اس بڑے رب کے آگے سفارش کرتے ہیں جو حقیقت میں ہمارا اور ہمارے ان خداؤں کا خالق بھی ہے اور رازق بھی۔

صابئہ کے اس عقیدے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ روحانیات (ملائکہ) کو اپنا وسیلہ بنا کر خدا کے نزدیک کون سا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ عقیدۃً اتنا تو تسلیم کرتے ہیں کہ اس ساری کائنات کا ایک خالق ہے۔ لیکن وہ ایسی بلند ہستی ہے کہ ہم اپنی حوائج کے لیے براہ راست اس کے آگے اپنی درخواستیں پیش نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے ملائکہ کو

اپنا سفارشی وسیلہ بنایا۔ یہ سفارش کرنے والے چونکہ ان کی ہر بات خدا سے منوا لیتے ہیں اس لیے وہ انہیں چھوٹے چھوٹے الٰہ کہتے ہیں۔ اور خدا سے ہر بات وہ منوا سکتا ہے جسے اس قسم کے اختیارات حاصل ہوں کہ جب بھی وہ سفارش کرنا چاہیں ان کی کسی بات کو ٹالا نہ جا سکے۔ ایسے اختیارات کو وہ اُلوہی اختیارات کہتے ہیں جو انہیں خدا کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں، اس وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے چھوٹے الٰہ اور رب ہیں اور وہ خدا ان سب کا رب الارباب ہے۔ اب الوہی اختیارات کا اجمال بیان کیا جاتا ہے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں :-

(۲) واما الفعل فقالوا الروحانیات هم الاسباب المتوسطون فی الاختراع والایجاد وتصریف الامور من حال الی حال یستمدون القوة من الحضرة القدسیة و یفیضون الفیض علی الموجودات السفلیة.	روحانیات کی صفتِ فعالیہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا اور کائنات کے درمیان ہر طرح کے تصرف کے لیے وسائل کا کام دیتے ہیں کائنات کی ہر چیز ان کے ذریعے ایجاد اور اختراع کی جاتی ہے۔ کائنات کے اندر جب کوئی چیز ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی ہے تو حالات کی ہر تبدیلی ان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے

کہ پہلے وہ ہر قسم اختیارات کا فیض خدا سے حاصل کر لیتے ہیں، پھر حسب ضرورت کائنات کی ہر چیز میں وہ فیض تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ (اس فیض کا

نام الوہی اختیارات ہے)۔

(۳) روحانیات کی تیسری صفت کا نام حالت ہے۔ یعنی خدا کی تسبیح اور تقدیس ان کی روحانی غذا ہے۔ بعض قیام میں، بعض رکوع و سجود کی حالت میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ ہر فرشتہ جس قسم کی عبادت میں مصروف ہے وہ اپنی اس عبادت میں اتنی لذت اور سکون محسوس کرتا ہے کہ اس کے علاوہ وہ دوسری حالت کو پسند نہیں کرتا۔

روحانیات کے تصرف کے لیے انہیں سات ستاروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان ستاروں کو روحانیات کے ہیکل کہتے ہیں۔ ہیکل کی مثال ایسی ہے جیسے روح کے لیے بدن کی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا شمس و قمر اور دوسرے کواکب ان روحانیات کے اجسام ہیں۔ کائنات کے جن عناصر میں یہ ہیکل تصرف کرتے ہیں ان عناصر کو امہات کہتے ہیں۔ یہ روحانیات اپنے ہیکلوں کے ذریعے ایک مخصوص طریقے سے ان عناصر اور طبائع میں تحریک پیدا کر دیتے ہیں جس کے نتائج میں ان عناصر میں امتزاج اور ترکیب کے ذریعے مختلف شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تصرف کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے جس طرح بارش کے سارے نظام پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے، اسی طرح بارش کی تقسیم اور اس کے ہر قطرے پر بھی ایک تکوینی فرشتہ مقرر ہوتا ہے اور آسمانی نظام اور زمینی نظام کے لیے علیحدہ علیحدہ مدبر ہوتے ہیں۔

(الملل والنحل، ص ۶ ج ۲ تا ص ۸ ج ۲)

مجوسی نظریات کے ساتھ حقیقتِ محمدیہ کی تطبیق

روحانیات کی صفاتِ افعالیہ کا مفہوم آپ نے پڑھ لیا ہے، کہ یہ روحانی وسائط سے اپنے بڑے خدا سے الوہی اختیارات کیسے حاصل کرتے ہیں۔ پھر اپنے اس اختیار کے ذریعے دنیا کی چیزوں کو کس طرح پیدا کرتے ہیں، اور کس طرح انہیں روزی دیتے ہیں، مارتے ہیں، جلاتے ہیں۔ اور ان کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔

اب ہم اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ان روحانی وسائط کے ساتھ خدا کا کیا ربط ہے اور اس ربط کی کیفیت کیا ہے۔ صابئہ کا مرکزی علاقہ حران ہے۔ اس فرقہ کے حرانی علما۔ اس ربط کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں جو تمام تر تناسخ اور حلول کے فلسفے سے ماخوذ ہے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:۔

قالوا ان الصانع المعبود	صابئہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق
واحد وکثیر۔ اما	ایک بھی ہے اور کثیر بھی۔ وہ ذات کے
واحد ففی الذات	لحاظ سے تو واحد ہے اور دیکھنے والے
و اما کثیر فلانہ	کی نگاہ میں جو مختلف صورتیں نظر آرہی
یتکثر بالاشخاص	ہیں، اس وجہ سے وہ کثیر ہے۔ جیسے
فی رای العین وھی	آسمان پر تدبیر کرنے والے سات ستارے
المدبرات السبع	علیحدہ علیحدہ صورتوں میں نظر آتے ہیں

فانه تعالیٰ یظهر بها ویتشخص باشخاصها ولا تبطل وحدته فی ذاته۔

وربما قالوا انما تشخص بالهیاکل السماویة کلها وهو احد وانما یظهر فعله فی واحد واحد بقدر اثاره فیه وتشخصه به فکان الهیاکل السبعة اعضاءها السبعة وکان اعضاءنا السبعة هیاکله السبعة فیها یظهر فینطق بلساننا ویبصر باعیننا و

اللہ تعالیٰ ان ستاروں کے ذریعے اپنے افعال کو ظاہر کرتا ہے اور اپنے آپ کو ان کی صورتوں میں متشخص کر لیتا ہے اس طرح جو اس کی ذاتی وحدت ہے یہ کثرت اسے باطل نہیں کر سکتی

اور بعض دفعہ صابئہ اپنے اس عقیدہ کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ جتنے ہیاکل سماوی موجود ہیں ان کی ہر صورت میں خدا اپنے آپ کو متشخص کیے ہوئے ہے، حالانکہ وہ ذات کے لحاظ سے واحد ہے لیکن ان تشخصات کی وجہ سے کثیر ہے۔ ان ہیاکل میں ظاہر ہونے سے مراد یہ ہے کہ ہر ستارے کی استعداد اور اس کے تشخص کے مطابق خدا اپنے کسی نہ کسی فعل کو ان کے ذریعے ظاہر کرتا ہے ۔ گویا ان سات ہیاکل کو سات اعضاء کے مانند تصور کریں جن کے ذریعے اس کی صفات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے سات اعضاء

یسمع باذاننا و
یبسط و یقبض
بایدینا و یجیُ
و یذھب بارجلنا
و یفعل بجوارحنا

بھی گویا اس خدا کے سات ہیاکل ہیں وہ ہمارے ان اعضاء کے ذریعے اپنے افعال کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ پس وہ ہماری زبان کے ساتھ بولتا ہے، ہماری آنکھوں کے ساتھ دیکھتا ہے، ہمارے کانوں کے ساتھ سُنتا ہے، ہمارے ہاتھوں کے ساتھ تنگی اور فراخی کرتا ہے اور ہمارے پاؤں کے ساتھ آتا جاتا ہے۔ غرضیکہ ہمارے اندر جتنے جوارح موجود ہیں ان کے ذریعے خدا اپنے افعال کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ (الملل والنحل۔ ص ۴۵ ج ۲، ۵۶، ج ۲)

تفہیم کی خاطر اس عبارت کو ہم ذرا سہل کر کے پیش کرتے ہیں حضرت ابراہیم کی امت جیسے مجوسی اور صابئہ کہتے ہیں ان کے نزدیک خدا کی تعریف یہ ہے کہ ہمارا خدا ذات کے لحاظ سے تو واحد ہے لیکن صفات کی وجہ سے کثیر ہے۔ یہ سات ستارے جو روحانیات کے ہیکل کہلاتے ہیں، خدا کی سات صفات کا مظہر ہیں۔ خدا ان ستاروں کے تشخص میں اپنے افعال کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ ان تشخصات کی کثرت خدا کی وحدت کو باطل نہیں کر سکتی۔ اور صابئہ کبھی اپنے اس نظریے کا اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ آسمان پر جتنے ستارے موجود ہیں وہ سب کے سب روحانیات کے ہیکل ہیں، اور ہر ستارے کی صورت خدا کے کسی نہ کسی فعل کی مظہر کہلاتی ہے۔ ہر ستارہ مظہر کے لحاظ سے تو برابر ہے لیکن ہر ستارے کی استعداد چونکہ مختلف ہوتی ہے

اس لیے ان کے ذریعے خدا کے جن جن افعال کا ظہور ہوگا تو ان افعال کے تصرف میں تفاوت پایا جائے گا۔ ان ستاروں میں سات ستارے بڑے ہیں، یہ خدا کی سات صفات کا مظہر ہیں اور بقیہ تمام ستارے خدا کی دوسری صفات کا مظہر کہلاتے ہیں۔ ان سات ستاروں کو خدا کے سات اعضاء تصور کرلیں جیسے ہمارے اعضاء ہوتے ہیں۔ خدا جب دیکھتا ہے تو اُس ستارے کے ذریعے دیکھتا ہے جو خدا کی صفتِ بصر کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب سُنتا ہے تو اُس ستارے کے ذریعے سنتا ہے جو خدا کی صفتِ سمع کا مظہر ہوتا ہے۔ گویا یہ ستارے خدا کے کان اور آنکھ کی مانند ہیں۔ اسی طرح بقیہ ستاروں کو بھی خدا کے اعضاء تصور کر کے الوہی صفات کا مظہر سمجھ لیں۔

ان کے نزدیک مظہر کی دوسری مثال یہ ہے کہ ہمارے سات اعضاء بھی گویا خدا کے سات ہیاکل کی مانند ہیں۔ پس وہ ہماری زبان کو بولنے کے لیے اور ہماری آنکھوں کو دیکھنے کے لیے اور ہمارے کانوں کو اپنی سمع کے لیے اور ہمارے پاؤں کو اپنے چلنے پھرنے کے لیے استعمال کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے وجود میں جتنے جوارح موجود ہیں ان میں سے کوئی جارحہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے خدا اپنی کسی نہ کسی صفت کا اظہار نہ کرتا ہو۔ روحانیات جب اپنے آپ کو کسی صورت میں متشخص کر لیتے ہیں تو اس صورت کو ہیکل کہتے ہیں۔ مجوسیت کے نزدیک روحانیات خدا کی صفات ہیں اور سات ستارے خدا کی ان صفات کا مظہر ہیں۔ یہ

مظہر چونکہ محسوس صورتوں میں نظر آتے ہیں اس لیے ان کو خدا کی صفات کا ہیاکل کہتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے اعضاء میں بھی چونکہ خدا کی صفتِ سمع و بصر کا ظہور ہوتا ہے اس لیے ان اعضاء کو بھی خدا کا ہیاکل کہہ دیتے ہیں۔ محققین لکھتے ہیں، ان مظاہر کو ہیاکل کہنے کی یہ وجہ ہے کہ روحانیات (ملائکہ) جو غیر مرئی مخلوق ہیں جب انہیں اپنی حوائج میں پکارتے تھے تو جب تک کوئی صورت سامنے نہ ہو تو اس کو پکارنے میں دلجمعی نہیں ہوتی انہوں نے دیکھا کہ آسمان پر سورج، چاند، ستارے نظام کائنات میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ روحانیات کی محسوس صورتیں ہیں اس کے بعد انہوں نے سورج چاند وغیرہ کی پرستش شروع کر دی جب انہوں نے دیکھا کہ یہ غروب کے وقت غائب ہو جاتے ہیں ہر وقت ہمارے سامنے نہیں رہ سکتے، اور مصائب کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے رات کو ایک ایسی مصیبت بھی آسکتی ہے جسے شمس اکبر ہی دور کر سکتا ہے۔ لیکن جب وہ رات کے وقت ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہی نہیں ہے تو ہم اسے کیسے پکاریں گے۔ اس کا علاج انہوں نے یہ سوچا کہ ان کی صورتوں پر کچھ مجسمے بنا لیے جائیں، جو ہر وقت ہمارے سامنے رہیں گے۔ اس طرح جب ہمیں پکارنے کی ضرورت پڑے گی ہم ان اصنام کے سامنے بیٹھ کر اپنی درخواستیں پیش کر سکیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ سے جب پوچھا گیا تھا کہ ہمارے ان معبودوں کو کس نے مارا ہے تو آپ نے جواب دیا تھا کہ انہیں ان کے بڑے خدا نے مارا ہے۔ امام شہرستانی

لکھتے ہیں کہ یہ بڑا بت شمس اکبر کا مجسمہ تھا جس شمس کو آپ نے ہذا ربی کہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بت کو پتھر سمجھ کر نہیں پوجا جاتا، بلکہ اس لیے کہ وہ بت کسی نہ کسی مقدس ہستی کا روحانی مظہر ہوتا ہے۔

اب ہم اس اصل عبارت کی طرف عود کرتے ہیں۔ مجوسی صابئہ کا عقیدہ ہے کہ خدا تو واحد ہے لیکن وہ اپنے مظاہر کی وجہ سے کثیر ہے اور وحدۃ الوجود کا بھی یہی مفہوم ہے کہ وجود واحد ہے جو تعینات کی کثرت میں اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے۔ مجوسیت کے نزدیک خدا کی کثرت صرف ستاروں کی تعداد تک محدود ہے اور نظریہ وحدۃ الوجود میں یہ کثرت تعینات کی لامحدودیت پر موقوف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی وحدت پر تو دونوں کا اتفاق ہے اگر اختلاف ہے تو مظاہر کی کثرت میں ہے۔ مجوسیت کے نزدیک یہ کثرت ستاروں کی تعداد پر موقوف ہے اور وجودیہ چونکہ کائنات کی ہر چیز کو خدا کا مظہر سمجھتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک ان مظاہر کی کوئی حد معین نہیں ہو سکتی۔ باقی خدا کی معرفت میں جس طرح مجوسیت نے اپنے عقیدے کی بنیاد نظریہ مظہریت پر رکھی ہے اسی طرح وحدۃ الوجود کی بنیاد بھی تعینات کی مظہریت پر رکھی گئی ہے۔ اہل حقائق سے درخواست ہے کہ اگر آپ کو ان میں کچھ فرق محسوس ہوتا ہو تو علمی حقائق کے ساتھ واضح کریں ہم آپ کے بہت ہی شکر گزار ہوں گے۔

کائنات کے تکوینی نظام کا پورا اختیار اس ہستی کو حاصل ہو سکتا ہے، جس ہستی کو کائنات پر ذاتی تقدم حاصل ہو۔ تاکہ وہ کائنات کی ہر چیز کے لیے

مصدرِ فیوض بن سکے۔

قاعدہ ہے کہ ہر علت کو اپنے معلول پر ذاتی تقدم حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ وہ علت اپنے معلول پر کیسے اثر انداز ہوگی۔ نظریۂ وحدۃ الوجود میں کائنات کا مبدأ اول وہ ہے جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ کائنات کا مبدأ اول وہ بن سکتا ہے جس سے ساری کائنات کا صدور مانا جائے۔ اور صدور کے بعد کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تصرف میں ہو۔ مولانا احمد رضا صاحب اس نظریے کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں :-

"تمام جہان اور اس کا مقام سب انہیں کے دم قدم سے ہے
یہ جہان جس طرح ابتداء آفرینش میں اپنے ظہور کے لیے ان کا محتاج تھا
کہ لولاک لما خلقت الافلاک (کی حدیث سے ثابت ہے) یوں ہی
یہ جہان اپنی بقا میں بھی ان کا محتاج ہے آج اگر ان کا قدم درمیان سے
نکال لیں تو سارا جہان ابھی ابھی فنائے مطلق ہو جائے۔"

(الامن والعلیٰ ص ۳۷)

وجودی علماء اور بریلویت کے اس نظریے کو حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ اسی طرح صابئہ بھی روحانیات کو مبادیٔ الموجودات کہتے ہیں۔ علامہ شہرستانی نے حنفاء کے ساتھ صابئہ کا ایک مناظرہ درج کیا ہے۔ جس میں صابئہ نے اپنے نظریات کی ترجیح میں جن دلائل کو بیان کیا ہے اس میں ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں :-

قالت الصابئۃ الروحانیات   صابئہ کہتے ہیں یہ روحانیات

مبادیٔ الموجودات	ساری کائنات کے مبادی ہیں اور
والمبادیٔ اشرف ذاتًا	مبادی وہ بن سکتے ہیں جو ذات
واسنیٰ وجودًا واعلیٰ	کے لحاظ سے اشرف اور وجود کے
رتبۃ و درجۃ	لحاظ سے بہت قیمتی اور درجہ اور
من سائر الموجودات	رتبہ کے لحاظ سے ساری کائنات پر
التی حصلت بتوسطھا۔	فوقیت رکھتے ہوں، اس لیے کہ
الملل والنحل	ساری کائنات کا ظہور ان مبادیات
ص ۴۰ ج ۱	کی وجہ سے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عقیدے کے لحاظ سے جس ہستی کو کائنات کا مبدأ اول بنایا جاتا ہے اُس کی اِس اِصالت کے ساتھ کائنات کی کوئی چیز بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مبادیات کے اِس نظریے کو اصالت کا نظریہ کہتے ہیں۔ اور یہ وہی نظریہ ہے جس کے تحت عصرِ حاضر کے علما۔ ذاتِ نبویہ کی افضلیتِ محضہ ثابت کر رہے ہیں۔ آپ شروع کتاب میں پڑھ چکے ہیں کہ اس نظریے کو سب سے پہلے اِس امت میں جس نے عقیدہ کے طور پر پیش کیا ہے وہ ابنِ عربی ہے۔ ساتویں صدی کے بعد آپ جس عالم کی کتاب میں بھی یہ نظریہ لکھا ہوا دیکھیں گے وہ سب کے سب ابن عربی کے خوشہ چیں نظر آئیں گے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ نظریہ اصالت جس کا دوسرا نام حقیقتِ محمدیہ ہے صابیہ کی مبادیات کے ساتھ کس طرح مطابقت رکھتا ہے؟ وہ یہ کہ ان کے نزدیک مبادیات کی تعداد سات روحانیات ہیں

اور ابن عربی کے نزدیک مبدأ اول ایک ہے۔ باقی اصالت کے لحاظ سے کائنات پر مبادیات کی جو افضلیتِ محضہ ثابت ہوتی ہے اس عقیدے میں ابن عربی اور صابیہ دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کسی صاحبِ علم کو کچھ فرق محسوس ہوتا ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کر دیں۔

بریلوی مسلک کے بنیادی اُصول

جن اصولوں پر بریلوی مسلک کی بنیاد اُستوار کی گئی ہے وہ حقیقۃِ محمدیہ کا نظریۂ اصالت ہے۔ نظریۂ وحدۃ الوجود میں حقیقۃِ محمدیہ کا مفہوم یہ ہے کہ ذاتِ مطلق نے جب چاہا کہ میں اپنے آپ کو ظاہر کروں تو سب سے پہلے اس نے اپنے حسن الوہیت کا جمالِ محمدی میں مشاہدہ کیا۔ اس اجمالی مشاہدے کو حقیقۃ محمدیہ کہتے ہیں جس کا دوسرا نام تعیّن اول ہے۔ نظریہ وحدۃ الوجود کے تمام مشائخ اور علماء اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ حقیقۃ محمدیہ مراتبِ الٰہیہ میں داخل ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر خدا کے مرتبہ وحدت کو حقیقۃ محمدیہ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کائنات کی ہر چیز کے ساتھ ذاتِ مطلق کی نسبت تو یکساں ہے لیکن ظہور کے لحاظ سے جو نسبت ذاتِ نبویہ کے ساتھ ہے باقی ساری کائنات اس نسبت کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے ذات احدیت کا حقیقی مظہر تو حقیقۃ محمدیہ ہے اور باقی موجودات میں ظہور کے جتنے مراتب پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب حقیقۃ محمدیہ کے

مظاہر کہلاتے ہیں۔ اور حقیقتِ محمدیہ چونکہ مراتبِ الٰہیہ میں داخل ہے لہٰذا اس پہ مخلوق کا اطلاق نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جب مرتبہ وحدت کی تعبیر بھی ایسے عنوان سے کر دی گئی جس کا اطلاق ذاتِ نبویہ پر بھی ہو سکتا ہے تو اس اشتباہ کی وجہ سے خدا اور ذاتِ نبویہ کے درمیان ایسی عینیت ثابت ہوگئی کہ جس صفت کا اطلاق ذاتِ مطلق کے لیے مختص تھا اس صفت کا اطلاق ذاتِ نبویہ پر بھی ہونے لگا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ اگر کوئی اس طرح بیان کرے کہ مراتبِ الٰہیہ میں سے ایک مرتبہ ایسا ہے جسے نبوّۃ کہتے ہیں۔ اور اسی طرح مراتبِ محمدیہ میں بھی ایک ایسا مرتبہ پایا جاتا ہے جسے الوہیت کہتے ہیں۔ اور پھر ان دونوں مراتب کی اس طرح تشریح کرے کہ ہمارے نزدیک خدا کی اس نبوّۃ سے مراد الوہیت ہے اور ذاتِ نبویہ کے مرتبہ الوہیت سے مراد آپؐ کی بشریت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس تاویل سے خدا کو نبوت کی جہت سے ایک درجے میں مخلوق کی صفت کے ساتھ موصوف ماننا پڑے گا اور نبی کو الوہیت کی جہت سے ایک درجے میں خدا ماننا پڑے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جب سے خدا کے مرتبۂ وحدۃ پر حقیقتِ محمدیہ کا اطلاق کیا گیا ہے، مقامِ نبوۃ کی تعبیر کو اس قدر نقصان پہنچا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی اکثریت شرک میں گرفتار ہوگئی۔ ؎

؎ ہم نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ہم پہلے نظریہ اصالت کے قدیم مبادیات پر گفتگو کریں گے پھر ان مسالک کی وضاحت کریں گے جو مقامِ نبوۃ کی تعبیر کو عجمی نظریات کے (باقی بر صفحہ ۵۷)

جو مشائخ اور علماء ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود سے متاثر ہو چکے تھے انہوں نے حقیقۃ محمدیہ کی اصطلاح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ذاتِ نبویہ کے مدارج کو دو جہت میں تقسیم کر کے آپؐ کی ذات کو مجمع الجہتین بنا دیا۔ ایک جہت کو ذاتِ الٰہی کا جامع مظہر بنا کر اس کے لیے تمام صفاتِ الٰہیہ بطور نیابت ثابت کر کے اس کا نام حقیقۃ محمدیہ رکھ دیا اور دوسری جہت کو عنصری وجود کی وجہ سے بشری جہت کا نام دے دیا۔ علامہ جامیؒ نقد النصوص میں لکھتے ہیں:۔

ان حقیقۃ المحمدیۃ فی صورۃ	حقیقۃ محمدیہ اسم الٰہی کی جامع صورت ہے
الاسم الجامع الالٰہی ھی ترب	وہی حقیقۃ محمدیہ تمام کائنات کی چیزوں کو
صور العالم کلھا بالرب	اپنے اس رب سے پال رہی ہے جو
الظاھر فیہا لابد من الاتصاف	اس میں ظاہر ہے حقیقۃ محمدیہ کی ربوبیت۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) مطابق پیش کرتے ہیں، تو اس بحث کا ہم نے پہلے زرتشتی نظریات سے آغاز کر دیا۔ لیکن وہ بحث قدرے طویل ہو گئی۔ اسی طرح اگر ہم اس کے بعد دوسرے قدیم مبادیات پر قلم اٹھاتے تو وہ بحث سیکڑوں صفحات پر محیط ہو جاتی۔ اس لیے ہم بقیہ مباحث کو کسی دوسری کتاب میں بیان کریں گے۔ پہلے ہم عصر حاضر کے ان مسالک کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کا نظریۂ نبوۃ عجمی نظریات سے ماخوذ ہے۔

بالصفات الالٰهية كلها من العلم الشامل والقدرة يتصرف فی اعیان العالم علی حسب استعدادتها ولکن انما هو جهة حقیقتها (حقیقة محمدیه) لا من بشریتها۔

(ابراز المکنون۔ ص ۱۱۰)

اس وقت متصور ہو سکتی ہے جب تک وہ علم اور قدرت جیسی تمام صفات الٰہیہ سے پوری طرح متصف ہو تاکہ ان صفات کے ذریعے کائنات کی ہر چیز کی ضرورت کو حسب استعداد پورا کر سکے۔ ربوبیت کا کمال آپؐ کی ذات کو حقیقۃ محمدیہ کی جہت سے حاصل ہے لیکن جہت بشری کی وجہ سے آپؐ کو یہ کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔

علامہ داؤد القیصری فصوص الحکم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

وهذه الحقیقة مشتملة علی الجهتین الالٰهیة والعبودیة لا یصح لها ذلك اصالة بل تبعیة وهی الخلافة فلها الاحیاء والاماتة وجمیع الصفات الالٰهیة لتتصرف فی العالم وفی نفسها وبشریتها ایضا لانها منه

جب ذات نبویہ کی حقیقت اور عبودیت دو جہت پر مشتمل ہے۔ الٰہیت کی جہت سے جو آپؐ کو تکوینی تصرف حاصل ہے یہ تصرف آپؐ کو بالاصالت حاصل نہیں ہے بلکہ بالتبعیت حاصل ہے اور اسے خلافتِ الٰہی کہتے ہیں۔ اس واسطے آپؐ کی حقیقۃ محمدیہ کو مارنے جلانے اور دوسری تمام صفاتِ الٰہیہ حاصل ہیں تاکہ وہ اس کائنات کی ہر

چیز میں حتیٰ کہ اپنے وجود میں اور اپنی
بشریت میں تصرف کر سکے۔ یہ اس لیے
کہ آپؐ کا بشری وجود بھی اعیانِ عالم
میں داخل ہے۔ یعنی آپؐ کا عنصری
وجود بھی حقیقۃ محمدیہ کی ربوبیت کا محتاج
ہے۔ (مقدمۃ فصوص الحکم ص ۶۳)

علامہ قیصری اور علامہ جامی کی عبارتوں کی تلخیص یہ ہے :۔

ذاتِ نبویہ کی حقیقت دو جہت پر مشتمل ہے۔ ایک جہت کا نام حقیقۃِ محمدیہ ہے اور دوسری جہت کا نام بشریت ہے۔ حقیقۃ محمدیہ اسمِ الٰہی کی جامع صورت ہے۔ یعنی خدا کی ذات اور اس کی جمیع صفات کے اجمال کا حقیقی مظہر ہے۔ اس مظہریت کی وجہ سے حقیقۃ محمدیہ کائنات کی ہر چیز کی ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ کا عنصری وجود بھی آپؐ کی اس حقیقۃ محمدیہ کی ربوبیت کا محتاج ہے۔ حقیقۃ محمدیہ کی یہ ربوبیت اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ تمام صفاتِ الٰہیہ کے ساتھ متصف نہ ہو۔ ربوبیت کا یہ کمال آپؐ کو بالاِصالت حاصل نہیں ہے بلکہ تعینِ اوّل کی وجہ سے بالتبعیت حاصل ہے۔ جس کا دوسرا نام خلافتِ الٰہیہ ہے۔ ایسے عقیدے کے حامل علماء کائنات میں تصرف کرنے کے لیے جب آپؐ کو خلیفۃ اللہ الاعظم لکھتے ہیں تو اصل میں اس کا مفہوم وہی خلافتِ الٰہیہ ہے جو ابنِ عربی کے نزدیک حقیقۃ محمدیہ کہلاتی ہے

ابن حجر مکی الجوہر المنظم میں لکھتے ہیں :۔

ھو صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الاعظم الذی جعل خزائن کرمہ موائد نعمہ طوع یدیہ ارادتہ یعطی من یشاء ومایشاء۔ (سلطنت مصطفیٰ از مفتی احمد یار خان۔ ص ۳۴)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بڑے خلیفہ ہیں، اللہ کے تمام خزانے اور اور اس کی نعمتیں حضورؐ کے ہاتھوں اور حضورؐ کے ارادے کے قبضے میں ہیں آپؐ جس کو جو چاہیں دے سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام خزانہ خداوندی حضورؐ کے قبضے اور اختیار میں ہے۔

حالانکہ اس پہلی خلافت الہیہ سے وہ تعین اول مراد ہے جس کا اطلاق آپؐ کی ذاتِ نبویہ پر نہ ہو سکتا تھا، لیکن ان محرفین علماء کا کمال دیکھیے کہ آپؐ کے عنصری وجود پر خلافتِ الہیہ کا اطلاق کر کے مسلمانوں کی اکثریت کو شرک میں گرفتار کر دیا۔

ابن عربی کے نزدیک خلافت بالتبعیت کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کے اندر جتنی چیزیں موجود ہیں ہر چیز خدا کے کسی نہ کسی اسم کا مظہر ہے۔ اس چیز کے موجود ہونے کا سبب یہ ہے کہ جو چیز بھی جس اسم کا مظہر کہلاتی ہے اس کا اسم اپنے مظہر کی ہر وقت ربوبیت کر رہا ہے۔ اسی طرح خدا کے جتنے اسماء ہیں وہ اپنے اپنے مظاہر خارجہ کی ربوبیت کر رہے ہیں۔ ان مظاہر خارجہ کے اسماء کی صور علمیہ کا اجمال چونکہ حقیقۃ محمدیہ میں موجود ہے اس لیے وجودیہ مشائخ اس حقیقۃ محمدیہ کو اصل الوجود کہتے ہیں۔

اصل الوجود کی یہ اصطلاح چونکہ وحدۃ الوجود کے تعین اول کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جس کا اطلاق ذاتِ نبویہ کے عنصری وجود پر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جو علماء نظریۂ وحدۃ الوجود سے صرف متأثر ہی نہ تھے بلکہ ان کا یہ تأثر غلو میں داخل ہو چکا تھا انھوں نے گہری سازش کر کے اصل الوجود کی اصطلاح کو خصائص نبوۃ میں داخل کر کے عقیدے کے طور پر ملتِ اسلامیہ میں پھیلا دیا اس طرح ذاتِ نبویہ کی افضلیت محضہ جس کی بنیاد مقامِ نبوۃ پر رکھی گئی تھی، اصل الوجود کے نظریہ اِصالت میں تبدیل ہو گئی۔ غالی علماء کی اس عظیم سازش کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ کا تعلق صرف امت کے افراد تک محدود نہ رہے[۱] بلکہ آپؐ کی نبوۃ کے تشریعی تعلق کو تکوینی تعلق میں تبدیل کر کے کائنات کے ذرّے ذرّے کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔ ان کے نزدیک نظریہ اِصالت کا عام مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کی ذات ساری کائنات کی اصل ہے یعنی مقصدِ کائنات ہے۔ کائنات کے اندر جتنی مخلوق موجود ہے وہ سب مخلوق آپؐ کی فرع میں داخل ہے۔ اب جو کمال بھی آپؐ کی کسی فرع میں

---

[۱] ہمیں توحید کے ان علماء پر سخت افسوس آتا ہے کہ غالی علماء کی اس گہری سازش سے وہ کیوں غافل رہ گئے۔ جس سازش کی ہم نشان دہی کر رہے ہیں اگر اس پر بروقت گرفت کر لی جاتی تو پاک و ہند میں ایسے نظریات آگے نہ بڑھ سکتے۔ اس تغافل کی اہم وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نظریہ وحدۃ الوجود کے خمریات نے انھیں ایسا مست کر رکھا تھا کہ انھیں حق تو حق ہر باطل میں بھی حسن الوہیت کی تجلیاں نظر آتی تھیں۔

داخل ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ کمال آپؐ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہوگا۔ دوسرا ہر فرع کا کمال ذاتی نہیں ہوتا بلکہ عطاءِ غیر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر مخلوق آپؐ کی ذات سے فیض حاصل کر رہی ہے۔ فیض کے حصول سے دو نعمتیں مراد ہیں۔ ایک نعمتِ ایجاد اور دوسری نعمتِ امداد۔ نعمتِ ایجاد کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی جس چیز کو بھی وجود ملا ہے اس کے وجود کا باعث بھی آپؐ ہیں۔ اور نعمتِ امداد کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات اپنی ایجاد کے بعد جب تک باقی رہے گی اس کی ہر چیز کو تا ابد باقی رکھنے کے لیے آپؐ کی حقیقۃِ محمدیہ تھامے ہوئے ہے۔ یعنی کائنات اپنے ظہور کے لیے جس طرح ذات نبویہ کی محتاج تھی اسی طرح ظہور کے بعد اپنی بقا کے لیے تا ابد آپؐ کی امداد کی محتاج ہے۔ اگر آپؐ کے وجود کو کائنات سے ایک سیکنڈ کے لیے بھی علیحدہ کر دیا جائے تو ساری کائنات آناً فاناً فنا ہو کر رہ جائے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان شرح عثماوی سے لکھتے ہیں:۔

نعمتان ماخلا موجود عنهما	کائنات کے اندر کوئی وجود ان دو
نعمة الايجاد ونعمة الامداد	نعمتوں سے خالی نہیں ہے ایک نعمتِ
وهو صلى الله عليه وسلم	ایجاد اور دوسری نعمت امداد۔ ان دونوں
الواسطة فيهما اذ لولا سبقت	نعمتوں میں حضور اقدس ہی واسطہ ہیں
وجوده ما وجد موجود و	اگر آپؐ کی ذات پہلے موجود نہ ہوتی تو
لولا وجود نوره في ضمائر	کسی چیز کا وجود بھی ظاہر نہ ہوتا۔ کائنات
الكون لتهدمت دعائم الوجود	کے ذرے ذرے میں اگر حضور کا نور موجود

(صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ   نہ ہو تو کائنات کے تمام ستون آناً فاناً
ص ۲۴   گر جائیں۔

اور اپنی دوسری کتاب میں اس طرح لکھتے ہیں :۔

تمام جہان اور اس کا قیام سب انھیں کے دم قدم سے ہے۔ عالم جس طرح ابتدائے آفرینش میں ذاتِ نبویہ کا محتاج تھا یوں ہی اپنی بقا میں بھی ان کا محتاج ہے۔ آج اگر ان کا قدم درمیان سے نکال لیں تو تمام کائنات ابھی ابھی فنائے مطلق ہو جائے ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(الامن والعلیٰ۔ ص ۲۷)

اس نظریہ اِصالت کے تحت بریلوی علماء نے اپنے عقائد کو ان تین اصولوں میں تقسیم کر رکھا ہے :۔

۱۔ جو ہستی کائنات کے ذرے ذرے کو تا ابد باقی رکھے ہوئے ہے اُس کا تصرف تب ہی متصور ہو سکتا ہے جب کہ اس ہستی کو کائنات کا مختارِ کل مانا جائے۔

۲۔ وہ ہستی کائنات کے ذرے ذرے کا اس وقت ہی انتظام کر سکتی ہے جب کہ اسے ہر چیز کا علم بھی حاصل ہو۔ اس عقیدے کا نام عالم ماکان و ما یکون ہے۔

۳۔ ساری کائنات کا انتظام تب ہو سکتا ہے جب کہ وہ کائنات کے

ساتھ ہر وقت موجود بھی ہو۔ اس عقیدے کا نام حاضر و ناظر ہے۔ وہ کہتے ہیں ہمارے نزدیک حاضر و ناظر کا مفہوم یہی ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں حقیقۃ محمدیہ جاری وساری ہے۔

اگر آپ تدبر کے ساتھ بریلویت کے ان بنیادی عقائد پر غور کریں تو ان سب کی انتہا حقیقۃ محمدیہ کے ساحل پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔ اگر بریلویت کے پورے فلسفے سے حقیقۃ محمدیہ کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی علیحدہ کر دیں تو اس مسلک کا پورا ڈھانچہ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے۔ جس طرح ان کے نزدیک حقیقۃ محمدیہ روح الاکوان ہے اسی طرح اس مسلک کی روح بھی حقیقۃ محمدیہ ہے۔ جب تک یہ روح باقی رہے گی بریلویت کا ایک ذرہ بھی دنیا کے وجود سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بریلویت کے نزدیک حقیقۃ محمدیہ کی کیا تعریف ہے اور وہ کس طرح اپنے نظریات کا اسے مدلول بناتے ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی جو بریلویت کے مشاہیر میں شمار ہوتے ہیں، وہ حقیقۃ محمدیہ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں :-

" ایک ہے شخص محمدی، دوسری ہے حقیقۃ محمدی۔ یہ شخص محمدی اس جسم اطہر کا نام ہے جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ بی بی آمنہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور تمام نبیوں کے بعد اس دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ جو اس دنیا میں اپنے تمام رشتوں سے منسلک ہے۔ بی بی آمنہ کا نور نظر ہونا حضرت عائشہؓ کا سرتاج ہونا۔ اپنی اولاد کا والد ہونا۔ ان تمام رشتوں کے

ساتھ جو آپؐ کی قرابت ہے یہ سب اسی بشری وجود کی صفات میں داخل ہیں۔

حقیقۃ محمدیہ مشائخ صوفیہ کی اصطلاح میں ذات مطلق کے پہلے تعین کا نام ہے۔ بلاتشبیہ یوں سمجھیے کہ مصدر کے پہلے تعین کا نام ماضی مطلق ہے، جو اپنے مصدر سے پہلے نکلا ہے پھر باقی تمام مشتقات اس ماضی مطلق سے بنے۔ تو ماضی مطلق مصدر کے پہلے تعین کا نام ہے۔ اسی طرح رب تعالٰے تجلیات کا مصدر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پہلی تجلی ہیں۔ اور باقی جتنی مخلوق ہے وہ پہلی تجلی کے بعد خدا کی دوسری تجلیات کی مظہر ہے۔ وجود عنصری کی جہت سے آپؐ کے بارے میں قرآن میں اس طرح فرمایا گیا ہے:۔

قل انما انا بشر مثلکم — آپ فرمادیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں

اور حقیقۃ محمدیہ کے بارے میں خود حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

کنت نبیًا و اٰدم بین الماء والطین۔ — میں اس وقت نبی تھا جب کہ حضرت آدمؑ آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

یہ حقیقۃ محمدیہ نہ اولادِ آدم میں داخل ہے نہ بشر ہے اور نہ مثلکُم ہے اور نہ اسے کسی کا باپ، نہ کسی کی اولاد کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ حقیقۃ محمدیہ ساری کائنات کی اصل ہے۔ ظاہر ہے کہ بشریت کی ابتدا حضرت آدمؑ سے شروع ہوتی ہے اور حضورؐ اس وقت سے نبی ہیں جب کہ حضرت آدمؑ کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ حضرت آدمؑ سے قبل آپؐ کی جس حقیقت کو نبوّت

ملی تھی، اگر ہم حقیقت کی اس حالت کو بشر مان لیں، بشریت کی ابتدا، تو حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے پھر نہ حضرت آدمؑ خود بشر رہتے ہیں اور نہ ابوالبشر بن سکتے ہیں۔

عقائد کی کتابوں میں اب جو نبی کی اس طرح تعریف کی جاتی ہے کہ سارے انبیاء انسان تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس تعریف میں آپؐ کی بشری نبوت داخل ہو سکتی ہے لیکن آپؐ کی حقیقۃ محمدیہ اس تعریف میں داخل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضورؐ نبوت سے اس وقت موصوف ہیں جب بشریت اور انسانیت کا نام و نشان بھی نہیں تھا، کیونکہ حضرت آدمؑ جو پہلے بشر اور انسان ہیں، ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ انسان کی بقا کے لیے اس کی ضرورت کی اشیاء بھی نہ بنی تھیں۔ اور حضورؐ کی نبوت تو مکین و مکان سے پہلے کی ہے۔ بادام کا پوست بھی بادام کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے اسی طرح بادام کے مغز کو بھی بادام کہتے ہیں۔ لیکن بادام کے پوست اور اس کے مغز کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اسی طرح حقیقۃ محمدیہ آپؐ کے بشری وجود میں جلوہ گر ہے۔ آپؐ کا نور ہونا، رب کی دلیل اور برہان ہونا اسی حقیقۃ محمدیہ کی صفات ہیں (یعنی یہ صفات آپؐ کے بشری وجود پر عائد نہیں ہو سکتیں) حقیقۃ محمدیہ کی تشریح مثنوی میں کافی بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اور مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی نشر الطیب میں حقیقۃ محمدیہ کو خوب اچھی طرح ثابت کیا ہے۔ تفسیر روح البیان میں ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ کے

تحت لکھا ہے کہ تمام روحیں روحِ محمدی سے پیدا ہوئیں، لہٰذا حضور ابوالارواح ہیں۔" (رسالہ نور از مفتی احمد یار خاں نعیمی۔ ص ۷)

ذات نبویہ کی حقیقتِ بشریت اور حقیقتِ محمدیہ کے فرق کو جس طرح مفتی نعیمی صاحب نے بیان کیا ہے ہمارے نزدیک اس سے زیادہ اسہل ممکن نہیں ہے۔ خدا کرے کہ قارئین کے ذہن میں بھی اس فرق کا اچھی طرح ادراک ہو جائے، کیونکہ بعض قارئین کتاب کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح مانگا ہوا اخبار پڑھا جاتا ہے کہ بس موٹے موٹے عنوان دیکھ لیے اور محقق خان بن گئے۔ علم کے بعد حقائق کا ادراک نہ کرنا علم کی موت ہے۔ اب ہم مفتی نعیمی کی عبارت کو اسہل سے اسہل ترین کر کے سمجھانا چاہتے ہیں۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں:-

"ذات نبویہ کی ایک ایسی جہت ہے جسے آپؐ کا عنصری وجود کہتے ہیں۔ یہ وجود بشری عوارض کی وجہ سے سارے اوصافِ بشریت کے ساتھ موصوف ہے۔ آپؐ کے ماں باپ ہیں، بیویاں ہیں، بال بچے ہیں۔ آپؐ اسی وجود کے ساتھ سارے انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے۔ آپؐ کے اس بشری وجود کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے قل انما انا بشر مثلکم (آپ فرما دیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں) مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ آپؐ سارے نبیوں کے بعد مبعوث ہوئے اور آپؐ کے بشری وجود کی جو تعریف کی ہے اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف کی مرکزی بنیاد آپؐ کی دوسری جہت ہے جسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔

اس کے متعلق مفتی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ آپؐ کی دوسری جہت جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں مشائخ صوفیہ کی اصطلاح میں ذاتِ مطلق کے پہلے تعین کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدیہ کی اصطلاح نہ قرآن و حدیث میں ہے اور نہ سابقہ اسلاف کی تحریروں میں ان کا نشان پایا جاتا ہے بلکہ یہ وجودیہ مشائخ کی وضع کردہ ایک کشفی اور فلسفی اصطلاح ہے۔ باقی رہا یہ کہ صوفیہ کی جماعت تو وسیع ہے کیا اس سے امت کے سارے صوفیہ مراد ہیں۔ نہیں، بلکہ وہ صوفیاء مراد ہیں جو ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے نہ صرف حامی تھے بلکہ داعی بھی تھے۔ دوسری بات یہ کہ ذاتِ مطلق کے تعینِ اول کا نام حقیقتِ محمدیہ کیوں رکھا گیا ہے۔ سب اربابِ حقائق اچھی طرح جانتے ہیں کہ ذاتِ مطلق کے تعینِ اول کی بحث تو وحدۃ الوجود کے تنزلاتِ ستّہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ بھلا اس کا مقامِ نبوت کے ساتھ کیا جوڑ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے غالی علماء اور وجودیہ صوفیاء حقیقتِ محمدیہ کے حسین عنوان کو سامنے رکھ کر اصل میں نظریہ وحدۃ الوجود کا الحاد پھیلانا چاہتے تھے۔ کوئی مفتی صاحب سے پوچھے کہ آپ کے سامنے کتنے اہل علم ہیں جو ابن عربی کی اصطلاح پر ذاتِ مطلق کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ ذاتِ مطلق کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ پہلے اس سے ذات صفات کے تمام اعتبارات اور نسبتیں ساقط کر دی جائیں۔ پھر ان صفات کو تنزلات کے ذریعے ثابت کر دیا جائے۔ تنزلات سے قبل وہ خدا کو لاتعیّن۔ مجھول النعت۔ الغیب المسکوت عنہ[1]

---

[1] تعلیمات غوثیہ و سر دلبراں از ذوقی شاہ۔

کہتے ہیں۔ پھر اس کی ذات صفات کو تعینات کے ذریعے ظاہر کر کے اسے کائنات کی وسعت میں پھیلا دیتے ہیں۔ دوسرے ابن عربی خدا کو ذاتِ مطلق اس لیے کہتا ہے کہ خدا جب تک اپنی ذاتِ مطلق کو تعینات میں مقید نہ کرتا تو خدا کے وجود میں کرب اور بے چینی اُسے کافی تکلیف دے رہی تھی۔ (فصوص الحکم ص)

ابن عربی اس نظریئے سے کائنات کا خدا سے صدور ثابت کرتا ہے تخلیق ثابت نہیں کرتا۔ ابن عربی کہتا ہے کہ کائنات وہی ہے جو پہلے اعیانِ ثابتہ کی صورِ علمیہ میں موجود تھی اس سے خدا اور کائنات کی حقیقی عینیت اور اس کا قدیم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عینیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح کوئی صفت اپنے موصوف سے علیحدہ وجود نہیں رکھتی اسی طرح یہ ساری کائنات بھی خدا کی صفات ہیں۔ جس طرح صفت کے ساتھ موصوف کی عینیت ہوتی ہے اسی طرح خدا اور کائنات ایک دوسرے کا عین ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس عینیت کی وجہ سے کائنات کو قدیم ماننا پڑے گا۔ اس پر بعض ائمہ نے گرفت کر کے ابن عربی کی تکفیر کی[1] ہے۔ ابن عربی کے ان سارے نتائج کا اُس

---

[1] قدمِ کائنات اور عینیت کی وجہ سے جن اکابر نے ابن عربی کی تکفیر کی ہے ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں علامہ سعد تفتازانی، ملا علی قاری۔ علامہ مقری شافعی اور امام ابن تیمیہ وغیرہ۔

وقت استخراج ہوسکتا ہے جب کہ خدا کی ذات کو ذاتِ مطلق مانا جائے۔ ان نتائج سے آپ اندازہ لگائیں کہ اِن میں سے وہ کون سا نتیجہ ہے جس کی لہریں بحرِ کفر کے ساحل تک مُختتم نہ ہوتی ہوں۔ ابن عربی کے اس قول میں کتنا کفر پوشیدہ ہے کہ خدا اگر کائنات کو ظاہر نہ کرتا تو اس کا عدم اظہار خدا کے لیے کرب و اضطراب کا باعث بن رہا تھا اور جب کائنات ظاہر ہوگئی تو خدا کو اس اضطراب سے نجات مل گئی۔ وجودیہ صوفیہ کے نزدیک اس کا نام تخلیقِ حُبّی ہے جس کے استدلال میں وجودیہ صوفیہ یہ موضوع حدیث پیش کرتے ہیں:۔

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت	میں پہلے چُھپا ہوا خزانہ تھا، پس میں
ان اعرف فخلقت الخلق	نے خواہش کی کہ میں پہچانا جاؤں تو اپنی

پہچان کے لیے ساری کائنات کو پیدا کیا۔

تخلیقِ حُبّی کا قدیم ماخذ ہنود کے وید ہیں، ان میں لکھا ہوا ہے کہ خدا خواہشات کا مجموعہ ہے اور یہ کائنات خدا کی ایک اندرونی اُبھرتی ہوئی خواہش کا نام ہے۔ (ستیارتھ پرکاش از سوامی دیانند)

اب آخر میں ہم مفتی صاحب کے اس جملے کی تشریح کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ ذاتِ مطلق کے تعینِ اوّل کا نام ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ساری بحث وحدۃ الوجود کے تنزلاتِ ستّہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مرتبۂ احدیت کے بعد جو پہلا تنزل ہوا کہ اس کا نام مرتبہ وحدۃ ہے اس تعین اول میں ذات وصفات کا اجمال ہے۔ اس مرتبہ وحدت کو

حقیقتِ محمدیہ بھی کہتے ہیں۔ مشائخ وجودیہ کے نزدیک متفقہ مسئلہ ہے کہ مرتبہ وحدت جس کا دوسرا نام حقیقت محمدیہ ہے اس مرتبے پر مخلوق کا اطلاق اس لیے نہیں ہوسکتا کہ یہ مرتبہ مراتب الٰہیہ میں داخل ہے۔

اب بریلوی اکابرین کی تحریف کا حال دیکھیے جب یہ لوگ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ :-

۱۔ حقیقت محمدیہ جب ذاتِ مطلق کے پہلے تعین کا نام ہے جس پر مخلوق کا قطعاً اطلاق نہیں ہوسکتا تو اب اس بارے میں آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جس وجود کے ساتھ آپؐ حضرت آدمؑ سے قبل نبی کہلاتے تھے، اس سے حقیقۃِ محمدیہ مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وجود سے آپؐ کا بشری وجود تو نہیں ہوسکتا۔ زیادہ سے زیادہ اس وجود سے مراد آپؐ کی روح ہوسکتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس روح سے مراد مخلوق روح ہے نہ کہ غیر مخلوق روح۔ اب آپ بتلائیں خدا کا مرتبۂ وحدت جس کا دوسرا نام تعینِ اوّل ہے اس پر روح نبوی کا کیسے اطلاق ہوسکتا ہے اور روح نبوی بھی وہی جو قبلِ آدم نبوت سے سرفراز تھی۔ اس کا مطلب پھر یوں ہوا کہ خدا جب مرتبۂ احدیت میں تھا تو وہ خدا تھا، اور جب مرتبۂ وحدت کی طرف نزول کیا تو پھر روح نبوی میں متشکل ہوکر ظاہر ہوگیا۔ اگر کوئی کہے کہ ایسا عقیدہ تو کوئی نہیں رکھتا، لیکن جب مفتی نعیمی صاحب کنت نبیاً کی حدیث پر حقیقت محمدیہ کا اطلاق کر رہے ہیں تو اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے۔

ہم نے بریلوی مسلک کے ایک بنیادی راز کو اچھی طرح عریاں کر دیا ہے۔

جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ذاتِ نبویہ کی حقیقتِ محمدیہ کو ہم حاضر و ناظر، عالم ما کان و ما یکون اور مختارِ کل مانتے ہیں تو ان کے نزدیک حقیقت محمدیہ کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو ابن عربی کے نزدیک تعین اول کا مفہوم ہوتا ہے۔ ہمارے نصابی علماء چونکہ حقیقت محمدیہ کے فلسفے سے اتنے واقف نہیں ہوتے وہ صرف ذاتِ نبویہ کی دوسری جہت کو جس کا نام بشریت ہے سامنے رکھ کر ایسے عقائد کی تردید کرتے رہتے ہیں۔ نتیجہ وہی نکلتا ہے جیسے ایک مشہور مثال ہے فرمن المطر وسکن تحت المیزاب (بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا)

اب ہم بریلوی مسلک کی ان مستند عبارتوں کو پیش کرتے ہیں جن میں ان کے بنیادی عقائد کی تصریح کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس بات کی بھی نشاندہی کرتے جائیں گے کہ ان سب کا محور حقیقت محمدیہ کا نظریہ ہے سب سے زیادہ شواہد ہم علامہ کاظمی کی عبارتوں سے پیش کر رہے ہیں۔ یہ اس لیے کہ بریلوی فلسفے کو جس طرح علامہ کاظمی صاحب نے نکھار کر پیش کیا ہے ہمارے نزدیک پورے برِ اعظم ایشیا میں ایسا کوئی بھی عالم موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں نظریہ وحدۃ الوجود اور حقیقت محمدیہ کے فلسفے پر پورا عبور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بعض تحریروں کے مفہوم کو اس کے ہم مسلک علماء بھی نہیں سمجھ سکتے چہ جائے کہ اس کے مخالف علماء۔ ہم ایسے علماء کو لَمْ یَبُوْ جُھُوْ کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔

بریلویت کے عقائد میں حقیقتِ محمدیّہ کے ثمرات

آپ سابقہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں کہ بریلوی عقائد کا بنیادی محور حقیقتِ محمدیّہ کے فلسفے پر موقوف ہے۔ اب ہم اس مسلک کے چند بنیادی نظریات بیان کرتے ہیں۔ اگر آپ ان پر اچھی طرح تدبّر کریں تو آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان کے ہر نظریے کا ثمریہ حقیقتِ محمدیہ کے ساحل پر آکر مختتم ہو جاتا ہے۔

عبارتوں کے نقل کرنے میں تالیفی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ جو کچھ بھی اِس وقت ہمارے ذہن میں مستحضر ہے اس سے قارئین کو آگاہ کر دیا جائے۔

بریلوی مسلک کے بنیادی اصول

جن اصولوں پر بریلوی مسلک کی بنیاد تعمیر کی گئی ہے ان کا مختصر اجمال یہ ہے:۔

۱۔ ان کے نزدیک مقامِ نبوت کی عظمت اور توصیف کے لیے ایک خاص معیار مقرر کیا گیا ہے۔ اگر مقامِ نبوت کو بشریت اور تشریعی نبوت کے دائرے میں محدود رکھا جائے تو اس معیار کے مطابق مقامِ نبوت کی یہ مخصوص توصیف بیان نہیں ہوسکتی اس لیے انہوں نے ایک فلسفے کے تحت ذات نبویہ کو مجمع الجہتین بنا کر اس کی دوسری جہت سے جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں اپنے مزعومہ نظریات کا آسانی کے ساتھ استخراج کر لیا ہے۔

۲۔ ان کے نزدیک مقدس ہستیوں کا تصرف فی الکون اور علمِ غیب اس لیے شرک میں داخل نہیں ہوسکتا کہ ان کا یہ تصرف اور علمِ غیب باذن اللہ کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ اختیارات انہیں کس طرح باذن اللہ سپرد ہوتے ہیں اس کے لیے انہوں نے مظہر کا فلسفہ اختراع کیا ہے۔ یہ دوسرا اصول ایک وجہ سے پہلے اصول کی فرع بھی ہوسکتی ہے اور دوسری وجہ سے ایک علیحدہ اصول بھی لیکن مجموعی صورت میں یہ دونوں اصول حقیقتِ محمدیہ میں مجتمع ہوجاتے

ہیں۔ یہ حقیقتِ محمدیہ وہی ہے جو ابن عربی کے فلسفہ وحدۃ الوجود میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بریلوی مسلک کے نظریات کا مرکزی ماخذ وحدۃ الوجود کا فلسفہ ہے[1]

---

[1] جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی وحدۃ الوجود کی اس طرح تصریح کرتے ہیں اما ان الوجود واحد والموجود واحد فی مرتبۃ الجمع و للکل ظلاله وعکوسه فی مرتبۃ الفرق فلا موجود الا هو فی مرتبۃ الحقیقۃ الذاتیۃ اذ لاحظه لغیرہ فی حد ذاته من الوجود اصلاً (صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ ص۲۸) علامہ کاظمی فرماتے ہیں:۔ وحدۃ الوجود حسب تقریر محققین حق ہے شریعت حقہ کے کسی اصل کے منافی نہیں جس طور پر یہ مسئلہ اکابر اسلام پر مکشوف ہوا ہے اور علماء متشرعین نے حتی الامکان بیان کیا ہے بحفظ حدود شرعی اس پر اعتقاد رکھنا باعث تکمیل ایمان اور اس کا انکار خسران و حرمان ہے (عبادت و استعانت ص۱۶) نیز جناب احمد رضا خاں بریلوی کی کتاب التلطف بجواب مسائل التصوف اور کشف حقائق و اسرار دقائق میں مسئلہ وحدۃ الوجود کی پوری تشریح موجود ہے۔

[2] ایک شعر جس میں محمد یار گڑھی نے ثابت کیا ہے کہ ذاتِ نبویہ کو خدا مان لینا عین اسلام ہے۔ علامہ کاظمی اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مولانا محمد یار کا وہ شعر جو تم نے لکھا ہے اور اس جیسی (باقی بر صفحہ آئندہ)

اب ہم پورے حزم واحتیاط کے ساتھ ان حضرات کی مستند عبارتیں نقل کرتے ہیں۔ اس مسلک کے حاملین علماء سے ہم التماس کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک اگر کسی عبارت کی تفہیم میں ہم صحیح ترجمانی نہیں کر سکے تو آپ حضرات کا حق ہے کہ واضح دلائل کے ساتھ ہمیں آگاہ کر دیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہونگے۔

مجمع البحرین کا مفہوم اور حقیقتِ محمدیہ

نبوت کا تعلق امت کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے جب کسی نبی کا انتخاب کیا جاتا ہے تو اس امت کے افراد ہی سے کیا جاتا ہے تاکہ وہ نبی اپنی امت کے سامنے تشریعی احکام کی اچھی طرح وضاحت کر سکے۔ اگر وہ نبی امت کی جنس بشری سے نہ ہو تو جب نبی کی جنس بشری تبدیل ہو گئی تو تشریعی نبوت کی صورت بھی تبدیل ہو جائے گی اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ امت کے ساتھ جو نبی کا تشریعی تعلق ہے اس تعلق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دوسری عبارات جو مسلّم بین الفریقین کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں (مقدمہ دیوان محمدی)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بریلوی مسلک کے بنیادی اصول وحدۃ الوجود کے نظریے سے ماخوذ ہیں۔

کی نوعیت بھی تبدیل ہو جائے گی۔ وجود یہ نظریات کے حاملین چاہتے تھے کہ کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ امت کے ساتھ نبوت کا تشریعی تعلق بھی ظاہر ہوتا رہے اور ساتھ ہی نبوت کے تشریعی مقام کو بھی کسی طرح تکوینی تعلق میں تبدیل کیا جاسکے۔ اس لیے انہوں نے مقامِ نبوت کو دو جہتوں میں تقسیم کر دیا۔

۱۔ جہت من حیث الالٰہیۃ۔

۲۔ جہت من حیث العبودیۃ۔

ان دو جہتوں کے مجموعے کی وجہ سے یہ لوگ ذاتِ نبویہ کو مجمع الجہتین کہتے ہیں۔ جہت من حیث العبودیۃ سے آپؐ کی بشریت اور تشریعی نبوت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جہت من حیث الالٰہیۃ جس کا دوسرا نام حقیقتِ محمدیہ ہے اس حقیقت سے تصرف فی الکون کا اظہار ہوتا ہے۔

علامہ داود القیصری شارح فصوص الحکم مقدمۃ الفصوص میں لکھتے ہیں:۔

"هذه الحقيقة مشتملة على الجهتين الالهية والعبودية لا يصح لها ذلك اصالة بل تبيعة وهي الخلافة[1] فلها الاحياء والاماتة وجميع الصفات لتتصرف في

---

[1] اس نظریے کے حاملین اس وجہ سے آپؐ کو خلیفۃ اللہ الاعظم بھی کہتے ہیں۔

العالم وفی نفسها و بشریتها ایضا لانها منہ"۔
(مقدمۃ الفصوص ص ۶۳)

(ترجمہ) ذاتِ نبویہ کی حقیقت دو جہت پر مشتمل ہے۔ ایک جہت کا نام الٰہیت ہے اور دوسری جہت کا نام عبودیت ہے حقیقتِ محمدیہ کا یہ تصرف انہیں بالاصالۃ حاصل نہیں ہے بلکہ بالتبعیۃ حاصل ہے اس لیے حقیقتِ محمدیہ کو مارنے جلانے کی صفت کے علاوہ ربوبیت کی تمام صفات حاصل ہیں تاکہ وہ تمام عالم میں ہر قسم کا تصرف کر سکے حتیٰ کہ اسے اپنے وجود اور اپنی بشریت میں بھی تصرف کرنے کا اختیار ہے اس لیے کہ آپؐ کا بشری وجود بھی حقیقتِ محمدیہ سے ماخوذ ہے"۔

علامہ داؤد قیصری نے اسے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ہم نے اس سے صرف ایک مختصر اقتباس نقل کیا ہے تاکہ مجمع الجہتین کی دونوں جہتوں کی تعیین ہو جائے۔ حقیقتِ محمدیہ کے تصرف فی الکون کا آسان مفہوم یہ ہے

"کائنات جس طرح اپنے ظہور و ایجاد کے لیے حقیقتِ محمدیہ کی محتاج تھی اسی طرح کائنات کا ذرہ ذرہ ظہور کے بعد بھی اپنی بقاء و امداد کے لیے تا ابد حقیقتِ محمدیہ کے تصرف کا محتاج ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدیہ کی وجہ سے کائنات میں جس طرح خدا کا تکوینی تصرف منقطع ہو جاتا ہے اسی طرح آپؐ کی نبوت کا تشریعی

تعلق بھی اس امت کے ساتھ بے حد کمزور ہوگیا ہے۔ اب ہم مولانا احمد رضا بریلوی کی تحریر سے حقیقتِ محمدیہ کی تشریح پیش کرتے ہیں تاکہ مسلک بریلوی کی جس فلسفہ پر بنیاد رکھی گئی ہے اس سے آپ اچھی طرح متعارف ہوسکیں۔ مولانا بریلوی اپنی کتاب صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ میں لکھتے ہیں :-

"مواہب اللدنیہ میں ہے۔ لما تعلقت ارادۃ الحق تعالیٰ بایجاد خلقہ ابرز الحقیقۃ المحمدیۃ من الانوار الصمدیۃ فی الحضرۃ الاحدیۃ ثم سلخ منھا العوالم کلھا علوھا وسفلھا۔

"اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا صمدی انوار سے مرتبہ احدیت میں حقیقت محمدیہ کو ظاہر فرمایا پھر اس سے تمام عالم علوی وسفلی نکالے۔"

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

ل مولانا بریلوی زرقانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :- یعنی مرتبہ احدیت ذات کا پہلا تعین اور پہلا مرتبہ ہے جس میں غیر ذات کا اصلاً لحاظ نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کچھ بھی نہ تھا۔

(صلاۃ الصفا ص۱۲)

" جس طرح مرتبہ وجود میں ایک ذاتِ حق ہے باقی سب اسی کے پرتوِ وجود سے موجود۔ یوں ہی مرتبہ ایجاد میں صرف ایک ذاتِ مصطفیٰ ہے باقی سب پر اس کے عکس کا فیضِ وجود۔ مرتبہ کون میں نورِ احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نورِ احمدی آفتاب ہے اور سارا جہان اس کے آبگینے۔" (صلاۃ الصفا ص۱۱ ص۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عربی جسے تعین اول کہتا ہے حقیقتِ محمدیہ بھی اسی کا نام ہے اور یہی حقیقت محمدیہ ہے جس سے تمام کائنات کا صدور ہو رہا ہے۔ مولانا احمد رضا بریلوی اب اسے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں :-

" بخلاف نورِ محمدی کہ عالم جس طرح اپنی ابتدائے وجود میں اس کا محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ بنتا یوں ہی ہر شئے اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے آج اس کا قدم درمیان سے

لہ اس جملے میں وحدۃ الوجود کی تشریح ہے۔ اس کی تلخیص یہ ہے وجود واحد۔ موجود واحد۔ باقی جو کچھ ہے سب اس کے وجود کے مجالی و مرایا و مظاہر اور اس کے ظلال ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود اور ہستی سے حظ نہیں رکھتے کل شئی ہالک الا وجہہ۔

(تجانب اہل السنۃ ص۴۲۷)

نکال لیں تو تمام جہان فنائے محض ہوجائے۔ نیز جس طرح ابتدائے وجود میں تمام جہان اس سے مستفیض ہوا بعد وجود بھی ہر آن اسی کی مدد سے بہرہ یاب ہے۔ غرضیکہ ہر ایک ایجاد و امداد ابتداء و بقا میں ہر حال ہر آن ان کا دستِ نگر اور ان کا محتاج ہے۔ مطالع المسرات میں ہے "اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم محی لحیاۃ جمیع الکون بہ فھو روحہ وحیاتہ و سبب وجودہ و بقائہ" حضور اقدس کا نام پاک محی زندہ فرمانے والے ہے۔ اس لیے سارے جہان کی زندگی حضور سے وابستہ ہے تو حضور تمام عالم کی جان اور اس کے وجود و بقاء کے سبب ہیں۔ مطالع المسرات کے دوسرے مقام پر ہے "ھو صلی اللہ علیہ وسلم روح الاکوان وحیاتھا و سر وجودھا ولولاہ لذھبت و تلاشت" حضور اقدس تمام عالم کی جان وحیات ہیں۔ اور ان کے وجود کا اصلی سبب بھی آپ ہیں۔ حضور نہ ہوں تو یہ سارا جہان نیست و نابود ہوجائے۔ امام ابن حجر مکی افضل القریٰ میں فرماتے ہیں:۔ "لانہ ممد لھم اذھو الوارث لحضرۃ الالٰھیۃ و المستمد منھا بلاواسطۃ دون غیرہ فانہ لا یستمد منھا الا بواسطتہ فلا یصل لکامل منھا شئ الا ھو من بعض مددہ وعلی یدیہ" تمام جہان کی امداد کرنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ آپ بارگاہِ

الٰہی کے وارث ہیں۔ خدا تعالیٰ سے بلا واسطہ حضورؐ ہی مدد لیتے ہیں اور تمام عالم حضورؐ کی وساطت سے مددِ الٰہی لیتا ہے۔ جس کامل کو جو بھی کمال ملا وہ حضورؐ کی مدد اور حضورؐ کے ہاتھوں سے مِلا۔" شرح سید عثماوی میں ہے " نعمتان ماخلا موجود عنهما نعمة الایجاد و نعمة الامداد وهو صلی الله علیه وسلم الواسطة فیها اذ لولا سبقت وجوده ما وجد موجود ولولا وجود نوره فی ضمائر الکون لتهدمت دعائم الوجود" (ترجمہ) کائنات کے اندر کوئی وجود ان دو نعمتوں سے خالی نہیں۔ ایک نعمتِ ایجاد اور دوسری نعمتِ امداد۔ ان دونوں نعمتوں میں حضورؐ اقدس ہی واسطہ ہیں۔ اگر آپؐ پہلے موجود نہ ہو لیتے تو کسی چیز کا بھی وجود نہ ہوتا۔ کائنات کے اندر اگر حضورؐ کا نور موجود نہ ہو تو کائنات کے تمام ستون آناً فاناً گر جائیں۔"

(صلاۃ الصفا از احمد رضا بریلوی ص۲۱ تا ص۲۴)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی جتنی مستند عبارتیں ہم نے یہاں نقل کر دی ہیں انہیں بار بار تدبر سے پڑھیے وہ جس ماخذ پر اپنے مسلک کی بنیاد تعمیر کر رہے ہیں وہ ذات نبویہ کی دوسری جہت ہے جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ آپؐ کی پہلی جہت جس کا تعلق آپؐ کی بشریت اور تشریعی نبوت کے ساتھ ہے اس جہت کے ساتھ بریلوی مسلک کے بنیادی عقائد کا تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ ہم اس مسلک کے اکابر علماء سے

التماس کرتے ہیں کہ آپ دلائل کے ساتھ واضح کریں کہ ذاتِ نبویہ کی یہ دوسری جہت جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں اس کا اصل ماخذ کیا ہے اور کیا ایسے ماخذ پر پوری ملت اسلامیہ کے عقائد کی بنیاد استوار ہو سکتی ہے۔ اگر آپ حقائق کی زبان میں بات کریں گے تو نصرتِ ایزدی بھی آپ کا ضرور ساتھ دے گی۔ اگر حقائق سے ہٹ کر دوسرا لہجہ اختیار کریں گے تو آپ لوگ عنداللہ ضرور جواب دہ ہوں گے۔ اب ہم اس اجمال کو تفصیل کے آئینے میں پیش کرتے ہیں تاکہ الجھن کے دبیز پردے ہمارے درمیان حائل نہ ہو سکیں۔

بریلوی مسلک کی بنیاد حقیقتِ محمدیّہ پر ہے

بات اگرچہ بہت ہی دقیق ہے لیکن جس قدر بھی ہمارے قلم سے ممکن ہو سکتا ہے سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دنیا کے تمام مذاہب اور نظریات میں یہ بحث قدیم سے چلی آرہی ہے کہ کائنات کی تخلیق کس طرح ہوئی اور اس کائنات کی ماہیت کیا ہے۔ جب اس مسئلہ پر غور وخوض کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کائنات میں مظاہر کی کثرت اور اس کا تنوع اصل میں ظاہری اور اعتباری ہے حقیقی نہیں ہے۔ ان تمام مظاہر اور اعراض میں کوئی ایسا جوہر موجود ہے جس سے ان تمام اشیاء کی کثرت

کثرت اور اس کا تنوع اسی ایک جوہر کی متغیر صورتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ فلاسفر یونان میں سے طالیس ملطی پہلا فلاسفر ہے جس نے یہ ثابت کیا کہ اس کائنات کا اصل جوہر پانی ہے۔ گویا پانی بحیثیت جوہر اس کائنات کی علت اول ہے اور کائنات کی تمام اشیاء اس علت کے معلول ہیں۔ یہ بحث چلتی چلتی افلاطون اور ارسطو تک آ پہنچی۔ انھوں نے کہا وجود کی حقیقت عقل خالص ہے حقیقی ہستی عقل ہے اور اس کے علاوہ عدم ہی عدم ہے۔ لیکن اس عدم میں یہ انفعالی استعداد موجود ہے کہ وہ عقلی تصورات کو قبول کر کے وجود کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے بعد یہودی فلاسفر فیلو نے اور اس کے بعد مسیحی فلاسفروں اور فلاطینوس نے اس پر اپنے نظریات قائم کیے۔ اس کی داستان بہت طویل ہے۔ جب اس نظریے کے اثرات اسلام میں داخل ہو گئے۔ ساتویں صدی میں ابن عربی پہلا شخص ہے جس نے اس نظریے کو ایک مخصوص فلسفے میں پیش کیا۔ یعنی اس جوہر بسیط کو حقیقت محمدیہ کا نام دیا اور اس کی تمام تر بنیاد کشف پر رکھی۔ اس کے بعد جو علماء اور صوفیہ ابن عربی کے اس نظریے سے متاثر ہوئے وہ اس نظریے کو اپنی تحریروں میں مختلف توجیہات کے ساتھ پھیلاتے رہے۔ توجیہات کی صورتیں تو مختلف تھیں لیکن ان سب کا مرکزی محور ایک تھا۔ جب اس نظریے کی وسعت نے علماء اور صوفیہ کی اکثریت کو پوری طرح متاثر کر لیا، تو

آخر میں یہ نظریہ عقیدے اور مذہب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔
اِس دور میں جو لوگ بریلوی مسلک کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے تمام عقائد کی بنیاد حقیقتِ محمدیہ کے فلسفے پر رکھی گئی ہے۔ ہمارے ملک میں علامہ سعید احمد کاظمی جو اِس بریلوی مسلک کے امام کہلاتے ہیں، انہوں نے مسئلہ حاضر و ناظر پر ایک علمی کتاب لکھی ہے۔ اپنے اِس عقیدے کی تحقیق میں علامہ جلال دوانی کی ایک عبارت بطور سند پیش کر کے لکھتے ہیں :۔

"اِس عبارت سے صرف اس مسئلہ ہی کی وضاحت نہیں ہوتی بلکہ حقیقت محمدیہ کی پوری ترجمانی اس میں سمٹ کر جمع ہو گئی ہے"

آپ اپنی مشہور کتاب تسکین الخواطر میں لکھتے ہیں :۔

"محقق دوانی فرماتے ہیں :۔ " اِس مقام پر تحقیقِ کلام یہ ہے کہ تمام اصحابِ[1] نظر و برہان اور اربابِ شہود و عیان اس بات پر متفق ہیں کہ بوسیلہ قدرۃ و ارادہ خدائے قدوس امر کن فیکون سے سب سے پہلے جو گوہر مقدس دریائے غیبِ

---

[1] اصحاب نظر و برہان سے مراد حکما۔ فلاسفہ اور ارباب کلام ہیں۔ اربابِ شہود و عیان سے صوفیہ وجودیہ مراد ہیں۔ یعنی ابن عربی کے ہم مسلک مشائخ۔

مکنون سے ساحل شہود پر آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا جسے حکماء[1] کے عرف میں عقل اول، اور بعض احادیث میں قلم اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اکابر[2] ائمہ کشف و تحقیق اسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ اس جوہر نورانی نے اپنے آپ کو اور اپنے خالق بے مثال کو اور ان تمام افراد موجودات کو جو بتوسط اس جوہر نورانی کے خالق بے مثال سے صادر[3] ہو سکتے ہیں جس طرح وہ افراد موجودات پہلے تھے اور اب ہیں اور آئندہ ہونگے سب کو جملہ کیفیات کے ساتھ بتمام و کمال جان لیا۔ اور تمام حقائق موجودات بطور انطوائے علمی[4] اسی جوہر بسیط نورانی حقیقت محمدیہ میں مندرج اور مخفی تھیں۔

جس طرح دانہ ایک خاص طریقہ پر شاخوں پتوں اور پھلوں پر

---

[1] حکماء سے مراد فلاسفۂ یونان ہیں۔ جو اس جوہر بسیط کو عقل اول کہتے ہیں۔ بعض اسے درۃ البیضاء (GOLDEN EGG) بھی کہتے ہیں۔

[2] اکابر ائمہ کشف و تحقیق سے مراد ابن عربی اور تمام وجودیہ صوفیہ مراد ہیں۔

[3] ابن عربی اس نظریے کے تحت کائنات کے صدور کا قائل ہے تخلیق کا قائل نہیں اس لیے وہ کائنات کے قِدم کا قائل ہے اور اسے خدا کا عین کہتا ہے۔

[4] اسے مرتبہ احدیت کہتے ہیں۔

مشتمل ہوتا ہے کل افراد موجودات اسی ترتیب[۱] کے موافق جس کے ساتھ اس جوہر بسیط نورانی (حقیقت محمدیہ) میں پوشیدہ ہیں۔ کمین گاہ قوت سے جلوہ گاہ فعل اور سراپردہ غیب سے میدان شہود میں بصورت مواد خارجیہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔" (اخلاق جلالی از محقق دوانی ص۲۵۶)

اس کے بعد علامہ کاظمی لکھتے ہیں :۔

" اس ایمان افروز بیان سے تصریحات منقولہ بالا کی تائید کے علاوہ مندرجہ ذیل امور بھی واضح ہو گئے :۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوّل مخلوق ہیں۔

---

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت محمدیہ صرف مصدر کائنات ہی نہیں بلکہ کائنات کی ترتیب اور اس کے ارتقائی مدارج کا سارا نقشہ حقیقت محمدیہ میں موجود ہے۔ موجودات کے تمام افراد اس نقشہ کے مطابق بصورت مواد خارجیہ اس عالم میں ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ کاظمی صاحب کی عبارت سے تین نتائج حاصل ہوئے۔ ۱۔ کائنات کی علت مادیہ بھی حقیقت محمدیہ ہے۔ یعنی کائنات کی ہر چیز کا مادہ حقیقت محمدیہ کے مادہ میں جمع کی صورت میں موجود ہے۔ ۲۔ جب اس مادہ سے کسی چیز کا ظہور ہوتا ہے تو وہ چیز وہی شکل اختیار کرتی ہے جس کا نقشہ حقیقۃ محمدیہ میں پہلے موجود ہوتا ہے ۳۔ ہر چیز اپنے ظہور کے بعد اپنے انتہائی منازل کی تکمیل کے لیے حقیقۃ محمدیہ کی محتاج ہوتی ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عقلِ اول اور قلمِ اعلیٰ ہیں۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوہر بسیط نورانی ہیں۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے حقائق لطیفہ ہیں۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں اور تمام موجودات و مخلوقات اور ان کے جمیع احوال کو بتمام و کمال جانتے ہیں۔ ماضی۔ حال۔ مستقبل میں کوئی شئی کسی حال میں حضورؐ سے مخفی نہیں۔

۶۔ تمام موجودات خارجیہ کا ظہور حقیقت محمدیہ سے ہوتا ہے حتیٰ کہ ترتیب ظہور بھی وہی ہے جو حقیقت محمدیہ میں مستور ہے۔

ان امور کے علاوہ یہ امر بھی اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقتِ محمدیہ کوئی امر اعتباری غیر واقعی نہیں بلکہ وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے اور موجود خارجی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جوہر بسیط نورانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور مراتب وجود سے مرتبہ وحدۃ جسے بعض صوفیہ نے بربنائے مناسبت اپنی اصطلاح خاص میں حقیقتِ محمدیہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے عبارتِ بالا میں ہرگز مراد نہیں کیونکہ مرتبہ وحدۃ غیر مخلوق ہے اور حقیقۃ محمدیہ مخلوق[۱]۔

---

[۱] مخزم من! جب دوانی کی عبارت میں خود موجود ہے کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

جیسا کہ محقق دوانی کی عبارت زیر نظر اس دعوے کی روشن دلیل ہے۔" (تسکین الخواطر از کاظمی صاحب ص ۵۰ تا ۵۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اکابر ائمہ کشف اسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ تو اس کی مراد بھی ائمہ کشف کے قول کے مطابق قبول کی جائے گی نہ کہ دوسروں کی مراد اس میں حجت ہوگی۔ لیجیے ہم مولانا احمد رضا کی عبارت نقل کر دیتے ہیں۔ دیکھیے وہ حقیقت محمدیہ کا وہی مفہوم لے رہے ہیں جو ائمہ کشف کے نزدیک صحیح ہے۔ مولانا بریلوی مواہب اللدنیہ سے نقل کرتے ہیں:۔ لما تعلقت ارادۃ الحق بایجاد خلقہ ابرز الحقیقۃ المحمدیۃ من الانوار الصمدیۃ فی الحضرۃ الاحدیۃ ثم سلخ منہا العوالم کلہا۔ اور شرح زرقانی میں ہے و الحضرۃ الاحدیۃ ھی اول تعینات الذات و اول رتبہا الذی لا اعتبار فیہ لغیر الذات (صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ از احمد رضا ص ۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت محمدیہ کا مفہوم وہی ہے جسے ابن عربی وغیرہ تعیّن اول اور مرتبہ احدیت کہتا ہے۔ اِس سے حقیقت محمدیہ کا مخلوق ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ دراصل اول ما خلق اللہ کی تعبیر سے مجبور ہو رہے ہیں۔ دوسرے حقیقتِ محمدیہ کو تعین اول کہنے سے کائنات کا بروز اور صدور ثابت ہوتا ہے تخلیق ثابت نہیں ہوتی لیکن جب تک آپ حقیقت محمدیہ کے ساتھ اپنے عقائد کی بنیاد استوار کرتے رہیں گے ان خام تعبیرات کے عواقب سے آپ ہرگز نہیں بچ سکتے۔

اور دوسرے مقام پر علامہ کاظمی صاحب لکھتے ہیں :۔

" بنا بریں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کی اصل قرار پائے تو تمام عالم کے جمیع افراد حضورؐ کی فرع ہوئے۔ پس جس طرح درخت کی ہر شاخ ہر پتے بلکہ اس کے ہر جزو میں اصل ہی کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح تمام جہانوں یعنی ماسوی اللہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نورانیت اور روحانیت مقدسہ جلوہ گر ہوگی اور عالم کا ذرہ ذرہ آپؐ کی روحانیت و نورانیت کی جلوہ گاہ قرار پائے گا۔" (تسکین الخواطر صـ ۴۲)

علامہ کاظمی صاحب اس فلسفے کو آسان سے آسان کر کے سمجھاتے ہیں :۔

" ہمارا مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبدأ کائنات ہیں۔ حضورؐ مخزن کائنات ہیں۔ حضورؐ منشأ کائنات ہیں اور مجھے کہنے دیجیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مقصود کائنات ہیں۔ صاحب روح المعانی نے عارفین کا ایک قول نقل کیا ہے کہ آپؐ رحمۃ للعالمین کیوں ہیں۔ فرماتے ہیں وجہ یہ ہے کہ حضور اقدسؐ اصل ہیں اور تمام عالمین اس کی فرع۔ اصل کہتے ہیں جڑ کو اور فرع کہتے ہیں شاخ کو۔ یہ بتاؤ جس درخت کی جڑ نہ ہو تو کیا شاخیں باقی رہیں گی۔ اگر درخت کی جڑ سوکھ جائے

شاخیں ہری رہیں گی۔ درخت کی جڑ کو جلا دو تو شاخیں موجود رہیں گی، نہیں بالکل نہیں۔ ارے درخت کی جڑ سے تو سارا کام ہوتا ہے۔ جڑ جو ہے تنے کو غذا پہنچا رہی ہے۔ پہلے جڑ تنے کو غذا پہنچاتی ہے پھر وہ جڑ کی پہنچائی ہوئی غذا تنے سے موٹی موٹی شاخوں میں پہنچتی ہے۔ پھر چھوٹی چھوٹی شاخوں میں پہنچتی ہے اور پھر پتوں میں پہنچتی ہے اور وہ پھولوں میں پہنچتی ہے اور وہ ثمر میں پہنچتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سارا تنا اس جڑ کا محتاج ہے اور ساری شاخیں اس جڑ کی محتاج ہیں اور ہر پتّہ اس جڑ کا محتاج ہے۔ ہر پھول اور ہر پھل اس جڑ کا محتاج ہے۔ جب اس جڑ کا فیض جاری ہے تو شاخیں ہری ہیں۔ اور جڑ کا فیض ختم ہو جائے تو شاخیں سوکھ جائیں۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے ذرے ذرے کے لیے اصل ہیں، اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اوپر ہے خواہ زمین کے نیچے ہے۔ وہ ہواؤں میں ہے وہ فضاؤں میں ہے۔ تحت میں ہے فوق میں ہے۔ عرش میں ہے فرش میں ہے۔ جہاں بھی کوئی ذرہ ہے مصطفیٰ کی جڑ کے لیے شاخ ہے۔ آپؐ کا فیض اِس طرح کائنات کے ذرے ذرے کو پہنچ رہا ہے جیسے جڑ کا فیض شاخ کے ہر جز کو پہنچ رہا ہے میرا ایمان ہے کہ مصطفیٰ اگر نہ ہوں تو کائنات زندہ نہیں رہ سکتی

اگر وہ مر گئے تو ہم کیسے زندہ رہ گئے۔" ؎۱

(ذکر حبیب از علامہ کاظمی صاحب ص۱۳، ۱۴)

واضح رہے کہ کاظمی صاحب اس میں منقبت نبویہ نہیں بیان کر رہے بلکہ اپنا ایمان اور عقیدہ بیان کر رہے ہیں اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کے عقائد کی بنیاد واضح ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدیہ کائنات کی اصل ہے۔ اور تمام کائنات اس اصل کی شاخیں اور ثمر ہیں۔ علامہ کاظمی نے درخت اور اس کی جڑ کی مثال دے کر اسکی وضاحت کی ہے۔ تفہیم کے لحاظ سے اس سے آسان تر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ خدا کرے کہ قارئین بھی اس حقیقت کا ادراک کر سکیں۔

جناب مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی فرماتے ہیں :۔

" حضور علیہ السلام تمام کائنات کی اصل ہیں وکل الخلق من نوری اصل کا اپنی فرع میں اور مادے کا سارے

؎۱ کاظمی صاحب حیات نبویہ کی اس طرح تصریح کرتے ہیں۔ موت و حیات کی دو قسمیں ہیں موت عادی۔ موت حقیقی۔ حیات عادی۔ حیات حقیقی۔ جسم میں روح کا نہ ہونا یا ہونے کے بعد نکل جانا موتِ عادی ہے۔ اور جسم میں روح کا موجود ہونا، حیات عادی اور جسم میں صفت مصححہ للعلم والقدرۃ (او ما یقوم مقامہا) کا پایا جانا حیات حقیقی ہے اور اس کا نہ پایا جانا موت حقیقی ہے۔

(حیات النبی از کاظمی ص۳۲)

مشتقات ہیں۔ ایک کا سارے عددوں میں پایا جانا ضروری ہے۔ ؎

ہر ایک اُن سے ہے وہ ہر ایک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے
بنے دو جہاں کی وہی بنا۔ وہ نہیں جو اُن سے بنا نہیں

(جاء الحق ص۱۴۴)

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اس فلسفے کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:۔

" تمام جہان اور اس کا قیام سب انہیں کے دم قدم سے ہے۔ عالم جس طرح ابتدائے آفرینش میں ان کا محتاج تھا کہ لولاك لما خلقت الافلاك یوں ہی اپنی بقا میں بھی ان کا محتاج ہے۔ آج اگر ان کا قدم درمیان سے نکال لیں تمام عالم ابھی ابھی فنائے مطلق ہو جائے ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

(الامن والعلی ص۳۷)

بین الاجمال والتفصیل

ا۔ حقیقت محمدیہ جسے یہ لوگ مصدر کائنات یعنی کائنات کا مادہ کہتے ہیں

اگر حقیقتِ محمدیہ کو ہر چیز کے وجود میں مانا جائے تو اسے حاضر و ناظر کہتے ہیں۔

۲۔ جب یہ مادہ کائنات کے ذرے ذرے میں موجود ہے تو جس ذرے کے وجود میں یہ مادہ موجود ہے اس وجود کو بھی تھامے ہوئے ہے اور ساتھ ہی اس وجود کو باقی رکھنے کے لیے اس کی ضروریات کی بھی تکمیل کر رہا ہے۔ اسے ذاتِ نبویہ کا تصرف فی الکائنات کہتے ہیں۔ یعنی ہر فرد کے وجود پر حقیقتِ محمدیہ کی دو نعمتوں کا اظہار ہو رہا ہے ایک نعمتِ ایجاد اور دوسری نعمتِ امداد۔ اس کائنات کا کوئی ذرہ اور فرد ایسا نہیں ہے جو آپؐ کی ان دو نعمتوں کے لیے محتاج نظر نہ آتا ہو۔ اسے وہ عقیدے کے طور پر یوں کہہ دیتے ہیں کہ کائنات کی ہر نعمت آپؐ کے دستِ کرم سے تقسیم ہو رہی ہے۔

۳۔ کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے وجود میں حقیقتِ محمدیہ موجود نہ ہو۔ موجود ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس کے وجود کی طبعی عمر سو برس ہے تو حقیقتِ محمدیہ بھی اس میں سو برس تک موجود رہے گی۔ اور جس وجود کی طبعی عمر اس سے کم یا زیادہ ہے تو حقیقتِ محمدیہ بھی اتنا عرصہ موجود رہے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کو اپنی طبعی عمر میں جتنے عوارض اور حالات پیش آئیں گے تو یہ حالات حقیقتِ محمدیہ سے کیسے مخفی رہ سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کائنات کے ذرے ذرے میں موجود ہونے کی وجہ سے کوئی چیز ذاتِ نبویہ کے علم سے باہر

نہیں ہوسکتی۔ اسے یہ لوگ اپنے عقیدے میں ماکان و مایکون کا علمِ غیب کہتے ہیں۔ ہم نے مسئلہ حاضر و ناظر۔ علم غیب اور تصرف فی الکائنات جیسے عقائد کے اجمال کو احسن طریقے سے بیان کر دیا ہے۔ ہم اب کچھ مزید شواہد نقل کرتے ہیں۔ اِس اجمال کے سامنے شواہد کے جتنے آئینے سامنے رکھتے جائیں گے تو اس اجمال کا حسن اور اس کے خد و خال زیادہ ہی نکھرتے چلے جائیں گے۔

حاضر و ناظر کا مفہوم

علامہ کاظمی صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے عقیدے میں حاضر و ناظر کا کیا مفہوم ہے :-

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو لفظِ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ کی بشریت مطہرہ ہر جگہ ہر ایک کے سامنے موجود ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روحِ دو عالم[1] (روح الاکوان) صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقتِ منورہ

---

[1] روح دو عالم سے مراد حقیقتِ محمدیہ ہے۔ دیکھیے کاظمی صاحب اچھی طرح وضاحت کر رہے ہیں کہ ہم آپ کی بشریت کو ہر جگہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ذرّاتِ عالم کے ہر ذرہ میں جاری و ساری ہے۔ جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بہ یک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔"

(تسکین الخواطر از کاظمی صاحب ص۱۳)

اپنی اس کتاب کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

(ا) " ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کی جسمانیت اور بشریتِ مطہرہ کے ساتھ حاضر و ناظر نہیں مانتے بلکہ حضور کی حقیقتِ مقدسہ کو ذاتِ کائنات میں جاری و ساری مانتے ہوئے روحانی طور پر آپ کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) موجود نہیں مانتے بلکہ آپ کی حقیقتِ محمدیہ کو کائنات کے ذرے ذرے میں جاری و ساری مانتے ہیں۔ جو علماء حضرات مسئلہ حاضر و ناظر کی تردید کرتے ہیں ان کے علمی فہم کا کمال دیکھیے کہ وہ حاضر و ناظر کی تردید میں جن دلائل کو پیش کر رہے ہیں وہ سب کے سب من حیث البشریۃ پر موقوف ہیں۔ حالانکہ تردید کا صحیح موقف یہ تھا کہ حقیقتِ محمدیہ کو سامنے رکھ کر بحث کرتے تاکہ حریف کے ماخذ پر پوری گرفت کر سکتے۔ اب بھی محاذ کا رُخ تبدیل ہو سکتا ہے۔ لیکن محاذ کی اس تبدیلی کے بعد کچھ اور رخ بھی سامنے آجائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ محاذ کا رخ (باقی بر صفحہ آئندہ)

(۲) "یہ صحیح ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کے جلوے ذرات کائنات میں جاری و ساری ہیں۔"

(۳) "بشریتِ مقدسہ کے ایک جگہ رونق افروز ہونے سے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر کس طرح زد پڑ سکتی ہے جسمانیتِ مطہرہ حیاتِ حقیقیہ کے ساتھ قبرِ انور میں جلوہ گر ہے اور آپؐ کی روحانیت و نورانیت تمام اکوان عالم میں موجود ہے۔"

(۴) "حاضر و ناظر کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے۔"

(۵) "اس میں شک نہیں کہ نماز میں السلام علیک ایہا النبی کہنے کا حکم بھی اس امر پر مبنی ہے کہ جب حقیقتِ محمدیہ تمام ذرات کائنات میں موجود ہے تو ہر عبد مصلی کے باطن میں اس کا پایا جانا ضروری ہے۔"

(یہ تمام عبارتیں کاظمی صاحب کی تسکین الخواطر سے ماخوذ ہیں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حقیقت محمدیہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ علماء دیوبند اور بریلویت کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے اس اختلاف کی بنیادی نوعیت کیا ہے۔

حقیقتِ محمدیہ مصدرِ کائنات رُوح الاکوان کا مفہوم

علامہ کاظمی صاحب صوفیہ کی مشہور تفسیر عرائس البیان سے حقیقتِ محمدیہ کی تصریح بیان کرتے ہیں:۔

۱۔ " ان نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلقہ فی الاول من جمیع خلقہ ثم خلق جمیع الخلائق من العرش الی الثریٰ من بعض نورہ۔"

۲۔ فکونہ کون الخلق وکونہ سبب وجود الخلق۔

۳۔ ان جمیع الخلائق صورۃ مخلوقۃ مطروحۃ فی فضاء القدرۃ بلا روح حقیقۃ منتظراً القدوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا قدم فی العالم صار العالم حیا بوجودہ لانہ روح جمیع الخلائق۔"

(عرائس البیان ص۵۲)

۱۔ خالق کائنات نے اپنی کل مخلوق میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ ذاتِ نبویہ کا نور مبارک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک جزو سے از عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔

۲۔ کائنات کا موجود ہونا آپؐ کے موجود ہونے پر (موقوف) ہے۔ اور کائنات کے موجود ہونے کی علت حقیقی بھی آپؐ کا وجود ہے۔

۳۔ فضاء قدرت میں تمام مخلوقات صورت مخلوقہ کی طرح بے جان اور روح حقیقی کے بغیر پڑی ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف لائے تو تمام کائنات وجود محمدی سے زندہ ہو گئی اس لیے کہ تمام مخلوقات کی روح (روح الاکوان) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے۔"
(تسکین الخواطر ص۱۴۳)

کائنات میں حقیقت محمدیہ کا تفصیلی تصرف

آپ علامہ کاظمی اور دوسرے حضرات کی عبارتوں سے معلوم کر چکے ہیں کہ کائنات کی علت مادیہ اور علت غائیہ صرف حقیقت محمدیہ ہے علت مادیہ سے مراد مصدر کائنات ہے اور علت غائیہ سے مراد تخلیق کائنات کا مقصود ہے۔ اب ہم ان حضرات کی عبارتوں سے یہ تفصیل بیان کرتے ہیں کہ کائنات کے ذرے ذرے میں حقیقتِ محمدیہ داخل ہو کر اپنا تصرف کس طرح کرتی ہے۔ علامہ کاظمی نے جس طرح اس

تصرف کی بدیعات کو اپنی تحریر سے آراستہ کیا ہے۔ اس عقیدے کی اس سے بہتر ترجمانی نہیں ہوسکتی۔ آپ فرماتے ہیں :-

"اِس حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصلِ کائنات ہیں، آپؐ کی حیاتِ مقدسہ وجودِ ممکنات کے آسمان کا چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ مخلوقات کی تمام انواع و اقسام اور افراد بمنزلہ آئینوں کے ہیں۔ ہر آئینہ اپنے مقام پر مخصوص کیفیت اور جداگانہ قسم کی استعداد کا حامل ہے۔ اس لیے ہر فرد اپنے حسب حال اِس آفتاب حیات سے اکتسابِ حیات کر رہا ہے۔ خلق و امر۔ اجسام و ارواح۔ اعیان و معانی۔ ارض و سماء۔ تحت و فوق ان سب کا نورِ حیات اِسی آفتابِ حیاتِ محمدی کی شعاعیں ہیں۔ البتہ عالم ممکنات کا اس معدنِ حیات سے قرب[1] و بُعد اور افراد کائنات میں استعداد کی

---

[1] معدن حیات سے قرب و بعد اور استعداد کی قوت و ضعف، ابنِ عربی اس کی اس طرح وضاحت کرتا ہے :-

"اول ماخلق الهباء واول ماظهر فيه حقيقة محمد صلى الله عليه وسلم قبل سائر الحقائق۔ وكان اقرب الناس اليه فى ذلك الهباء على بن ابى طالب الجامع لاسرار الانبياء اجمعين"۔ (فتوحات مکیہ) (باقی بر صفحہ آئندہ)

قوت وضعف، مراتب حیات میں ضرور موجب تفاوت ہے۔
نفس حیات سب میں پائی جاتی ہے لیکن ہر ایک کی حیات اس کی حالت کے مناسب ہے۔ مومن ہو یا کافر۔ نیک ہو یا بد۔ ہر ایک کا مبدأ فیض ذات نبویہ کا وجود ہے۔ اور حضورؐ ہی کے آفتاب حیات سے ہر ایک مومن میں حیات کی روشنی پائی جاتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فی باب السادس)۔ (الیواقیت والجواہر صفحہ ۲/۲)
(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے پہلے ہباء کو پیدا کیا۔ اس ہباء میں تمام حقائق سے قبل جس حقیقت کا ظہور ہوا وہ حقیقتِ محمدیہ تھی۔ اس ہباء میں حقیقتِ محمدیہ کے ساتھ قرب اور استعداد کے لحاظ سے سب انسانوں میں سے جو سب سے زیادہ قریب تھے وہ حضرت علیؓ تھے۔
اس کا مفہوم یہ ہے کہ معدن حیات یعنی حقیقت محمدیہ سے سب سے پہلے جس کو فیض حیات حاصل ہوا وہ حضرت علیؓ تھے۔ آپ کی اس اولیت کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ سے فیض حاصل کرنے کی استعداد جس قدر حضرت علیؓ میں موجود تھی دوسرے تمام انسانوں میں وہ استعداد اس سے کمزور تھی۔ دیکھیے ابن عربی اس استعداد کے لحاظ سے حضرت علیؓ کو تمام نبیوں سے بھی زیادہ ترجیح دے رہے ہیں۔ دوسرے اس سے نبوت پر ولایت کی ترجیح ثابت ہو رہی ہے۔ اس سے ابن عربی کا تشیع صاف ثابت ہو رہا ہے۔ ہم اپنے دوسرے (باقی بر صفحہ آئندہ)

آفتاب حیات اگر غروب ہو جائے تو تمام آئینے اپنے نور سے محروم ہو جائیں۔ ان تمام آئینوں میں نور کا پایا جانا آفتاب کے چمکنے کی دلیل ہے۔ اسی طرح عالم ممکنات کے کسی ایک ایک ذرے میں نور حیات کا پایا جانا آفتاب حیات محمدی کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔"

(حیات النبی از علامہ کاظمی ص۹)

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں:۔

" اور نصوص متواترہ اولیاء کرام وائمہ عظام وعلماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر۔ صغیر یا کبیر۔ جسمانی یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقالے میں ابن عربی کا تشیع دلائل سے ثابت کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقۃ محمدیہ کی ایک شاخ معدن تشیع سے نکلی ہے۔

ل۔ جناب موصوف بریلوی کی عبارت میں ذات نبویہ کے تصرف کے لیے سرّ الوجود۔ اصل الوجود۔ خلیفۃ اللہ الاعظم اور ولی نعمت عالم جیسے القاب استعمال کیے گئے ہیں۔ ان سب کا مفہوم حقیقت محمدیہ ہے۔ اور اس کے ماخذ پر لکھتے ہیں نصوص متواترہ اولیاء کرام وائمہ عظام وعلماء سے مبرہن ہو چکا ہے۔ اس مسلک کے حاملین علماء سے ہم التماس کرتے ہیں کہ حقیقۃ محمدیہ اور اصل الوجود کے ساتھ نصوص متواترہ کا کیا ربط ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

روحانی۔ دینی یا دنیوی۔ ظاہری یا باطنی۔ روزِ ازل سے اب تک اب سے قیامت تک۔ قیامت سے آخرت تک۔ آخرت سے ابد تک۔ مومن یا کافر مطیع یا فاجر۔ ملک یا انسان۔ جن یا حیوان۔ بلکہ تمام ماسوی اللہ جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی انہیں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی۔ یہ سرّالوجود اور اصل الوجود خلیفۃ اللہ الاعظم اور ولی نعمت عالم ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تاکہ ہم بھی معلوم کر سکیں کہ اس اصل الوجود اور جوہر بسیط سے کافر کے وجود میں کس طرح نعمت داخل ہو رہی ہے۔ اور موصوف بریلوی کی سابقہ عبارت میں موجود ہے کہ اس نعمت سے مراد نعمۃ الایجاد اور نعمۃ الامداد ہے۔ اور یہ بات بھی ہمیں سمجھائیں کہ اس کافر کے وجود میں اس نعمۃ الامداد کا کیا مفہوم ہے۔ اسی طرح فاجر کے وجود میں نعمۃ الامداد سے کیا مراد ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپؐ جب کہ اصل الوجود ہیں تو جن کفار کو یہ نعمت الامداد حاصل ہے اس سے اس امت کے کافر مخصوص نہیں ہو سکتے بلکہ تمام سابقہ امتوں کے کافر شامل ہیں اور ان کافروں میں نمرود اور فرعون جیسے کافر بھی شامل ہیں مثلاً فرعون جیسے کافر پر نعمت الامداد سے کیا مراد ہے۔

لہ خلیفۃ اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ خدا کے نائب مطلق ہیں۔ اس خلافت اور نیابت کا مفہوم یہ ہے کہ ساری کائنات کا نظام (باقی بر صفحہ آئندہ)

صلی اللہ علیہ وسلم۔" (جزاء اللہ عدوہ ص۲۳ حوالہ فیصلہ کن مناظرہ ص۵۶)

بریلوی مسلک میں بہارِ شریعت ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں خلیفۃ اللہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں۔ تمام جہان حضورؐ کے تحت تصرف کر دیا گیا ہے جو چاہیں کریں۔ جسے جو چاہیں دیں۔ جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام آدمیوں کے مالک ہیں۔ تمام زمین ان کی ملک ہے۔ تمام جنت ان کی جاگیر ہے۔ ملکوت السمٰوات والارض حضورؐ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپؐ کے تصرف میں ہے۔ آپ ہمیں یہ سمجھائیں خدا کی خلافت کا کیا مفہوم ہے اور یہ خلافت اپنے نائب مطلق میں کس طرح منتقل کرتے ہیں۔ دوسرے اس خلافت کا تصرف ساری کائنات کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازل سے ابد تک جب تک کائنات موجود ہے تو خلافت کا تصرف بھی تا ابد قائم رہے گا کسی آن بھی یہ تصرف آپؐ سے جدا نہیں ہوسکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تصرف بالاستقلال ہے۔ اس میں مشیت ایزدی اور خدا کے جدید اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تکوینی خلافت ہے تشریعی خلافت نہیں۔ اگر اس تکوینی خلافت میں خدا کی مشیت اور اس کا اذنِ جدید مداخلت کرتا ہے تو (باقی بر صفحہ آئندہ)

زیرِ فرمان ہے۔ جنت اور دوزخ کی کنجیاں آپؐ کے دستِ اقدس میں دے دی گئیں۔" (بہار شریعت ص۲۲ ج۱)

علم غیب اور حقیقت محمدیہ

ہم پہلے مسئلہ حاضر و ناظر اور تصرف فی الکائنات کے بارے میں ان حضرات کی مستند عبارتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان دونوں کا ماخذ حقیقت محمدیہ ہے۔ اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات کے کلی علم غیب کا ماخذ کیا ہے۔

جناب مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی ابریز سے اس مسئلہ کی ایک نفیس دلیل پیش کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ دلیل ایسی ہے کہ اس سے علم غیب کے بارے میں تمام اشتباہ دور ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کائنات کے نظام میں الٹ پلٹ ہوتا رہے گا۔

جناب بریلوی موصوف دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

"حضورؐ کی مشیت بعینہ خدا کی مشیت ہے۔ اور خدا کی مشیت بعینہ ان کی مشیت ہے۔ اور عطف کر کے کہیے تو دوئی سمجھی جائے گی کہ اللہ کی مشیت اور ہے اور رسول کی مشیت اور۔"

(الامن والعلیٰ ص۲۲۵)

"ھو علیہ السلام لا یخفیٰ علیہ شئ من الخمس المذکورۃ فی الآیۃ وکیف یخفی ذلک والاقطاب السبعۃ من امتہ یعلمونھا وھم دون الغوث فکیف بالغوث فکیف بسید الاولین والآخرین الذی ھو سبب کل شئ ومنہ کل شئ۔

(جاء الحق ص۱۰۶)

(ترجمہ) قرآن میں ہے کہ پانچ چیزوں کا علم کوئی نہیں جانتا۔ ہاں حضور اقدس ؐ سے ان پانچ چیزوں کا علم مخفی نہیں رہ سکتا۔ آپ ؐ کی شان تو بہت اونچی ہے بلکہ آپ ؐ کی امت کے سات اقطاب بھی ان پانچ چیزوں کا علم رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اقطاب غوث کے مقام سے کم درجہ رکھتے ہیں تو بتلائیے اس علم میں غوث کی شان کیا ہوگی۔ جب آپ ؐ کی امت کے غوث اور اقطاب بھی ان چیزوں کا علم رکھتے ہیں تو حضور اقدس ؐ سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ ؐ سید الاولین والآخرین ہیں اور آپ ؐ کا وجود اقدس تخلیق کائنات کا باعث ہے۔ صرف باعث ہی نہیں بلکہ اصلِ کائنات ہونے کی وجہ سے تمام کائنات آپ ؐ کے وجود سے ظاہر ہوئی ہے۔" (جاء الحق ص۱۰۶)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن میں جن پانچ چیزوں کے علم کی نفی کا بیان ہوا

ہے۔ قرآن کی اس آیت وما تدری نفس میں جن نفوس سے اس علم کی نفی ہو رہی ہے ان نفوس میں حضور اقدسؐ تو کجا آپؐ کی امت کے اکابر اولیا بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ اس دلیل میں یہ بات پیش کی گئی ہے کہ جب ساری کائنات کا صدور آپؐ کے وجود سے ہوا ہے تو یہ پانچ چیزیں بھی اس کائنات میں داخل ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مصدر اپنے مشتقات کا اور اصل اپنی فرعات کا علم نہ رکھتا ہو۔ عزرائیل اور اور موت کا وجود بھی کائنات میں داخل ہے۔ عزرائیل جب کسی کی روح نکالتا ہے یا اس سے پہلے جن جن کی روح نکال چکا ہے یا آئندہ زمانے میں نکالے گا ان تمام اوقات کا علم حضورؐ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ عزرائیل اور زمانے کا اصل مصدر حضور اقدسؐ کا وجود ہے۔ اس سے دوسری بات بھی واضح ہو گئی کہ آپؐ کی حیات بالذات ہے اور موت کا وجود بالعرض۔ بالعرض کا مفہوم یہ ہے کہ موت اپنے وجود کو اس لیے قائم رکھے ہوئے ہے کہ اس کے وجود کی بقا حقیقت محمدیہ پر موقوف ہے اس لیے کہ آپؐ روح الاکوان ہیں اور موت کا وجود بھی اس اکوان میں داخل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی حقیقی حیات کو عزرائیل کا تصرف زائل نہیں کر سکتا۔ اور ساتھ ہی ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان حضرات کے نزدیک غوث اور قطب کا کیا مفہوم ہے۔

رحمۃ للعالمین کا مفہوم

رحمۃ للعالمین کی آیت بریلوی مسلک میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے جس میں بریلویت کے تمام اصولی عقائد سمٹ کر آگئے ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کی تفہیم کے لیے جو انہوں نے تفسیری حقائق بیان کیے ہیں آپ کے سامنے رکھ دیے جائیں۔ آپ اگر کچھ فہم رکھتے ہیں تو ان حقائق سے آپ اس مسلک کی حقیقت کا جلدی ادراک کر لیں گے۔

علامہ احمد رضا خاں بریلوی ذات نبویہ کے رحمت ہونے کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی، گنگوہی، جنگلی کوہی سب کو دعوت عام ہے۔ چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالۃ یا ایک متواتر حدیث یقینی والافادہ چھانٹ کر لائیں جس سے صاف طور پر یہ ثابت ہو کہ تمامی نزول قرآن عظیم کے بعد اشیاء مذکور ما کان و ما یکون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی رہا جس کا علم حضورؐ کو نہ دیا گیا فان لم تفعلوا فاعلموا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَائِنِیْنَ منکرین کے پاس اگر اس کا معقول جواب ہو تو پیش کریں۔

قرآن مجید میں ہے وَسِعَ رَبِّی کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (میرا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے) نیز فَقُل رَّبُّکُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ (پس کہہ دو کہ تمہارا رب وسیع رحمت کا مالک ہے) یہاں خدا کی شان علیمی کو ہر چیز پر محیط کیا ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کی رحمت کو بھی وسیع کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ یعنی میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس طرح خدا کی صفت علم میں عمومیت پائی جاتی ہے ہو بہو وسعت کے لحاظ سے ایسی ہی عمومیت صفتِ رحمت میں بھی ہے۔ جہاں صفتِ رحمت ہر چیز کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ وہاں صفتِ علم بھی ہر چیز کو اپنی وسعت میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی رحمت ہے کیا چیز اور اُس کا اِس مسئلہ سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی رحمت حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس ہے۔ دیکھیے آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ بس جس طرح خدا کی رحمت ہر جگہ موجود ہے اسی طرح آپؐ کی ذات بھی ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ ہی پہلو بہ پہلو خدا کی شانِ علیمی بھی اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ موجودات میں خدا کی صفتِ علم اور صفتِ رحمت کی یہ جلوہ گری اپنی وسعت کے

لحاظ سے بالکل یکساں ہے اس سے ہمیں یہ لازم تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں آپؐ کی ذات موجود ہے وہاں آپؐ کا علم بھی موجود ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ آپؐ کی ذاتِ مقدس بلحاظ مجسمۂ رحمت ہونے کے ہر جگہ موجود ہے (کیونکہ رحمتِ الٰہی کی وسعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہو) اس لیے آپؐ کا علم بھی ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور اس پر ہر وقت خدائی علم کی وسعت کا پرتو پڑ رہا ہے۔"

اس کے بعد مولوی نبی بخش صاحب علامہ بریلوی کی اِس عبارت کی اس طرح توضیح کرتے ہیں :۔

" اسے مختصر الفاظ میں ہم یوں ادا کر سکتے ہیں کہ حق تعالےٰ کی وسیع رحمت کا مظہر آپؐ کی ذات ہے اور ہر جگہ موجود ہے اور اس کے وسیع ذاتی علم کا پرتو آپؐ کا عطائی علم غیب ہے۔ اس لیے یہ بھی ہر چیز کو اپنے دامنِ وسعت میں لیے ہے کیونکہ یہ دونوں صفتیں عمومیت کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ نظر بریں صورت اہل سنت والجماعت کا عقیدہ درست اور صحیح ہے۔ اِس میں شرک کی کوئی رِشق نہیں ہے۔ ہاں اس عقیدے کی مخالفت حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتِ شان سے عدم آگاہی کا ثبوت ہے جو گستاخی اور سوءِ ادب کی حدود سے گزر کر آدمی کو کفر کی منزل تک

پہنچا دیتی ہے۔"

(الامتیاز بین الحقیقت والمجاز ص۹۳)

رحمۃ للعالمین کی آیت سے بریلویت کے بنیادی اصول

علّامہ کاظمی صاحب نے اس آیت میں بریلویت کے بنیادی اصولوں کو جس طرح جمع کر دیا ہے اس میں حقیقتِ محمدیہ کی پوری تشریح ہو جاتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے نزدیک یہ امر قطعی ہے کہ اس آیت کریمہ میں کافِ خطاب سے مراد حضور سیّد عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ اور یہ امر بھی واضح ہے کہ رحمۃ للعالمین ہونا حضور نبی اکرمؐ کا وصفِ خاص ہے۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی رحمۃ للعالمین نہیں ہو سکتا جس کی دلیل یہ ہے کہ آیتِ کریمہ حضور علیہ السلام کی مدح میں وارد ہے اور قاعدہ ہے کہ مقامِ مدح میں جو وصف وارد ہوگا وہ ممدوح کے ساتھ خاص ہوگا کیونکہ تخصیص کے بغیر مدح ممکن نہیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ رحمۃ للعالمین ہونے کا وصف حضور علیہ السلام

کے لیے خاص ہو کسی مسلّم ہستی کے کلام میں کسی دوسرے کے لیے اگر مسامحہ کے طور پر یہ لفظ یا اس کا ہم معنی کوئی کلمہ وارد بھی ہو تو اسے مبالغہ یا مجاز پر محمول کیا جائے گا حقیقت و واقعیت سے اس کو کوئی تعلق نہ ہوگا۔

الْعٰلَمِیْنَ سے مراد صرف انسان یا جن و ملائکہ ہی نہیں بلکہ کُل ماسوی اللہ ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا جہتِ رسالت سے ہے اور رسالت کل مخلوق کے لیے عام ہے۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً (رواہ مسلم) (ترجمہ) میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جب رسالت کل مخلوق کے لیے عام ہے تو رحمت بھی سارے جہانوں کے لیے عام اور اللہ کے سوا ہر ذرے کو شامل قرار پائی۔ اس کے بعد لفظ رحمت کی طرف آئیے۔ مفسرین کے نزدیک لفظِ رحمت مفعول لہٗ ہو یا حال بہر صورت حضور علیہ السلام راحم قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ مفعول لہٗ سبب فعل ہوتا ہے اور فاعل بھی سببِ فعل ہے اس لیے حضور علیہ السلام کا راحم ہونا حال اور مفعول لہٗ دونوں کے مطابق ہے۔ خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام کائنات کل مخلوقات ایک ایک ذرہ ایک

ایک قطرہ غرض اللہ کے سوا ہر شے کے لیے رحم فرمانے والے ہیں۔

کسی رحم کرنے والے کے لیے چار باتیں لازم ہیں :۔

نمبر ۱۔ سب سے پہلے یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا زندہ ہو مُردہ نہ ہو۔ کیونکہ مُردہ رحم نہیں کرسکتا وہ خود رحم کا طالب و مستحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر حضور علیہ السلام معاذ اللہ زندہ نہ ہوں تو راحمًا للعالمین نہیں ہوسکتے۔ جب آیۃ قرآنیہ سے حضور علیہ السلام کا راحمًا للعالمین ہونا ثابت ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا ثابت ہوگیا۔

نمبر ۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ صرف زندہ ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جاسکتا، جب تک رحم کرنے والا مرحوم کے حال کا عالم نہ ہو کیونکہ بے خبر کسی پر کیا رحم کرے گا۔ آیتِ قرآنیہ کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم راحمًا للعٰلمین ہیں تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمین کا ماسوی اللہ جمیع کائنات و مخلوقات کو نہ جانیں اور جمیع ما کان و ما یکون کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہو تو اُس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم راحمًا للعالمین نہیں ہوسکتے۔ جب حضور علیہ السلام کا راحمًا للعالمین ہونا ثابت ہے تو تمام کائنات کے احوال کا عالم ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

نمبر ۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ صرف عالم ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم تک اپنی رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار نہ رکھتا ہو اس سے معلوم ہوا قدرت و اختیار کا ہونا بھی رحم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات اور کل کائنات کے لیے علی الاطلاق راحم ہیں تو ہر ذرہ کائنات تک رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاصل ہے۔

نمبر ۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ صرف قدرت و اختیار سے کام نہیں چلتا کسی رحم کرنے والے کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو اور مرحوم راحم کے قریب ہو۔ اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھیے کہ مثلاً آپ تین فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے ہیں۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں ایک خونخوار دشمن نے آپ کے مخلص دوست پر حملہ کر دیا۔ وہ چلا کر آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگا۔ آپ اس کی مدد کے لیے دوڑے اور خلوصِ قلب سے اس پر رحم کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب غور کریں آپ زندہ بھی ہیں اور اس دوست کو بچشمِ خود ملاحظہ بھی فرما رہے ہیں۔

اس کے حال سے بھی واقف ہیں۔ رحم کرنے کی قدرت اور اختیار بھی آپ کو حاصل ہے لیکن اپنے اختیار سے رحم نہیں کر سکتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ وہ مخلص دوست آپ سے دور ہے اور آپ اس سے دور ہیں۔ آپ اپنی حیات، قدرۃ و اختیار کے باوجود بھی اس پر رحم نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ رحم کرنے کے لیے راحم کا مرحوم کے قریب ہونا بھی ضروری ہے۔

اِس آیتِ قرآنیہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام جہانوں اور مخلوقات کے ہر ذرے کے لیے راحم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ تمام کائنات کے قریب ہیں اور ساری کائنات حضورؐ کے قریب ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ ایک ذات تمام جہانوں کے قریب کیسے ہو سکتی ہے۔؟ ایک فرد کسی ایک سے قریب تو ہوگا، اس کے علاوہ باقی سب سے دور ہوگا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ فردِ واحد افرادِ کائنات میں سے ہر ایک کے قریب ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن دو کے درمیان نزدیکی متصوّر ہے اگر وہ دونوں کثیف ہوں تو واقعی ایسا ہی ہوگا کہ فردِ واحد افراد مختلف فی الزمان والمکان سے بیک وقت قریب نہیں ہو سکتا اور

دونوں لطیف ہوں یا دونوں میں سے ایک لطیف ہو تو جو لطیف ہوگا تو ہر وقت تمام موجودات کائنات سے قریب ہو سکتا ہے جس میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اس لیے حضورؐ کا تمام افرادِ ممکنات سے قریب ہونا بالکل واضح اور روشن ہے۔ ہم کثیف سہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لطیف ہیں لہذا حضورؐ کا ہم سے قریب ہونا کوئی دشوار امر نہیں۔ آواز کی لطافت کا یہ حال ہے کہ جہاں تک ہوا جا سکتی ہے آواز بھی وہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ لیکن حضورؐ آواز اور ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ ہوا اپنے مقامِ محدود سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور آواز ہوا سے آگے نہیں جا سکتی۔ لیکن جہاں آواز اور ہوا بھی نہ جا سکے، آواز اور ہوا تو کیا! یوں کہیے کہ جہاں حضرت جبریل کا بھی گزر نہ ہو سکے وہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتے ہیں بلکہ جہاں زمانہ اور مکان بھی نہ پایا جا سکے وہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پائے جاتے ہیں یقین نہ آئے تو شبِ معراج کا حال سامنے رکھ لیجیے جس سے آپ کو ہمارے بیان کی پوری تصدیق ہو جائے گی۔ لہذا ایک آیت سے پانچ مسئلے وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گئے۔ یعنی حضور علیہ السلام تمام عالموں کے لیے رحمت فرمانے والے ہیں لہذا زندہ ہیں۔ اور تمام کائنات کے حالات و کیفیات کے عالم بھی ہیں

اور ساتھ ہی ہر عالم کے ہر ذرے تک اپنی رحمت اور نعمت پہنچانے کی قدرت اور اختیار بھی رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ تمام عالم کو محیط اور تمام کائنات کی ہر شے سے قریب بھی ہیں۔ نیز ایسے روحانی، نورانی اور لطیف ہیں کہ جس کی بناء پر آپ کا کسی ایک چیز کے قریب ہونا دوسری سے بعید ہونے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ بیک وقت تمام افرادِ عالم سے یکساں قریب ہیں۔" (مقالات کاظمی صہ ۹۹ ج ۱)

رحمۃ للعالمین کی آیت سے حاضر و ناظر کے فلسفہ کی تشریح!

علامہ کاظمی لکھتے ہیں:۔

"حاضر و ناظر کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے۔

دلیل قال اللہ تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (ترجمہ) اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے۔ مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھنے کے بعد آیۂ کریمہ کی روشنی میں،

۱۔ رحمۃ للعالمین ہونا حضور نبی کریمؐ کا وصف خاص ہے۔

۲۔ آیہ کریمہ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ وغیرہا کے کلمہ العالمین کا عموم دلیل خصوص پائے جانے کی وجہ بالاجماع باقی نہیں رہا مگر آیت زیر بحث میں جو لفظ "العالمین" ہے اُس کا مخصص نہیں پایا گیا اس لیے وہ اپنے عموم پر ہے ومن ادّعی الخصوص فعلیہ البیان لہٰذا ہر فردِ عالم کا حضور صلی اللہ کے دامنِ رحمت میں ہونا ثابت ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کے معنی تفسیر روح المعانی میں اسی آیتِ کریمہ کے تحت اس طرح مرقوم ہے:۔ "ہم نے آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رحمت یا ذارحمت یا راحمًا للعالمین ہونے کے حال کے سوا اور کسی حال میں نہیں بھیجا۔ اور اگر لفظ رحمت کو مفعول لہٗ کہا جائے تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سببِ رحمت قرار پائیں گے۔ بہر نوع نبی اکرمؐ کی رحمت کا ہر فردِ عالم کے لیے عام ہونا ظاہر ہے۔ جن حضرات نے العالمین کی تفسیر الناس یا ثقلین یا ذوی العلم سے کی ہے اُن کے کلام سے العالمین کی تخصیص پر استدلال صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اشرف العالمین چونکہ یہی انواع ثلاثہ ہیں۔ اس لیے اُن کے حق میں حضورؐ کا رحمت ہونا بقیہ عالمین کے حق میں حضورؐ کے رحمت ہونے کو مستلزم ہے۔ دلیل یہ

ہے کہ یہ تینوں اپنے ماسویٰ کے متبوع اور ان سب کا مجموعہ اور خلاصہ ہیں۔ لہذا سب کے حق میں حضورؐ کا رحمت ہونا ثابت ہوا۔" (روح المعانی ص۹۵ ج ۱۷)

۴۔ یہ امر بھی روشن ہے کہ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصلِ کائنات اور تمام عالم پر فیضِ خداوندی کا واسطہ نہ ہوں اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ بنا بریں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم کی اصل قرار پائے تو تمام عالم کے جمیع افراد حضورؐ کی فرع ہوئے۔ پس جس طرح درخت کی ہر شاخ، ہر پتے بلکہ اس کے ہر جزو میں اصل ہی کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح تمام جہانوں یعنی ماسوی اللہ میں حضورؑ علیہ السلام کی نورانیت اور روحانیتِ مقدسہ جلوہ گر ہوگی۔ اور عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت اور نورانیت نبی کریمؐ کی جلوہ گاہ قرار پائے گا۔ آیتِ کریمہ کی تفسیر میں جلیل القدر مفسرین کرام نے اسی مضمون کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ علامہ آلوسی تحریر کرتے ہیں :۔

" تمام جہانوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ نبی کریمؐ کل ممکنات پر ان کی قابلیت و استعداد کے موافق فیضِ الٰہی کا واسطہ

عظمیٰ ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اوّلِ مخلوقات ہے (کیونکہ اصل کا وجود فرع سے پہلے ہوتا ہے) حدیث شریف میں وارد ہے "اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے اوّل پیدا فرمایا" اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ " اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں" اور حضرات صوفیہ کرام قدست اسرارہم کا کلام اس بیان میں ہمارے کلام سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے"۔

(روح المعانی ص۹۴ ج ۱۷)

صوفیہ کے مشہور مفسر روزبہان بقلی لکھتے ہیں:۔

" اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے" اے صاحب فہم وخرد۔! اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں ہمیں بتایا کہ خالقِ کائنات نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک جزو سے از عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ لہذا عدم سے مشاہدہ قدم کی طرف ان (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھیجنا جمیع مخلوقات کے لیے رحمت ہے۔ کیونکہ مصدرِ خلائق وہی ہیں) سب کا صدور وظہور انہی کے نور سے ہے۔ لہذا اُن کا ہونا مخلوق کا ہونا ہے

اور اُن کا وجود مبارک جمیع خلائق پر اللہ کی رحمت کا سبب ہے اس لیے کہ سب کے وجود کا سبب وہی ہیں۔ لہذا وہ ایسی رحمت ہیں جو سب کے لیے کافی ہیں۔ اور اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں (یہ بھی) سمجھا دیا ہے کہ قضاء قدرت میں تمام مخلوقات صورتِ مخلوقہ کی طرح بے جان اور بغیر روح حقیقی کے پڑی ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں تشریف لائے تو تمام عالم وجودِ محمدی سے زندہ ہو گیا۔ اس لیے کہ تمام مخلوقات کی روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کیلیے۔"

(تفسیر عرائس البیان ص۵۲ ج۲)

آیہ کریمہ کی جو تفسیر ہم نے جلیل القدر علماء مفسرین سے نقل کی ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی ہے کہ تمام افرادِ ممکنات کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ اور تعلق ہے جس کے بغیر وصولِ فیض ممکن نہیں اور جب سب کا ربط حضورؐ سے ہے تو حضور علیہ السلام کسی سے دور نہیں۔ اور نہ کسی فردِ ممکن سے بے خبر ہیں۔ جب وہ رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے

روح دو عالم ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عالم کا کوئی فرد یا جزو اس رحمتِ مقدسہ سے خالی ہو جائے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہو کر روح کائنات ہیں۔ اور عالم کے ہر ذرے میں روحانیتِ محمدیہ کے جلوے چمک رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آپؐ کی یہ جلوہ گری علم و ادراک اور نظر و بصر سے معرّا ہو کر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ روحانیت و نورانیت ہی اصل ادراک اور حقیقتِ نظر و بصر ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات و ممکنات کے حقائقِ لطیفہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ اِس مضمون کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ امر خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ علماء عارفین اور اولیاء کاملین نے جو حقیقتِ محمدیہ کو تمام ذراتِ کائنات میں جاری و ساری بتایا ہے ان کی اصل یہی آیۂ مبارکہ ہے۔"

(تسکین الخواطر از کاظمی صا۱۴)

وحی سے قبل نبوۃ کی تشریح

ہم بار بار اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ نظریہ اصالت[1] کے تحت بریلویت اور اس کے ہم نوا مسالک کا عقیدہ ہے کہ آپؐ کو نبوۃ اُس وقت مل چکی تھی جب کہ حضرت آدم اور اس کائنات کا وجود بھی موجود نہ تھا۔ اور جو نبوت قرآن اور وحی کے ذریعے نازل کی گئی ہے یہ نبوت اجراء قوانین کے لیے ہے نبوت کے نزول اور آغاز کے لیے نہیں ہے یعنی اس نبوت میں آپؐ حقیقۃً نہ وحی کے محتاج اور نہ نزولِ قرآن کے۔ بلکہ جو کچھ اترنا تھا وہ سب کچھ نزول قرآن سے قبل آپؐ پر اتر چکا تھا۔[2]

---

[1] نظریہ اصالت کا مفہوم یہ ہے کہ حضورؐ افضل جمیع مخلوق الٰہی ہیں کہ اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے حضورؐ میں وہ سب کمالات جمع کر دیے گئے۔ اور ان کے علاوہ حضورؐ کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصہ نہیں بلکہ اوروں کو جو کچھ ملا وہ حضورؐ کے طفیل میں بلکہ حضورؐ کے دستِ اقدس سے ملا۔ (بہارِ شریعت از امجد علی ص ۱۳ ج ۱)

[2] یہ نظریہ ابن عربی سے ماخوذ ہے اُس نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید دو مرتبہ اترا ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ کی حقیقتِ محمدیہ پر اترا ہے اور دوسری مرتبہ آپؐ کے جسدِ عنصری پر اترا ہے۔ (الکبریت الاحمر)

اس کے دلائل اب مفتی صاحب کی زبان سے سنیے۔ جناب مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں :۔

ایک شبہ۔ ہماری اس تحریر پر بعض حضرات کی طرف سے ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب رسول بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ لے سکتے ہیں تو پھر ان کے اور رب کے درمیان جبریل کا واسطہ کیوں رکھا گیا اور وحی کا سلسلہ کیوں قائم کیا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلٰى قَلْبِكَ — حضرت جبریل نے یہ قرآن آپ کے دل پر اتارا۔

اِن آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم بلا واسطہ رب سے کچھ نہیں لے سکتے ایسے ہی رسول بلا واسطہ اُس سے نہیں لے سکتے۔ وہ حضرات ایک اور رسول کے حاجت مند ہیں جنھیں شریعت کی زبان میں روح القدس یا جبریل کہتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے حضرت جبریل اور ان کے معاونین فرشتوں کو رسول فرمایا۔

اِس شبہ کا ازالہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وحی کی آمد اور جبریل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنا قانون کے اجراء کے لیے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لیے۔ رب

تعالیٰ نے حضورؐ کو پہلے ہی سب کچھ سکھا پڑھا کر بھیج دیا ہے۔ مگر قوانین الٰہیہ کا بندوں میں اجرا اُس وقت ہوگا جب بذریعہ وحی وہ قانون نازل فرمایا جائے گا۔ اس کے چند دلائل یہ ہیں :۔

ایک یہ کہ رب العالمین نے قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرمائی :۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ قرآن پرہیزگاروں کا ہادی ہے۔

یعنی اے محبوب تمہارا ہادی نہیں۔ تم تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہو۔ کہیں هُدًى لَّكَ نہ فرمایا "کہ یہ قرآن آپ کے لیے ہدایت ہے۔"

دوسرے یہ کہ نزول قرآن کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے چالیس سال بعد شروع ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی صدق و امانت، راست گفتاری و پاکبازی کا مرقع تھی۔ حتیٰ کہ کفار نے آپؐ کو امین و صادق الوعد کا خطاب دے رکھا تھا۔ اگر آپؐ کی ہدایت نزول قرآن پر موقوف ہوتی تو آپؐ کے یہ چالیس سال پہلے احوال کے

مطابق عام اہل عرب کے مطابق گزرتے۔ اور احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس درازمدت میں کفر اور شرک تو کیا کبھی کھیل کود، تماشوں، شراب، جھوٹ وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے۔

تیسرے یہ کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اُس وقت سرکار غارِ حرا میں چھ ماہ سے اعتکاف، نماز سجدہ و رکوع وغیرہ عبادات میں مشغول۔ غور کیجئے کہ اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عبادتیں کس سے سیکھی تھیں۔

چوتھے یہ کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا تحفہ معراج کی رات لامکان میں پہنچ کر عطا ہوا اور معراج کے سویرے فجر کی نماز نہ پڑھائی گئی۔ ظہر کے وقت سے متواتر دو روز تک جبریل امین حاضر ہوتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت کی نماز پڑھاتے رہے تب نمازِ پنجگانہ جاری کی گئی۔ مگر یہ بھی غور کیا کہ معراج کی رات فرش سے عرش پر جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں سارے انبیاء کرام کو نماز پڑھائی اس طرح آپؐ امام ہوئے اور سارے انبیاء مقتدی۔ جن میں بعض مؤذن اور بعض مکبّر بنے۔ غور تو کرو

نماز لینے جا رہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جا رہے ہیں۔

اور کن کو نماز پڑھائی ما و شما کو نہیں بلکہ ان انبیاء کرام کو جو اپنی امتوں کو نماز پڑھاتے، بتاتے، سکھاتے رہے۔ اور یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہوتا ہے جو تمام مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہوتا ہے

پانچویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بواسطہ جبریل علیہ السلام نہ ہوتی تھی، وحی کا بیشتر حصہ وہ ہے جو بلا واسطہ جبریل حضور پر القاء ہوتا تھا۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

"ہمارے محبوب اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سب وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے"۔ اور ظاہر ہے کہ ہر کلام پر جبریل امین وحی لے کر نہ آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔

"پھر ہمارے محبوب قریب سے قریب تر ہوئے چنانچہ

دو کمانوں میں ہو گئے۔ پھر رب نے اپنے بندے کو جو وحی کی
سو کی۔"

ظاہر بات ہے کہ اس قرب خاص کے وقت جو وحی خاص کی گئی
وہاں جبریل امین کا گمان و خیال بھی نہ پہنچ سکا۔ ؎

غنچے مَآ اَوْحٰی کے وہ چٹکے دَنیٰ کے باغ سے
بلبلِ سدرہ تک ان کی بُو سے محرم نہیں

بہر حال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ رب العالمین اور محبوب کے درمیان
جناب جبریل کی آمد و رفت اور وحی کا سلسلہ اجراء قوانین
کے لیے ہے نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محض علم کے لیے۔ ورنہ
پھر جیسے ہم حضورؐ کے امتی ہیں حضور جبریل امین کے امتی
ہوئے اور جیسے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں
حضورؐ جبریل امین کا کلمہ پڑھتے۔"

(رسائل نعیمیہ صـ۲۵۳)

مقامِ نبوۃ اور اکابر علماءِ دیوبند

اکابر کی اغلاط کا تحفظ

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں :۔

" میرا عقیدہ اکابر دیوبند اعلی اللہ مراتبہم کے متعلق یہ ہے کہ وہ جہابذۂ علوم ہیں۔ ان کے کلام میں غلطی تو ہو سکتی ہے مگر ان کی غلطی پکڑنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اگر ان کے کلام کو صرف الفاظ میں لکھ کر کوئی شخص مفتی سے فتویٰ لے لے تو مفتی صرف ظاہر الفاظ پر حکم لگائے گا۔ مفتی کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ ہر کلام کی تحقیق کرتا پھرے کہ یہ کس کا کلام ہے۔ البتہ جب یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ کلام اتنے بڑے شخص کا ہے تو مفتی کے ذمہ یہ بہت ضروری ہے کہ وہ صاحبِ کلام کا حال معلوم کر کے ضرور تاویل کرے۔"

(اکابر علماء دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں ص۱۸)

اس کتاب میں مقامِ نبوت کے بارے میں ہم نے دلائل کے ساتھ اکابرِ دیوبند کا عقیدہ واضح کر دیا ہے۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مفتی صاحبان ان کے

کلام میں کس طرح تاویل کرنا چاہتے ہیں۔[ل]

اکابر علماء دیوبند کا اغلاط سے رجوع کرنا

اکابر علماء دیوبند نے مقامِ نبوت کی تعبیر کو جس طرح اپنے عقائد میں بیان کیا ہے، اس تعبیر کا بنیادی ماخذ حقیقت محمدیہ کا وہی نظریہ ہے جسے وحدۃ الوجود اور فلسفۂ لولاک سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں ہم کچھ عبارتیں نقل کر رہے ہیں، تاکہ اس نظریے کی تفہیم میں مزید اضافہ ہو سکے۔ ساتھ ہی ہم ان اہل علم سے جو علماء دیوبند کے مسلک کے ساتھ وابستہ ہیں، دوبارہ درخواست کرتے ہیں کہ جس بنیادی ماخذ پر ہم نے علمی گرفت کی ہے اگر ہماری

[ل] ہم پہلے ایسی تحریروں کو جمع کر کے ملک کے بڑے بڑے علماء کی خدمت میں بھیج چکے ہیں اور ان کی خدمت میں درخواست کی ہے کہ ایسی تحریروں میں آپ کے نزدیک جونسی تاویل ہو سکتی ہے اسے واضح کر دیں تاکہ ملت اسلامیہ کی اکثریت ایسے فاسد عقائد سے محفوظ رہ سکے اور جو حضرات ایسی تحریروں کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہیں انھیں علمی اطمینان حاصل ہو سکے۔ لیکن ابھی تک کسی صاحب نے ہماری اس درخواست کا جواب نہیں دیا بلکہ اُلٹا ہماری تشنیع اور تکفیر کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔ ؎

فقیہِ شہر کو جب کوئی مشغلہ نہ ملے
تو نیک بخت گلے میرے آن پڑتا ہے

اِس تحریر میں آپ کو کہیں علمی لغزش محسوس ہو تو تحریر کے ذریعے ہمیں ضرور آگاہ کریں تاکہ ہم اپنی غلطی کا ازالہ کر لیں اگر ہماری گرفت واقعی حقائق کی صحیح ترجمانی کر رہی ہے۔ یہ بات چونکہ عقائد سے تعلق رکھتی ہے اس لیے آپ حضرات پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ایسے عقائد سے رجوع کر کے ملت اسلامیہ کی اکثریت کو اُخروی گرفت سے بچا لیں۔ اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں:۔

مولوی احمد رضا خان کی تکفیر کے بعد محدث خلیل احمد سہارن پوری نے اس کے جواب میں اکابر علماء دیوبند کے جو متفقہ عقائد مرتب کیے تھے، جس کا نام المہنّد علی المفنّد ہے اور جس پر تمام اکابر علماء دیوبند نے متفقہ طور پر تصدیق کی تھی، اس کی تمہید میں یہ واضح طور پر درج کیا تھا:۔

فلو ادعی احد من العلماء انا غلطنا فی حکم فان کان من الاعتقادیات فعلیہ ان یثبت بنص من ائمۃ الکلام وان کان من الفرعیات فیلزم ان یبنی بنیانہ علی القول الراجح من ائمۃ المذاہب فاذا فعل ذلک فلا یکون منا ان شاء اللہ تعالیٰ الا الحسنی لقبول بالقلب واللسان وزیادۃ الشکر بالجنان وارکان۔ (المہند علی المفند ص۳۱)

"پس اگر کوئی عالم ثابت کرے کہ ہم نے کسی شرعی حکم میں غلطی کی ہو اگر وہ غلطی عقائد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو اس عالم پر لازم ہے کہ ائمہ کلام کی تصریح سے اپنا دعوٰے ثابت کرے۔ اگر وہ مسئلہ فروعات سے تعلق رکھتا ہے تو ائمہ مذاہب کے راجح قول کے ساتھ اپنے دعوے کی بنیاد

ثابت کرے۔ جب ان میں سے کسی غلطی کو بھی وہ دلائل کے ساتھ ثابت کرے گا تو ان شاء اللہ ہماری طرف سے خوبی ہی ظاہر ہوگی یعنی دل اور زبان کے ساتھ اپنی غلطی قبول کریں گے اور ساتھ ہی قلب و اعضاء کے ساتھ اس کا شکریہ بھی ادا کریں گے۔"

ہر وہ عالم جو مسلکِ علماء دیوبند کے ساتھ وابستہ ہے اس تحریر کے بعد اس پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ جن عقائد پر دلائل کے ساتھ جراحت کی گئی ہے اپنے اکابر کے فرمان کے مطابق ایسے مجروح عقائد سے واضح طور پر رجوع کریں۔ اور اگر ہماری جراحت پر کوئی علمی خامی محسوس ہوتی ہو تو حقائق علمیہ کے ساتھ اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ان دونوں باتوں میں سے اگر کسی بات کو بھی آپ اختیار نہ کریں گے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نہ اپنے اکابر کے فرمان کا احترام کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی آپ لوگ حق بات کو قبول کرنا چاہتے ہیں۔

دیوبندی مسلک کا مفہوم

محدث خلیل احمد سہارن پوری المہند علی المفند کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

" ہمارے مشائخ اور ہماری ساری جماعت فروعات میں امام اعظمؒ کی مقلد ہے۔ اصول اور عقائد میں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کی متبع ہے۔ اور سلاسلِ صوفیہ میں نقشبندیہ چشتیہ

قادریہ اور سہروردیہ کے ساتھ ہمیں انتساب حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم دین کے بارے میں ایسی کوئی بات بھی نہیں کہتے جس پر قرآن وسنت کی دلیل موجود نہ ہو۔ یا اس پر اجماع امت یا کسی امام کا قول ثابت نہ ہو۔ بایں ہمہ ہم دعویٰ نہیں کرتے کہ قلم اور زبان کی لغزش سے ہم بالکل مبرا ہیں۔ اگر ہم پر یہ ظاہر ہو جائے کہ ہم عقائد میں یا فروع میں کوئی غلطی کر رہے ہیں تو اپنی غلطی سے رجوع کر لینے میں ہم کو حیا مانع نہیں ہوتی۔ ہم صریحاً اس غلطی سے رجوع کا اعلان کر دیتے ہیں۔"

(المہند علی المفند ص۲۹)

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ عقائد کے بارے میں جہاں صریح غلطی پائی جاتی ہو اس سے فوراً رجوع کر لینا چاہیے۔ مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں :-

" اکابر دیوبند کا مسلک وہی رہا جو حضرت مجددؒ الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا تھا۔ حدیث کے بعد فقہ و اجتہاد کی اہمیت کے پیش نظر امام اعظمؒ کو امام تسلیم کر لیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ ارباب قلوب کے علوم تصوف کا صحیح امتزاج کر لیا جائے اور ایک طرف امام ابن تیمیہؒ کی جلالت قدر کا اعتراف ہو تو دوسری طرف شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے کمالات کا اعتراف ہو۔"

(مسلک علماء دیوبند ص۵)

محدث سہارن پوری کی تحریر کی تلخیص یہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند فروعات میں امام اعظمؒ کے مقلد ہیں اور عقائد میں اشعری اور ماتریدی کے متبع ہیں اور سلاسلِ تصوف میں صوفیہ کے سلاسلِ اربعہ کے ساتھ وابستہ ہیں اور اور دین میں وہی بات کہتے ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہو۔ اگر عقائد و فروع میں کہیں غلطی ہو جائے تو اس سے فوراً رجوع کر لیتے ہیں۔ مولانا بنوری نے اس کے ساتھ دوسرا اضافہ اس طرح کیا ہے کہ اکابر دیوبند کا مسلک وہی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبد العزیز دہلوی کا ہے۔ اور اعتدال کی راہ ایسی ہو کہ ایک طرف تو ابن تیمیہ کی جلالت قدر کا اعتراف ہو تو دوسری طرف ابن عربی کے کمالات کا اعتراف ہو۔ یہاں بنوری صاحب نے اجتماع الضدین کی منطق اختیار کی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ابن عربی نظریۂ وحدۃ الوجود کا زبردست داعی ہے اور ابن تیمیہ اس نظرئیے کی وجہ سے ابن عربی کو صاف کافر کہتے ہیں۔ دوسرے ابن تیمیہ ذات نبویہ کے توسل کو ناجائز قرار دیتے اور اکابر دیوبند توسل کو اپنے عقائد میں ضروری شمار کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن تیمیہ کے نظریات کو مسلک علماء دیوبند میں شامل کرنا ایک غیر مناسب بات معلوم ہوتی ہے۔ ہاں اس مسلک میں ابن عربی کو شامل کرنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ صوفیہ سلاسل کے اکثر مشائخ وحدۃ الوجودی تھے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز دہلوی بھی نظریۂ وحدۃ الوجود کے

زبردست حامی تھے اور حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ وحدۃ الشہود ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کا بالکل مخالف نہیں ہے بلکہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک ایک تعبیر کے دو عنوان ہیں، ان میں صرف لفظی اصطلاحوں کا فرق ہے لیکن بنیادی تفہیم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے اپنی کتاب دفع الباطل میں تصریح کی ہے کہ نظریہ وحدۃ الوجود کے بغیر مدارجِ ایمانیہ کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب جو سارے اکابر دیوبند کے شیخ ہیں نظریہ وحدۃ الوجود کے اعتقاداً اور حالاً داعی ہیں۔

قاری محمد طیب صاحب مسلک علماء دیوبند کے اجزاء کو اس طرح جمع کر کے بیان کرتے ہیں:۔

"نقل و عقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتب فکر علماء دیوبند کو حکمتِ ولی اللٰہی سے ملا۔ اصول دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھلانے کا فکر انھیں حکمتِ قاسمیہ سے ملا۔ فروعِ دین میں رسوخ و استحکام پیدا کرنے کا جذبہ انھیں حضرت گنگوہی کی حکمتِ عملی سے ملا۔ سلوک میں عاشقانہ جذبات و اخلاق کا والہانہ جوش و خروش انہیں حضرت حاجی امداد اللہ سے ملا۔ تصوف کے ساتھ اتباع سنت کا شوق انھیں حضرت مجدد الف ثانی اور سید احمد شہید بریلوی سے ملا۔ حدیث کے ساتھ فقہ فی الدین کی نسبت اور استناد انھیں حضرت شاہ عبد الغنی نقشبندی سے ملا، اور دین و سیاست کا علمی و عملی

امتزاج انھیں خاندانِ ولی اللہ کے مجاہدین سے ملا۔ اس طرح اس مسلک میں یہ سارے عناصر بیک وقت جمع ہو گئے۔"

(مسلک علماء دیوبند ص۹۲)

قاری محمد طیب صاحب اسی کتاب کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

"حضرت نانوتوی نے حکمتِ شرائع پر قلم اٹھایا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ نے حکمت تشریع پر۔ اس لیے اسلام کا اجتماعی فکر تو علماء دیوبند کو حضرت شاہ ولی اللہ سے پہنچا اور کلامی فکر اور عقل و نقل کی آمیزش سے ایک جدید علم کلام کا ذوق انہیں بانی دار العلوم حضرت نانوتوی سے ملا جس سے مسلک میں جامعیت اور اجتماعیت کا پیدا ہو جانا قدرتی تھا۔" (ص۶۵)

قاری صاحب اس تحریر میں سابقہ اجزاء کی تلخیص کو صرف شاہ ولی اللہ اور حضرت نانوتوی کے نظریات میں جمع کر رہے ہیں۔ اب اس آخری تحریر میں مسلک علماء دیوبند کا لب لباب بیان کرتے ہیں:۔

"اس جامع اور معتدل مسلک کا اصطلاحی الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ علماء دیوبند دیناً مسلم ہیں، فرقہ کے لحاظ سے اہلِ سنت و الجماعت ہیں۔ مذہباً حنفی ہیں۔ مشرباً صوفی ہیں۔ کلاماً ماتریدی ہیں۔ سلوکاً چشتی ہیں بلکہ جامع سلاسل ہیں۔ فکراً ولی اللہی ہیں۔ اصولاً قاسمی ہیں۔ فروعاً گنگوہی ہیں اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔"

(مسلک علماء دیوبند ص۷۷)

قاری صاحب کے اس لب لباب کا آخری لب لباب ان دو جملوں میں بند ہے کہ علماء دیوبند اصولاً قاسمی ہیں اور فروعاً گنگوہی ہیں۔

حضرت محمد انور شاہ کشمیری کے بیان میں علماء دیوبند کے مسلک کو جس طرح واضح کیا گیا ہے اس کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

مولانا محمد انور لائل پوری لکھتے ہیں:۔

"سنہ ۱۳۳۰ھ میں جب علامہ رشید رضا مصری دار العلوم دیوبند میں تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند کے حکم سے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے عربی زبان میں ایک مبسوط تقریر فرمائی تھی، اس میں فرمایا تھا:۔

ہم نے عقائد میں تو امام تسلیم کیا ہے حضرت مولانا نانوتوی کو اور فروع میں امام تسلیم کیا ہے مولانا رشید احمد گنگوہی کو اور دونوں سے ہم کو صاف اور مبیض علم ملا۔ تو اب معلوم ہوا کہ دیوبندیت منحصر ہے ان دونوں بزرگوں کے اتباع میں، اب ایک کے تو اتباع کا دعویٰ کرنا اور ایک میں نقائص نکالنا یہ کوئی دیوبندیت نہیں۔"

(خلاصہ عقائد علماء دیوبند ص ۱۷۹)

اور یہی بات قاری طیب صاحب لکھ رہے ہیں کہ علماء دیوبند اصولاً نانوتوی ہیں اور فروعاً گنگوہی ہیں۔ ان دونوں حضرات کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ دیوبندیت کے عقائد کا آخری کنارہ نانوتوی صاحب کے نظریات پر موقوف ہے۔ باقی رہا محدث سہارن پوری اور قاری طیب کا یہ لکھنا کہ ہم

عقائد میں ماتریدی ہیں، یہ اس لیے ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی حنفی مذہب کے لوگ رہتے ہیں وہ عقائد کے لحاظ سے ماتریدی کہلاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں تمام بریلوی حنفی مسلک کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہ بھی اپنے مدارس میں وہی شرح عقائد پڑھاتے ہیں جو دیوبندی مسلک کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے لیکن بریلویت ماتریدی عقیدے کی وجہ سے مشہور نہیں ہے بلکہ ان نظریات کی وجہ سے ہے جنھیں مولوی احمد رضا بریلوی نے اپنے مخصوص فلسفے میں مدوّن کیا ہے۔ اسی طرح دیوبندیت بھی ماتریدی عقیدے کی وجہ سے شہرت نہیں رکھتی بلکہ اس مخصوص نظریات کی وجہ سے ہے جسے جناب نانوتوی صاحب نے اپنی مخصوص کتابوں میں ظاہر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب محمد انور شاہ کشمیری واضح الفاظ میں تسلیم کر رہے ہیں کہ ہم عقائد میں حضرت نانوتوی کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ اور قاری طیب صاحب فرما رہے ہیں کہ اکابر دیوبند اصول میں نانوتوی ہیں اور فروعاً گنگوہی ہیں۔ نانوتوی صاحب عقائد میں جن نظریات کی وجہ سے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں :-

۱- آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء کی نبوت بالعرض۔

۲- ذات نبویہ کی حیات، موت کے وقت زائل نہیں ہو سکتی۔ آپؐ کی موت ساتر حیات ہے زائل حیات نہیں ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان دونوں نظریات کی وضاحت نانوتوی صاحب کی اپنی اصل تحریروں کی روشنی میں کی جائے اور ساتھ ہی ان نظریات کے اصل

ماخذ کی بھی نشان دہی کر دی جائے تاکہ اربابِ علم پر واضح ہو سکے کہ نانوتوی صاحب کے ان نظریات کا اصل مفہوم کیا ہے۔ جناب نانوتوی صاحب اپنی مشہور کتاب آبِ حیات میں تحریر کرتے ہیں :۔

”واسطہ فی العروض ہونے کی پوری پوری صفت تو خداوند کریم ہی میں ہے اس وجہ سے اسے مالکِ حقیقی سمجھنا چاہیے۔ دوسرے رتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت سمجھیے کیونکہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لیے ہیں۔ چنانچہ آپؐ کے لیے مقام وسیلہ کا ملنا بھی عقل کے نزدیک اسی طرف مشیر ہے۔ اور یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ عجب نہیں جو روایت لولاک لما خلقت الافلاک صحیح ہو کیونکہ اس کا مضمون صحیح ہی معلوم ہوتا ہے۔“ (آبِ حیات ص۱۸۶)

نانوتوی صاحب کی یہ عبارت تو کجا بلکہ ساری کتاب ہی دقیق ہے۔ آپ صرف اس عبارت کو دیکھیں جس کی آسان تلخیص یہ ہے کہ محققین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تمام کائنات کے فیوضات کا وسیلہ اور تمام عروض کا واسطہ ہیں۔ اس کا ماخذ لولاک کی حدیث ہے۔ کیونکہ اس میں چونکہ ذاتِ نبویہ کو کائنات کی علتِ غائیہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اس حدیث کا مفہوم صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نانوتوی صاحب جس نظریہ کے تحت ذاتِ نبویہ کو فیوضاتِ الٰہیہ کا واسطہ بنا رہے ہیں اس کا ماخذ لولاک کی حدیث ہے۔ جو محدثین کے نزدیک بالاتفاق موضوع ہے۔

علماء دیوبند جناب نانوتوی صاحب کو عقائد میں چونکہ اپنا امام تسلیم کر رہے ہیں
اس لیے مدنی صاحب الشہاب الثاقب میں لکھ رہے ہیں :-

"کہ ہمارے تمام اکابر کا عقیدہ ہے کہ ذاتِ نبویہ ازل سے ابد تک واسطہ فیوضات الٰہیہ ہیں۔ اور اسی واسطے کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے۔"

اور نانوتوی کا یہ شعر بھی اسی نظریئے کی ترجمانی کر رہا ہے ؎

جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود
بجا ہے تم کو اگر کہیے مبدء الآثار

(الشہاب الثاقب ص ۲۲۶)

آپؐ کی ذات چونکہ مبدأ الآثار (مصدر کائنات) ہے اس لیے کائنات کی ہر چیز جو عدم سے باہر آئی ہے اس کا حقیقی باعث آپؐ کی ذات ہے اور حقیقۃ محمدیہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

کائنات کی علت غائیہ کے تحت نانوتوی صاحب ذات نبویہ کا اسم مبارک بھی اسی لقب سے موسوم کر رہے ہیں :-

" اور رُوح پاک حضرت لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اگر قیوم[1] ارواحِ

---

[1] قیوم ارواحِ مؤمنین کا مفہوم حقیقت محمدیہ ہے کیونکہ تدبیر کائنات میں وہی واحد واسطہ ہے۔ دوسرے یہ بھی یاد رہے کہ خدا کے سوا قیوم کا اسم استعمال کرنا یہ اکابر نقشبندیہ سے ماخوذ ہے۔ اور اس قیومیت کا مفہوم بھی حقیقۃ محمدیہ ہے۔

مؤمنین ہے تو باعتبار جہتِ وجود قیوم ہے۔ دونوں جہتوں کے اعتبار سے قیوم نہیں ہے۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

" اور روح مقدس حضرت لولاک صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت فرق ہے۔ ذاتِ خداوندی قیوم جہتین سے ہے اور روح پاک نبوی قیوم جہت واحدہ ہے" (آب حیات ص۱۱۱)

" بشہادت جملہ خاتم النبیین تمام زمینوں میں ہمارے ہی نبی پاک شاہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوگی اور وہاں کے انبیاء آپ ہی کے دریوزہ گر ہوں گے۔" (تحذیر الناس ص۲۵)

آپ ان عبارتوں کے سیاق وسباق پر پریشان نہ ہوں، آپ صرف یہ دیکھیں کہ جناب نانوتوی صاحب ذات نبویہ کو حضرت لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کیوں لکھ رہے ہیں۔ مقامِ رسالت کی وجہ سے انبیاء کے القاب چونکہ توقیفی ہوتے ہیں۔ اس لیے ذات نبویہ پر ایسے اسماء کا اطلاق قطعاً درست نہیں ہے۔ حضرت لولاک کا مفہوم وہی ہے جو عیسائیوں کے نزدیک کلمۃ اللہ کا مفہوم ہے۔ اور ابن عربی اسے حقیقت محمدیہ اور عقلِ اوّل کے ساتھ موسوم کرتا ہے۔ اور عبدالکریم جیلی جو فلسفہ ابن عربی کا شارح ہے وہ اپنی اصطلاح میں اسے انسانِ کامل کہتا ہے۔ روافض اور صوفیہ اسے عالمِ صغیر کہتے ہیں اور احمد رضا بریلوی اسے خلیفۃ اللہ الاعظم[1] کے لقب کے ساتھ استعمال

---

[1] امام ماوردی نے احکام السلطانیہ میں واضح کیا ہے کہ کسی کو خدا کا خلیفہ کہنا کفر کے مترادف ہے۔

کرتا ہے۔ جناب بریلوی نے یہ نظریہ ابن حجر مکی اور دوسرے وجودی علماء سے ماخوذ کیا ہے۔

روح نبویہ کا مربی خدا کا اسم علیم ہے اور نبوۃ بالذات کا فلسفہ[1]

کائنات میں تکوینی تصرف کے واسطے میں مشرکین کے دو تصور پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ اپنے الوہی اختیار کسی کو تفویض کر دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ خدا کی کوئی صفت کسی مظہر میں متشکل ہو کر خود تصرف کرتی ہے۔ عیسائیت کا یہی عقیدہ ہے کہ خدا کی صفت کلام متجسد ہو کر حضرت عیسیٰؑ کے روپ میں تصرف کرتی ہے۔ اور پہلا نظریہ صابئہ کے قدیم فرقے نے اختراع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا اور کائنات کے درمیان روحانیات کا واسطہ ہے۔ خدا نے اپنے اختیارات ان روحانیات کو

---

[1] اسم علیم روح نبوی کا مربی ہے۔ یہ بحث نظریہ وحدۃ الوجود کے تنزلات ستہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ نانوتوی صاحب چونکہ ابن عربی کے نظریہ وجودی کے حامل تھے اس لیے وہ ان کی خفیہ تعبیروں کو اپنے نظریے کی بنیاد بنا رہے ہیں۔

تفویض کر دیے ہیں۔ یہ روحانیات شمس وکواکب کے مظاہر میں ظاہر ہو کر کائنات کا تکوینی نظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ جس ستارے کو جو کام سپرد کیا گیا ہے اس ستارے کو اس کا رب النوع کہتے ہیں۔ مقدس ہستیوں کو جو خدا کی ذات وصفات کا مظہر کہا جاتا ہے اس نظریے کا ماخذ بھی یہی نظریہ ہے۔ ان دونوں نظریوں کا خلاصہ یہی ہے کہ یا تو خدا کی کسی صفت کو متجسد کر لیا جاتا ہے یا خدا کی کسی صفت کا کسی وجود کو مظہر بنا لیا جاتا ہے اور اس کے تصرف کو مظہر عون الٰہی کا لقب دے دیتے ہیں۔ جناب نانوتوی صاحب نبوت بالذات ثابت کرنے کے لیے چونکہ نبوت کی ذاتی نوع کو ذات نبویہ پر ختم کرنا چاہتے ہیں اس لیے وہ اپنے اس فلسفے کا ماخذ ابن عربی کے مخصوص نظریے کو ٹھیراتے ہیں اور اس کی تائید کے لیے قرآن و حدیث سے بھی کچھ شواہد پیش کرتے ہیں۔ اب ہم ان کی دوسری اصل عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ جناب نانوتوی صاحب اپنی مشہور کتاب آب حیات میں نبوت بالذات والعرض کی اس طرح تصریح کرتے ہیں :۔

"اب سنیے! وصف نبوت میں بھی یہی تقسیم ہے۔ کہیں نبوۃ ذاتی ہے اور کہیں عرضی ہے۔ سو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو ذاتی ہے اور سوا آپ کے اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت عرضی ہے۔ دلیل نقلی تو اس کے لیے آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین ہے۔ اس لیے کہ سب کی نبوت اگر اصلی ہے تو پھر سب متساوی الاقدام ہیں اِس صورت میں مقتضائے حکمت

حکیم مطلق یہ ہوناتھا کہ کوئی کسی کا تابع اور مقتدی نہ ہوتا۔ اور اقتدار و اتباع کو لازم ہے کہ مقتدی فاعل اور مقتدیٰ مفعول سے درجہ سافل میں ہو اور اتصاف ذاتی اس بات کو مقتضی ہے کہ سب ایک درجہ میں ہوں"۔ (آب حیات ص۲۵۲)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

" ویتم نعمتہ علیک تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اسم علیم مربیٔ روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو اس لیے کہ سورہ فتح میں اتمام نعمت خاص آپؐ کے لیے ہے اور سورہ مائدہ میں واتممت علیکم نعمتی اگرچہ خطاب عام ہے مگر مقصود بالذات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سب آپؐ کے طفیلی ہیں اور آپؐ امام ہیں"۔
(آب حیات ص۱۵۳)

ایک دوسرے مقام پر اس طرح تصریح کرتے ہیں :۔

" اب یہ گزارش ہے کہ حدیث علمت علم الاوّلین والآخرین اگر ذوق فہم ہو تو دو باتوں پر دلالت کرتی ہے ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع علوم سابقہ و لاحقہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ پہلے اور کوئی نبی جامع جمیع علوم مذکورہ نہیں"۔ (آب حیات ص۱۵۳)

اسم علیم مربی روح محمدی کی دوسری تشریح اس طرح کرتے ہیں:۔

(۱) اور یہ بات جب ہی متصور ہے کہ اسم علیم مربیٔ روح پُر فتوح حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہو کیونکہ اگر سمیع یا بصیر

اسمارِ علیہ میں ہے مربی روح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو علوم باقیہ سے آپ محروم رہتے اور اتمامِ نعمت نہ ہوتا ہاں اسم علیم جمیع اسمارِ علیہ کو مشتمل اور محیط ہے۔" (آب حیات ص۱۵۴)

ایک مقام پر اس طرح لکھتے ہیں :۔

" اور ان سب کے بعد حدیث بعثت لاتمم مکارم الاخلاق اور حدیث ختم بی النبیون وختم بی الرسل مضامین مسطورۂ بالا کی مصدق ہے پر شرط یہ ہے کہ فہم سلیم اور ذہن مستقیم چاہیے بالجملہ آیات مذکورہ کو باہم ملائیے تو یہ بات خود بخود ٹپکتی ہے کہ مربی و استاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اسم علیم ہے جو جمیع علوم کو محتوی اور مشتمل ہے اور مربی و استاد انبیاء گزشتہ اور اسماء علی ہیں جو بہ نسبت اسم علیم خاص ہیں۔"

(آب حیات ص۱۵۴)

کتاب ہذا کے ص۱۵۵ ، ص۱۵۶ میں فانوس زجاجی اور شمع کافوری کی جو مثال درج ہے اس میں اس نظریے کی اچھی طرح تشریح ہو جاتی ہے ۔ اس کے ساتھ دوسری مثال فاعل مطلق اور قابل مطلق ، فاعل خاص اور قابل خاص کی مثال بھی درج ہے۔ ان دونوں مثالوں سے نبوت بالذات اور واسطہ فیوضات الہیہ کی پوری تفہیم ہو جاتی ہے ۔ اہل علم اصل کتاب کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں نانوتوی صاحب اپنی کتاب تحذیر الناس میں مربی روح نبوی کے فلسفے اور ماخذ کی اس طرح تشریح کرتے ہیں :۔

" جب نبوت کمالاتِ علمی سے ہوئی اور دربارہ علم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم موصوف بالذات ہوئے تو در بارۂ نبوت بھی آپ موصوف بالذات ہوں گے اور آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم میں جو لفظ مصدق لما معکم ہے تو اس سے بعد لحاظ اس بات کے یہ خطاب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ہے اور کلمہ ما اس جگہ عام ہے کہ تمام علوم اور کتب کو شامل ہے اور یہ بات اور بھی موجہ ہو جاتی ہے کہ نبوت کمالات علمی سے ہے اور آپ جامع العلوم ہیں اور باقی انبیاء جامع نہیں ہیں۔ غرض جو بات حدیث علمت علم الاولین والآخرین سے ثابت ہوئی تھی مع شئے زائد آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔ سو ایک تو یہی بات ہے کہ نبوت کا کمال علمی میں سے ہونا اس سے ظاہر ہے کیونکہ رسول کی صفت میں یہ فرمانا کہ مصدق لما معکم ہو لاجرم من جملہ کمالات علمی ہے۔ کیونکہ تصدیق علم ہی سے متصور ہو سکتی ہے۔ یہ اس جانب مشیر ہے کہ اس رسول کا علم ایسا عام ہوگا۔ پھر بایں ہمہ لفظ رسول ہے بایں نظر کہ زبانِ عربی میں پیغمبر (پیغام بر) کو کہتے ہیں کہ پیغام منجملہ اوامر و نواہی ہوتا ہے جو بے شک از قسم علوم ہے اس پر دال ہے اور عہد[1] کا لینا آپ کا نبی الانبیاء ہونا ثابت ہے۔ علاوہ بریں حدیث کنت نبیا[2] و آدم بین الماء والطین بھی اس جانب مشیر ہے

---

[1] نبی الانبیاء کا ماخذ عہد انبیاء ہے۔ [2] فصوص الحکم ص ۶۵ میں ہے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

کیونکہ فرق قدم نبوت اور حدوث نبوت باوجود اتحاد نوعی خوب جب ہی چسپاں ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ یہ وصف ذاتی ہو اور دوسری جگہ عرضی اور فرق قدم وحدوث اور دوام وعروض فہم تو اس حدیث سے ظاہر ہے ہر کوئی سمجھتا ہے اگر نبوت کا ایسا قدیم ہونا کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا تو آپ مقام اختصاص میں (یعنی کنت نبیا) یوں نہ فرماتے۔

علاوہ بریں حضرات صوفیہ کرام کی یہ تحقیق کہ مربی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تعین اول صفتِ[1] علم ہے اور بھی اس کی مؤید ہے۔"

(تحذیر الناس ص۶)

یہ مقالہ ہم چونکہ اہل علم کے لیے لکھ رہے ہیں اس لیے جناب نانوتوی صاحب کی عسیر الفہم عبارتوں کی مکمل تشریح یہاں بیان نہیں ہوسکتی۔ ہم صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جناب نانوتوی صاحب کا یہ فلسفہ جس میں آپ ذات نبویہ کی نبوت بالذات اور دوسرے انبیاء کی نبوت بالعرض

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کنت نبیا کا مفہوم یہ ہے کہ آپ عالم ارواح میں حقیقی نبی تھے۔

[1] حق تعالیٰ نے غیب ہویت سے تعین اول یعنی وحدت میں اپنے پر اپنی تجلی فرمائی یہ علم ہے۔ سر دلبراں ص۳۴۹ قرآن وتصوف از میر ولی الدین صاحب ص۔ تعلیمات غوثیہ وغیرہ میں تعین اول کی بحث موجود ہے اور یہ بحث وحدۃ الوجود سے تعلق رکھتی ہے

ثابت کرنا چاہتے ہیں اس فلسفے کا ماخذ کیا ہے اور اس نظریئے کی تائید میں جن آیات اور احادیث کو بطور شواہد و دلائل پیش کیا گیا ہے ان سے ایسے نظریئے کا استخراج کرنا کس قدر کمزور معلوم ہوتا ہے۔ اب نانوتوی صاحب کی درج بالا عبارتوں میں جہاں جہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ "اسم علیم مربی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے" اس جملے کے سیاق و سباق کی عبارتوں کو پڑھیں کہ وہ کس طرح اس بات کو بعض آیات اور حدیث سے مؤید کر رہے ہیں اس سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہی بات ان آیات اور حدیث میں صاف صاف موجود ہے۔ لیکن تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ "علاوہ بریں حضرات صوفیہ کی یہ تحقیق کہ مربی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تعین اول صفت علم ہے اور بھی اس کی مؤید ہے" (تحذیر الناس ص ۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے اسم علیم کو روح محمدی کا مربی بنا کر اس سے آپ کی ذات کو مصدر علم بنانا پھر نبوت کو کمالات علمی کا محور بنا کر اس سے نبوۃ بالذات کا نتیجہ اخذ کرنا اس فلسفے کا تمام تر ماخذ صوفیہ وجودیہ کا نظریہ حقیقۃ محمدیہ ہے جس کا نانوتوی صاحب نے خود اعتراف کر لیا ہے کہ یہ تحقیق حضرات صوفیہ کی ہے۔ باقی رہا اس نظریئے پر بعض آیات اور حدیث کو بطور شواہد پیش کرنا ہم ایسے شواہد کو تحریف کے مترادف سمجھتے ہیں نہ کہ اسے قرآن و حدیث کی صحیح تعبیر۔ آپ صرف لولاک کی موضوع حدیث کو دیکھ لیجیے کہ کس طرح اسے اس نظریئے کا بنیادی محور ٹھیرایا جا رہا ہے حالانکہ جس طرح اس حدیث کے الفاظ موضوع ہیں، اس کا مطلب اس سے

بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ اس حدیث سے آپؐ کی ذات کو علتِ غائیہ ثابت کیا گیا ہے۔ حالانکہ افعالِ الٰہیہ پر تعلیل کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ فعل کی علت اپنے فعل کے استکمال کا موجب ہوتی ہے اور ایسی بات قدرتِ الٰہیہ کی مشیئت کے خلاف[1] ہے۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ جب ہم تخلیقِ کائنات کے لیے کوئی علتِ غائیہ بنائیں گے تو لازماً اس کے ساتھ کوئی علت مادیہ بھی بنائیں گے یہی وجہ ہے کہ جن جن مذاہب اور ادیان میں تخلیقِ کائنات کے لیے علل تجویز کیے گئے ہیں اُنہیں خدا کے ساتھ روح، مادہ یا کائنات کو بھی قدیم کہنا پڑا ہے۔ اب ہم جناب نانوتوی صاحب کی دوسری عبارتیں نقل کرتے ہیں جن میں نبوۃ بالذات کے نظریے کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے۔ اس میں ہم اہم عبارتوں کے صرف اقتباس درج کریں گے۔ ان عبارتوں کی تفہیم اور ان میں باہمی ربط کے بعد ان سے مطالب کا استخراج کرنا یہ بات ہم اہل علم پر چھوڑتے ہیں کیونکہ اس مقالے کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ اس نظریے کے عواقب سے اہل علم کو آگاہ کیا جائے، تاکہ اس کے مہلک اثرات آنے والی نسلوں میں نہ پھیل سکیں۔

---

[1] شرح مواقف۔ مسایرہ وغیرہ۔

نبوۃ بالذات کے دوسرے شواہد اور ختم نبوۃ کا مفہوم

مولانا نانوتوی صاحب اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں :-

" تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات مکتسب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہے تو لیجیے زمین و کوہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں ہے اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی .... الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے .... سواسی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتؐ کو تصور فرمائیے یعنی آپؐ موصوف بوصفِ

ؒ۱ دیکھیے نانوتوی صاحب ختمِ نبوت کا یہ مفہوم بیان کر رہے ہیں کہ موصوف بوصف نبوت بالذات تو آپؐ ہیں اور باقی تمام انبیاء موصوف بوصفِ نبوت بالعرض ہیں۔ یعنی ان تمام نبیوں کی نبوت آپؐ کا فیض ہے۔ آپؐ پر سلسلہ نبوت مختتم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف بوصف نبوۃ بالذات کا (باقی آگے)

نبوت بالذات ہیں اور سوا آپؐ کے اور نبی موصوف بوصف بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپؐ کا فیض ہے پر آپؐ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں ہے۔ آپؐ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے غرض آپؐ جیسے نبی الامۃ ہیں ویسے نبی الانبیاء بھی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بہ شہادت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین۔ اور انبیاء کرام سے آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کے اقتداء اور اتباع کا عہد لیا گیا۔ ادھر آپؐ کا یہ ارشاد علمت علم الاولین والآخرین بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص وعام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اوّلین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور۔ لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مجتمع ہیں۔ سو جیسے علوم سمع اور ہیں اور علم بصر اور۔ پر باایں ہمہ قوت عاقلہ اور نفس ناطقہ میں یہ سب علوم مجتمع ہیں، ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اطلاق آپؐ کے وجود بشری پر نہیں ہو سکتا لازماً اسے دوسرے وجود پر ماننا پڑے گا جو وجود کہ حضرت آدمؑ سے قبل ہوگا۔ یعنی اس وصف کا اطلاق صرف روح نبوی پر ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس روح کی نبوت کو نبوت بالذات کی وجہ سے حقیقی نبی ماننا پڑے گا۔

۵؎ اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ آپؐ نبی الانبیاء ہیں تحریف معنوی کے مترادف ہے اور نہ اس آیت سے نبوت بالذات کی دلیل کا استخراج ہو سکتا ہے۔

علیہ وسلم اور انبیاء باقی کو سمجھیے۔ پر ظاہر ہو کہ سمع و بصر اگر مدرک و عالم ہیں تو بالعرض، ورنہ مدرک حقیقی اور عالم تحقیقی وہ عقل اور نفس ناطقہ ہی ہے۔ اسی طرح عالم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور باقی انبیاء اور اولیاء اور علماء گزشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں[1]۔"

(تحذیر الناس، ص ۴، ۵)

منکرینِ ختمِ نبوت کا مفہوم

مولانا نانوتوی اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں:۔

" اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے جیسا انبیاء گزشتہ کا وصف نبوت میں آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا۔ اس میں انبیاء گزشتہ ہوں یا کوئی اور۔

---

[1] علمت علم الاولین والآخرین سے یہ کہاں ثابت ہو رہا ہے کہ جو اوّلین اور آخرین کے علوم ہیں ان کے علوم ذاتی نہیں ہیں حالانکہ اولین میں انبیاء کے سارے علوم بھی شامل ہیں۔ کیا ہم ان کے علوم وحی کو ذاتی علوم نہ کہیں گے۔ دوسرے قرآن میں ہے کہ آپ کو بعض نبیوں کا علم نہیں ہے۔ جب ان کے ذاتی وجود کا آپ کو علم نہیں ہے تو ان کے علوم کا آپ کو کیسے علم حاصل ہو جائے گا۔

اور اسی طرح اگر فرض کیجیے آپؐ کے زمانے میں بھی اس زمین پر یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپؐ کا محتاج ہوگا۔" (تحذیر الناس ص۱۲)

دوسری جگہ ہے:-

"غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپؐ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپؐ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپؐ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے[1]۔" (تحذیر الناس ص۱۳)

نبوت کون و مکان کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:-

"تاکہ اشارہ شناسان حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپؐ کی نبوت

---

[1] مرتبی ختم نبوت کے بارے میں جو ان عبارتوں میں تشریح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نبوت ایک جنس ہے جسے آپؐ کی ذات پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اس جنس کے اختتام کا نام ختم نبوت ہے۔ اب جس نبی کو بھی نبوت کا فیض ملے گا آپؐ کی ذات سے ملے گا۔ اس میں زمانی تقدم و تاخر کی شرط نہیں ہے۔ اس صورت میں آپؐ کو نہ صرف انبیاء کے افراد خارجی پر تفوق حاصل ہوگا بلکہ افراد مقدرہ پر بھی آپؐ کو فضیلت حاصل ہوگی۔ آپؐ کی نبوت سے فیض لینے کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے کو سورج کے سامنے کر دیا جائے۔ آئینہ سورج سے روشنی حاصل کر کے دیوار پر روشنی کا عکس ڈالتا ہے۔

کون و مکان زمین و زمان کو شامل[۱] ہے"۔ (تحذیر الناس ص۱۸)

ختم مرتبی کی اہم تشریح اس طرح کرتے ہیں :۔

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے جیسا کہ اس عاجز نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افرادِ خارجی پر آپؐ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپؐ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس ص۲۴)

---

[۱] آپؐ کی نبوت کون و مکان زمین و زمان کو شامل ہے۔ اس میں حقیقتِ محمدیہ کی طرف اشارہ ہے۔ آپؐ سے قبل جتنے رسول گزرے ہیں، ان سب کی نبوت کو بالعرض کے درجے میں داخل کر دیا گیا ہے۔ عرض وہ ہوتا ہے جس کا وجود کسی جوہر کے ساتھ وابستہ ہو، تو اب کون و مکان کا وہی نبی ہوگا جس کی نبوت ذاتی ہو۔ دوسرے جب انبیاء گزشتہ اور افراد مقدرہ نبوۃ کا فیض لینے کے لیے آپؐ کے دریوزہ گر ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی روح پر ہی ذاتی نبوت کا اطلاق ہو سکتا ہے آپؐ کے وجود بشری پر ذاتی نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ قابلِ گرفت یہی بات ہے، اگر اہل علم اس پر ذرا غور فرمالیں۔

دوسرے نبیوں کی نبوت بالعرض کا مفہوم نانوتوی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں :-

" اور انبیاء علیہم السلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے کر اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں غرض بیچ میں واسطہ فیض ہیں مستقل بالذات نہیں۔ مگر یہ بات وہی ہے جو آئینے کی نور افشانی میں ہوتی ہے۔ غرض جیسے آئینہ آفتاب اور اس دھوپ میں واسطہ ہوتا ہے جو اس کے وسیلہ سے ان مواضع میں پیدا ہوتی ہے جو خود مقابل آفتاب نہیں ہوتی پر آئینہ مقابل آفتاب کے مقابل ہوتی ہیں ایسے ہی انبیاء باقی بھی مثل آئینہ بیچ میں واسطہ فیض ہیں۔ غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے کوئی ذاتی کمال نہیں"

(تحذیر الناس ص۲۸)

مرتبہ ختم نبوۃ کی مزید تشریح

مولانا نانوتوی کے زمانے میں مولانا عبدالعزیز صاحب نے مرتبی نبوت کی بحث پر چند اشکال وارد کیے تھے۔ آپ نے ان اشکال کا جو جواب دیا ہے وہ جواب مع اشکال مناظرہ عجیبہ کی کتاب میں درج ہے۔ اس بحث و تمحیص کی وجہ سے مرتبی نبوۃ کے ماخذ کی حقیقت زیادہ واضح ہوگئی ہے۔ لہذا ہم اس کتاب سے چند اقتباس نقل کر رہے ہیں تاکہ مرتبی نبوت کی تفہیم میں مزید

اضافہ ہوسکے ۔

مولانا عبدالعزیز صاحب نے مرتبی اور ذاتی نبوۃ پر جو اہم اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے :۔

"جب کہ موصوف بالذات موقوف الیہ بالعرض ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ مقدم بالذات یا مقدم بالزمان ہو تا تاخر زمانی اس کو کیسے لازم ہے ۔ آپ یہ فرمائیں کہ مقدم بالذات کو کیوں کر تاخر بالزمان لازم ہے ۔" (مناظرہ عجیبہ ص۹)

جناب نانوتوی صاحب اِس اشکال کا اس طرح جواب دیتے ہیں :۔

"مولانا صاحب، حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلّم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ آپؐ اول المخلوقات ہیں علی الاطلاق کہیے یا بالاضافۃ جو جیسے اس تقدیم و تاخر کے اجتماع کا تسلیم کرنا آپ کے ذمہ لازم ہے اسی طرح موصوف بالذات بالنبوۃ کا تقدم اور پھر تاخر دونوں مجتمع ہوسکتے ہیں ۔

اب سُنیے کہ رُوح پرفتوح محمدی جو اصل موصوفؐ نبوت ہے ارواح انبیاء باقیہ کے لیے موقوف علیہ ہے اس وجہ سے آپؐ کو تقدم بالخلق لازم ہوا ۔ مگر روحانی مخلوقیت کو تولد جسمانی لازم نہیں، اور اگر آپ کے نزدیک لازم ہے تو پھر ثابت کیجیے اور اول ماخلق اللہ نوری وغیرہ مضامین کی تغلیط کیجیے" (مناظرہ عجیبہ ص ۹، ۱۰)

مولانا عبدالعزیز کا اعتراض کافی وزنی معلوم ہوتا ہے کہ موصوف بالذات موقوف الیہ بالعرض ہوتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقدم بالذات یا مقدم بالزمان ہو اسے تاخر زمانی لازم نہیں ہوسکتا۔ اب مولانا نانوتوی کا جواب ملاحظہ کیجیے، کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلّم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپؐ اول المخلوقات ہیں۔ دوسرے روح نبوی جو اصل موصوف نبوت ہے تمام انبیاء کی ارواح کی موقوف علیہ ہے اس وجہ سے آپؐ کو تقدم بالخلق لازم ہوا۔ اس جواب میں اب مولانا نانوتوی کا مرکزی فلسفہ سمجھیے جس میں پہلے وہ خود گرفتار تھے اب اپنے جواب میں دوسروں کو بھی گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کرنے والے مولوی عبدالعزیز بھی پہلے اس نظریے میں گرفتار تھے اس لیے انہوں نے نانوتوی صاحب کے اس جواب پر اعتراض نہیں کیا بلکہ دوسرے اشکال پیش کرکے مرتبی نبوۃ کی بنیادی بحث کو الٹا کمزور کر دیا ہے۔ اب ہم اصل بات کو واضح کرتے ہیں:-

خاتمیت زمانی کا سب کے نزدیک مسلم ہونا تو نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ لیکن نانوتوی صاحب کا یہ کہنا کہ "آپؐ اول المخلوقات ہیں یہ یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلم ہے" یہ بات کس نص سے ثابت ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عقیدہ میں آپؐ کی یہ اولیت بھی ختم نبوت کے برابر سمجھی جائے گی۔

اسی طرح اس کا انکار بھی ختم نبوت کے اعتراض کے مترادف ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسے عقیدے کا کوئی بھی قائل نہیں کہ آپ کی اولیت کے عقیدہ کو ختم نبوت کے عقیدے کے برابر سمجھا جائے۔ نانوتوی صاحب دوسرا ثبوت یہ دے رہے ہیں کہ آپ کی روح ارواح انبیاء باقیہ کے لیے موقوف علیہ ہے اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کر رہے ہیں اول ما خلق اللہ نوری والخلق کلھم من نوری۔ ارباب تحقیق جانتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث موضوع ہیں۔ ایسی حدیثوں پر اعتماد کر کے مرتبی نبوت جیسے عقیدے کی بنیاد رکھنا کس قدر ظلم ہے۔ دوسرے اس حدیث کے مفہوم سے آپ کی روح صرف انبیاء کی ارواح کی موقوف علیہ نہیں بن سکتی بلکہ ہر ذی روح کی موقوف علیہ بن جائے گی۔ آپ سیدھی بات کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ذات نبویہ کا وجود ذاتی ہے اور باقی تمام کائنات کا وجود بالعرض۔ کائنات میں چونکہ انبیاء بھی شامل ہیں اس لیے جب ان کا وجود بالعرض ہے تو ان کی نبوت بھی بالعرض بن جائے گی۔ اب جس کا وجود بالذات ہوگا تو اس وجود کے جتنے اعراض ہوں گے لازماً اس وجود کو اپنے اعراض سے تقدم ذاتی حاصل ہوگا۔ یہ وہی خام نظریّہ ہے جس کے تحت ذات نبویہ کو کائنات کی علت غائیہ اور علت مادیہ بنایا گیا ہے اور نبوت بالذات اِس عقیدے کا ایک ادنیٰ جزو ہے۔ اس عقیدے کے تحت نانوتوی صاحب تو ذات نبویہ کے تقدم بالخلق کو ثابت کر رہے ہیں[۹]۔

---

[۹] نانوتوی صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم (باقی آئندہ صفحہ پر)

نانوتوی صاحب اپنے اس نظریئے کی دوسری جگہ مزید تشریح کرتے ہیں:-

"اس بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ اولیت زمانی یا آخریت زمانی بحیثیت جہات مختلفہ خاتمیت مرتبی کے اجزاء ہیں۔ میں اصل کمال معلولات اور مسببات کو گردانتا ہوں اور دوسرے حضرات اس کے برعکس دوسری بات کو لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں میرے نزدیک اولیت شفاعت اولیت مخلوقیت اور خاتمیت کی بنا پر اولیت ذاتی اور خاتمیت مرتبی ہونا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال ذاتی کی وجہ سے ہے۔ اولیت اور آخریت اس کے مقتضیات میں سے ہے۔ آپؐ کی اولیت اور آخریت وجہ کمال اور مقتضاء علت نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ تخم اور جڑ کو بوجہ اولیتِ ذاتی کے اولیتِ زمانی ہوتی ہے کیونکہ اس کا ظہور اس علت اور سبب کی وجہ سے ہوتا ہے اور پھل کا آخر میں ظہور اس کی ذاتی خوبی کی وجہ سے ہوتا ہے اور مقصود ہاتھ آجاتا ہے کہ علت سے انتہا پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس معاملہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ تقدم زمانی سے اصل مقصد ہاتھ آیا۔ ثمر جو کہ مقصود ہے علت غائی تاخرِ زمانی سے حاصل ہوتی ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ کمالِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اول مخلوقات ہیں بدلیل اول ما خلق اللہ نوری اور آخر الانبیاء بدلیل خاتم النبیین۔ (مناظرہ عجیبہ ص۱۲۵)

ذاتی کو اصل قرار دیں یا تأخر زمانی کو کمال کی علت کہیں۔" لہ

(مناظرہ عجیبہ صفحہ ۱۵)

اس تحریر میں جناب نانوتوی صاحب نے اپنے نظریئے کی مکمل تلخیص بیان کر دی ہے۔ لیکن تفہیم و تمحیص کی خاطر ہم آپ کی دوسری عبارتیں بھی

لہ نانوتوی صاحب کی اس تحریر میں پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مصدر کائنات اور علت غائیہ ہے۔ تخم اور جڑ کی مثال وہی ہے جو وجودیہ صوفیہ کی اکثر کتابوں میں موجود ہے۔ علامہ سعید احمد کاظمی بھی ذات نبویہ کو مصدر کائنات ثابت کرنے کے لیے یہی مثال پیش کر رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

"ہمارا مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبدأ کائنات اور منشأ کائنات ہیں، آپؐ اصل ہیں اور ساری کائنات اس اصل کی فرع۔ فرع کہتے ہیں شاخ کو اور اصل کہتے ہیں جڑ کو۔ بتاؤ جس درخت کی جڑ نہ ہو تو اس کی شاخیں باقی رہیں گی۔ میرا ایمان ہے اگر آپؐ کی ذات نہ ہو تو کائنات زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ مر گئے تو ہم کیسے زندہ رہ گئے۔" (ذکر حبیب از کاظمی ص ۱۲)

اگر آپ تدبر کریں تو نانوتوی اور کاظمی فلسفے میں سر مو بھی فرق نہیں پایا جاتا۔ دوسرے نانوتوی صاحب اور کاظمی صاحب جس نظریئے کی وضاحت کر رہے ہیں اسے فلسفہ اصالت کہتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب اس فلسفے کو اچھی طرح سمجھ لیں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات امت مسلمہ کو کس خطرناک وادی میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

نقل کرتے ہیں۔ تاکہ اس نظریے کا بنیادی ماخذ زیادہ اُجاگر ہو جائے۔ نانوتوی صاحب کا عقیدہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات غیر مکتسب من الغیر ہیں۔ اس پر جو اشکال وارد ہوتا تھا آپ اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں:

"اور وہ بالذات وجود ہر بالعرض کے لیے چاہیے۔ یہاں وہ وجود ہے جو ذات بحت سے صادر ہوا ہے اس وجہ سے اس کو لازم ذات خداوندی کہنا ضروری ہے۔ اور اسی وجود کو محققین صوفیہ کرام صادر اول، وجودِ منبسط اور نفس رحمانی کہتے ہیں۔ اس وجود کو تو عین ذات خداوندی کوئی نہیں کہتا۔ اگر بعض اکابر نے اسی کو ذات قرار دیا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ان کا ادراک کسی وجہ سے یہیں منتہی ہو لیا۔

(مناظرہ عجیبہ ص۱۳ و ص۱۴)

ہم نے اس مقالے کے شروع میں لکھ دیا ہے کہ نانوتوی صاحب کے فلسفے کا بنیادی ماخذ ابن عربی کا نظریہ وحدۃ الوجود ہے۔ وحدۃ الوجود کی بنیادی اینٹ، تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ پر رکھی گئی ہے۔ اس حقیقت محمدیہ کو جس کا دوسرا نام تعین اول ہے وجودیہ صوفیہ کے نزدیک اسے متعدد ناموں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ تنزل اول۔ صادر اول۔ جوہر بسیط۔ عقل اول۔ نفس کلیہ وغیرہ۔ یہ سب اسی حقیقت محمدیہ کے اسما ہیں۔ سابقہ اوراق میں نانوتوی صاحب کی عبارتوں میں جہاں یہ آیا ہے کہ اسم علیم روح محمدی کا مربی ہے یہ بات بھی حقیقت محمدیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ وحدۃ الوجود کی بحث چونکہ غیر الفہم ہے

اس لیے ہم اس بحث کو یہاں نہیں چھیڑنا چاہتے۔ اس جگہ صرف اس بات کو واضح کرنا مقصود ہے کہ نانوتوی صاحب کا نظریہ نبوت بالذات ہو یا حیات بالذات اس کا بنیادی ماخذ کیا ہے۔ جناب نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس میں جس بحث کو چھیڑا ہے وہ اصل میں حضرت ابن عباسؓ کے ایک اسرائیلی اثر کا جواب ہے جس میں ہے کہ خدا نے سات زمینیں پیدا کی ہیں۔ جیسے اس زمین میں حضرت آدم اور ابراہیم علیہما السلام وغیرہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں ایسے ہی باقی چھے زمینوں میں بھی ان پیغمبروں کے ہم نام اور ہم مثل پیغمبر پیدا ہوئے ہیں۔ اس اثر کے ظاہری مفہوم سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثلیت اور آپؐ کی ختم نبوت پر حرف آتا تھا، نانوتوی صاحب نے ایسے اشتباہ کو دور کرنے کے لیے بنیادی طور پر نبوۃ بالذات کا فلسفہ اختراع کیا، انھوں نے اس فلسفے کے تحت کافی خام جواب دیے ہیں ان میں سے ایک جواب یہ دے رہے ہیں:۔

"اور جو لوگ اس اثر ابن عباسؓ کے منکر ہوئے اور تغلیط ائمہ حدیث اور تکذیب حضرت ابن عباسؓ بلکہ تکذیب سید الناس صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف نہ کیا یہ بات کوئی نہ سمجھے کہ جیسے عکس آئینہ کو ہو بہو

لے اثر ابن عباسؓ ایک اسرائیلی روایت ہے بڑے بڑے محدثین نے اس اثر کو موضوع کہا ہے لیکن نانوتوی صاحب کا حال دیکھیے کہ اس اثر کا انکار ان کے نزدیک ذات نبویہ کی تکذیب کے مترادف ہے۔

مشابہ اور مماثل ذی عکس سمجھتے ہیں اسی طرح اگر انبیاء خاتمان آراضی سافلہ[1] کو عکس مشابہہ سمجھ لیں تو کلام میں کچھ تجوز نہ آجائے گا اور کسی قسم کی تحریف معنوی یا لفظی نہ ہونے پائے گی بلکہ معنی لفظی مطابق جوں کے توں بنے رہیں گے ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ہونا اور اوروں کا عکس اور ظل ہونا ثابت ہو جائے گا جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت روشن ہو جائے گی اور خلافت مشار الیہ فی آیت انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے تمام شیونِ خداوندی میں مسلّم ہو جائے گی بایں وجہ کہ خلیفہ اور نائب میں وہ بات ہونی چاہیے جو مستخلف اور منیب میں ہو۔ خلافتِ خداوندی کو لازم ہے کہ کمالاتِ خداوندی حصہ رسد بقدر خلافت خلیفہ میں ہوں۔ اس کے

---

[1] خاتمان آراضی سافلہ سے مراد، وہ نبی ہیں جو ان چھے زمینوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نام خاتم الانبیاء کہلاتے ہیں۔ نانوتوی صاحب ایسے نبیوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس یا ظل ثابت کر رہے ہیں۔ گویا وہ عکسی ظلی بروزی نبی ہیں۔ تحذیر الناس میں بھی دوسرے نبیوں کو آپؐ کا ظل اور عکس کہا گیا ہے۔ نبوت کی تعریف کا اندازہ لگائیے کہ اسے ظلی اور عکسی اصطلاحوں میں استعمال کر کے اجراء نبوت کا ایک وسیع باب کھول رہے ہیں۔

تحت سو مظہر تام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اگر خدا کے مظہر نہ ہوئے تو اور کون ہوگا۔

بہرحال اس شان کی خلافت کسی اور کو نہ ملی اس باب میں خلافت عطا ہوئی تو آپؐ کو عطا ہوئی۔ اس کی صورت یہی ہے کہ انبیاء کا آپؐ کی نسبت سے مستفید ہونا تو جملہ خاتم النبیین سے ثابت ہے۔ اور امت کا مستفید ہونا النبی اولیٰ بالمومنین سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور سوا اس امت کے اور امتوں کا بواسطہ اور انبیاء کے مستفید ہونا ثابت ہوتا ہے

غرض جہاں جہاں مادہ ایمانی ہے اور یہ مادہ سبھی میں ہے ورنہ کفار کے حق میں تکلیف ایمان اس طرح من جملہ تکالیف لا یطاق ہو جاتی ہے جیسے باصرہ کو تکلیف استماع اور باصرہ کو تکلیف ابصار وہاں وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہے۔ بالجملہ اس شان میں بھی آپؐ خلیفہ خداوندی ہیں۔ سو اس میں ایسی کون سی گناہ کی بات ہے جو اس شد و مد سے انکار ہے۔ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ

سے آپؐ خدا کے خلیفہ ہیں۔ نانوتوی صاحب اس کو یوں بیان کر رہے ہیں وہ آیت جو خلافت آدم میں موجود ہے اس سے ہر نبی کا خلیفہ ہونا ثابت ہے۔ اور یہ خلافت حصہ رسد کے مطابق ملے گی۔ آپؐ کی ذات چونکہ سب سے زیادہ اکمل ہے اس لیے آپؐ تمام شئون ذاتیہ اور (باقی صفحہ آئندہ پر)

علیہ وسلم کی افضیلت[1] مطلقہ اور خلافت تامہ خوش نہیں آتی۔"
(مناظرہ عجیبہ ص ۲۸، ۲۹، ۳۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صفاتیہ کے خلیفہ ہونگے۔ خلیفہ میں ان صفات کا ہونا ضروری ہے جو اس کے مستخلف اور منیب میں موجود ہوں۔ اب آپ کی اس خلافتِ خداوندی سے دوسروں کو فیض دیا جائے گا۔ آپ چونکہ خاتم النبیین ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ تمام کمالات نبوت کا مصدر ہیں۔ اب جس نبی کو بھی نبوت کا فیض ملے گا آپ سے ملے گا۔ اور النبی اولیٰ بالمومنین سے ہر مومن کے ساتھ آپ کی اقربیت ثابت ہو رہی ہے اس لیے ہر مومن اس شعبہ سے مستفید ہوگا۔ اور دوسری امتوں کو جو فیض ملے گا اس میں انبیاء کا واسطہ بالعرض ہوگا۔ مادۂ ایمان صرف مسلمان میں نہیں بلکہ ہر کافر میں بھی موجود ہے اگر ان میں یہ مادہ موجود نہ ہو تو ان کو ایمان کی دعوت دینا تکلیف مالا یطاق کے مترادف ہوگا۔ ہر کافر اور مسلمان کے اندر جو ایمان کا مادہ پایا جاتا ہے ان سب کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہے۔ ان مدارج کی وجہ سے آپ خلیفہ خداوندی کہلاتے ہیں۔ میں نے نانوتوی صاحب کی عبارت کو ذرا سہل کر دیا ہے۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ نانوتوی صاحب کس انداز سے ذات نبویہ کو مصدرِ کائنات ثابت کر رہے ہیں یہ نظریہ حقیقت محمدیہ کے ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے، آپ کی قرآنی نبوت سے یہ نظریہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ حقیقت محمدیہ چونکہ ساری کائنات میں جاری ہے۔ بریلوی اس جاری ہونے کو حاضر و ناظر وغیرہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] افضلیت مطلقہ سے مراد نظریۂ اصالت ہے اس کا دوسرا مفہوم (باقی آئندہ صفحہ پر)

نانوتوی صاحب کی اپنی اصل کتابوں سے ہم نے یہاں جتنے اقتباسات پیش کیے ہیں بعض باتوں کا طرزِ بیان اتنا دقیق ہے کہ سطحی ذہن رکھنے والے علماء کافی پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر بعض علماء یوں کہہ دیتے ہیں کہ نانوتوی صاحب کی تحریر اتنی بلند و بالا ہے کہ اسے اخص الخواص ہی سمجھ سکتے ہیں اس لیے ان کی کتابوں کو ہاتھ تک نہ لگایا جائے، اور جو کچھ آپ لکھ گئے ہیں اسے حرفِ آخر ہی سمجھا جائے۔ ایسی باتیں یا جمود پر محمول ہو سکتی ہیں یا عصبیت کے تحت اپنے اکابر کے مخصوص نظریات کا تحفظ کرنا مقصود ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے اپنی حد تک اچھی طرح سمجھ کر لکھا ہے۔ اگر کسی اقتباس کے مفہوم میں ہمیں غلط فہمی ہو گئی ہے تو جو عالم ہمیں ہماری کسی علمی لغزش آگاہ کر دیں گے، ہم اپنی غلطی کا فوراً ازالہ کر دیں گے۔ دوسری صورت میں اگر ہماری بات صحیح معلوم ہوتی ہے تو آپ حضرات کو بھی اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے اس لیے آپ لوگوں کو بھی حق قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیے

(بقیہ حاشیہ مسلسل صفحہ گزشتہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔ نانوتوی صاحب اور آپ کا حزب اسے دوسرے رنگ میں آپؐ کا فیض ہر مومن اور کافر میں تقسیم کر رہے ہیں۔ اہل علم کو چاہیے کہ ایسے نظریات پر اچھی طرح غور کریں، اور جہاں جہاں مقام نبوت کی جراحت ہو رہی ہو ایسے نظریات کی واضح طور پر تردید کر دیں۔

(بقیہ حاشیہ ۵ صفحہ گزشتہ) مصدر کائنات ہے اس سے آپؐ صرف تمام نبیوں کی ہی اصل ثابت نہیں ہوتے بلکہ تمام کائنات کی اصل ثابت ہوتے ہیں۔ اس نظریے سے نہ مقام نبوۃ محفوظ رہتا ہے اور نہ خدا کی الوہیت بچ سکتی ہے۔ (اسدی)

نانوتوی صاحب کی وہ عبارتیں جو کافی حد تک عسیر الفہم ہیں ہم چاہتے تو انھیں عام فہم عبارتوں میں لکھ دیتے۔ ہم نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ نبوت بالذات اور حیات بالذات بنفسہ ایسا فلسفہ ہے کہ اسے کتنا ہی تفصیل سے لکھا جائے پھر بھی عوامی اذہان کی دسترس سے بالکل باہر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مقالے میں ہمارا خطاب چونکہ اہل علم کی طرف ہے اس لیے ان کے ساتھ ہی اس موضوع کی افہام و تفہیم کے لیے چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے۔ ہاں جب اس مقالے کو ہم تسہیل کی صورت میں شائع کریں گے تو پھر تفہیم کے لیے آسان طرز اختیار کر لیں گے۔ اب ہم نانوتوی صاحب کے فلسفہ حیاۃ النبی کے اہم اقتباس درج کرتے ہیں :۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا فلسفہ

حیاتِ انبیاء کے موضوع پر جناب نانوتوی صاحب کی آبِ حیات ایک مشہور علمی کتاب ہے۔ اس کی وجہ تصنیف خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلّہ کشوں کے عزلت گزیں ہیں۔ جیسے ان کا مال قابل اجرائے حکم میراث نہیں ہوتا ایسے ہی آپ کا مال محل توریث نہیں[۱]۔ اگر اس بحث کو ذرا دلائل کے ساتھ لکھا جائے تو روافض کی طرف سے

---

[۱] اس عبارت میں نانوتوی نظریے کی مکمل تلخیص ہے۔ وراثت کے فعل کا (باقی بر صفحہ آئندہ)

جو فدک کے بارے اعتراض کیے جاتے ہیں، ان کا کافی حد تک جواب ہو جائیگا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عدم اقتضار اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ انبیاء کو زندہ تصور کیا جائے۔ ان کی حیات ظاہر بینوں کی نظروں سے مستور ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح ان کی موت ان کی حیات کو زائل نہیں کر سکتی، ان کی موت ان کی حیات کی ساتر تو ہو سکتی ہے لیکن یہ موت ان کی حیات کی رافع اور دافع نہ ہو گی۔ اپنی قبروں میں وہ اس طرح رہتے ہیں جس طرح گوشہ نشین اپنے علیحدہ مکانوں میں بیٹھے رہتے ہیں"۔ میراث کا جاری نہ ہونا یہ تو نبوت کے خصائص کی وجہ سے ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کی حیات باقی ہے۔ اگر میراث کا دنیوی عمل ان کی حیات پر موقوف ہے حالانکہ یہ ایک معمولی عمل ہے جب کہ سارے نبیوں کو ان کی قبروں میں مکمل حیات لازم ہے۔ تو پھر اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو اعمال حیات کی وجہ سے ضروری ہوتے ہیں، ان اعمال کے تمام لوازم ان پر عائد ہو جائیں۔ دوسرا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میراث کا یہ معمولی مال خدا کے نزدیک اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی خاطر انبیاء کو زندہ رکھا جاتا ہے تاکہ ان کے غریب وارث اور ان کی غریب بیوہ عورتیں اس مال کو ورثے میں تقسیم نہ کر لیں۔ اگر حیاتِ انبیاء کی علت غائیہ یہی ہے حالانکہ مال تو فانی چیز ہے جو تھوڑے عرصے میں ختم ہو گیا ہو گا تو مال کے فنا ہونے کے بعد اب ان کی حیات کی کون سی تاویل کی جائے گی۔ اسی طرح ان کی عورتوں کا نکاح ثانی بھی اگر حیاتِ انبیاء پر موقوف ہے تو جب وہ تمام عورتیں فوت ہو جائیں گی تو اب (باقی بر صفحہ آئندہ)

نانوتوی صاحب کا مقصد یہ ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دنیا جیسی حیات کے ساتھ زندہ ہیں تو اس حیات کی وجہ سے آپؐ کی میراث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس اتنی بات پر آپ نے ایک طویل کتاب لکھ ڈالی ہے۔ پھر اس کتاب کو اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے تحسین بھی کی اور ساتھ ہی خصوصی دعائیں بھی دیں۔ پھر اس پر حضرت گنگوہیؒ کا یہ ارشاد کہ اس سے زیادہ تحقیق نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں بزرگوں کی تصدیق نے اس کتاب کے اہم مضامین کو اور نانوتوی صاحب کے نظریے کو چار چاند لگا دیئے۔ اس کے بعد دیوبند کے جتنے اکابر علماء اور محدثین گزرے ہیں یہ سب حضرات نانوتوی صاحب کے اس نظریے کو عقیدے کے طور پر پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ اب ہم جناب نانوتوی صاحب کی اس کتاب سے اہم اقتباس نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کی اصل عبارتوں سے اس فلسفہ کی وضاحت ہو جائے کہ موت کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کیوں زائل نہیں ہوتی۔ نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:۔

"اس سے ظاہر ہے کہ انبیاء بدستور زندہ ہیں کیونکہ عدم اقتضاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان کی حیات کی کون سی علت پیش کی جائے گی کہ ان کی عورتوں کے فوت ہونے کے بعد اب ان نبیوں کو قبروں میں کیوں زندہ رکھا جا رہا ہے۔

وقوعِ فعلِ وراثت زوالِ حیات کی صورت میں تو متصور ہی نہیں
متصور ہے تو حیات میں متصور ہے لیکن انبیاء کی زندگی زیرِ پردہ
عارض ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے۔ مثلِ امت ان کی موت
میں زوالِ حیات نہیں ــــ ان کی موت ان کی حیات کی ساتر
ہوگی۔ یعنی یہ موت رافع اور دافع نہ ہوگی۔" (آبحیات ص۳۶)

نانوتوی صاحب کے نزدیک جس وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی موت ان کی حیات کو زائل نہیں کر سکتی وہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کی ذات مصدرِ کائنات ہے جس کا دوسرا نام روح الاکوان ہے۔ روح الاکوان وہ ہستی بن سکتی ہے جس کی حیات ذاتی ہو۔ باقی ساری کائنات کا وجود چونکہ آپ کی وجہ سے قائم ہے اس لیے اس کائنات میں جو چیز بھی داخل ہوگی اس کی حیات بالعرض ہوگی۔ لہذا موت کا وجود بھی مخلوق ہونے کی وجہ سے اس کائنات میں داخل ہے لہذا اس کا وجود بھی بالعرض ہوگا۔ اس لیے جب موت ذات نبویہ پر تصرف کرے گی تو آپ کی حیاتِ ذاتی کو موت کا یہ تصرف زائل نہیں کر سکتا۔ اس تصرف کے بعد آپ کی حیات مستور تو ہو جائے گی لیکن آپ کے وجود سے زائل نہ ہوگی۔ بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ ان کی حیات چونکہ ذاتی نہیں بلکہ عرضی ہے اس لیے ان کی حیات پر جب موت کا تصرف ہوتا ہے تو ان کی مکمل حیات زائل ہو جاتی ہے۔ حیات زائل نہ ہونے کا فلسفہ تو اسی قدر تھا۔ لیکن اس کے لیے شواہد کی ضرورت تھی سو وہ کون سی بات ہے جو تاویل کے

ساتھ قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو سکتی ہو۔ آپ فرقہ باطنیہ اباحیہ کی تفسیریں پڑھ کر دیکھیے وہ کون سی ناجائز بات ہے جسے انہوں نے قرآن کے شواہد کے ساتھ حلال ثابت نہ کر رکھا ہو۔ اب نانوتوی صاحب کی عبارتیں پڑھیے کہ وہ اپنے فلسفہ حیات بالذات کو کس طرح خام شواہد کے ساتھ ثابت کر رہے ہیں۔ آپ آب حیات کے ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

" جملہ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم جملہ وازواجہ امھاتھم کے لیے بمنزلہ علت ہے اور جملہ وازواجہم اس کے لیے بمنزلہ معلول ہے اور جملہ وھواب لھم کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو اول ثانی کے لیے علت یا ثانی جملہ اول جملہ کے لیے تفسیر ہے پھر جملہ وازواجہم جملہ وھواب لھم پر متفرع اعنی یہ علت ہے تو وہ معلول ہے اب ناظرین کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا ذاتی ہونا تو بوجہ ابوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لوازم منشائیت روحانی سے ہے ثابت ہو گیا " ؎۲

؎۱ تفسیر مدارک میں جملہ وازواجہ امھاتھم ایک اور جملہ وھواب لھم بھی ہے (آب حیات ص۱۵۹)

؎۲ اہل علم کو چاہیے کہ اس بحث کی تفہیم کے لیے آب حیات کا مکمل مطالعہ کریں، تاکہ اس کے سیاق و سباق ملانے سے بات اچھی طرح ذہن نشین ہو سکے، کیونکہ نانوتوی صاحب کی تحریر ایسی ہے کہ نہ تو اسے قدیم اردو کہہ سکتے ہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں :-

"وجہ اس فرق کی وہی تفاوتِ حیات ہے یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابلِ زوال نہیں اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابلِ زوال ہے اس لیے موت کے وقت حیات نبوی زائل نہ ہوگی ہاں مستور ہوجائے گی اور حیات مومنین ساری یا آدھی زائل ہوجائے گی۔ سو در صورتِ تقابل عدم وملکہ۔ اس استتارِ حیات میں آپ کی ذات کو تو مثلِ آفتاب سمجھیے کہ وقتِ کسوف اوٹ میں حسب مزعوم حکما، اس کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ یا مثل شمع چراغ خیال فرمائیے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور نہ مولویانہ ادبی رنگ۔ اگر ہم ایک ایک جملے کی توضیح کرنے لگ جائیں تو خدا جانے کتنے ورقوں کے چہرے سیاہ کرنے پڑیں گے لہذا ہم ان کی تفہیم اور توضیح اہل علم کے سپرد کر رہے ہیں۔ ہم تو صرف نانوتوی فلسفہ کے ماخذ کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس فلسفے کے تحت مقام نبوت کو کس کس سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا کافی صدمہ ہے کہ ہم سے قبل کتنے جلیل القدر عالم گزرے ہیں کسی کے ذہن میں اتنا بھی نہ آیا کہ اس فلسفے کے عواقب کتنے خطرناک ہیں اگر وہ ایسے نظریات کی تنقیح کر جاتے تو ہمارے سر سے کافی بار اتر چکا ہوتا۔ ہاں اس وقت بھی صاحبِ تحقیق اہل علم کافی موجود ہیں دیکھیے عظمتِ رسالت کی بات ہے کیا یہاں بھی سکوت مناسب معلوم ہوتا ہے یا ایسے مسموم نظریات کی تنقیح کر کے امت مسلمہ کو بچانا فرض ہے۔

جب اس کو کسی ہانڈی یا مٹکے میں رکھ کر اوپر سے سرپوش رکھ دیجیے تو اس کا نور بالبداہت مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ اور در بارہ زوال حیات مومنین کو مثل قمر خیال فرمائیے کہ وقتِ خسوف اس کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ یا مثل چراغ سمجھیے کہ گل ہونے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رہتا البتہ روغن یا فتیلہ یا کسی قدر تھوڑی دیر فتیلہ کے سرے میں آتش باقی رہ جاتی ہے۔ اور درصورت تقابل تضاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استتار حیات کو ایسا سمجھیے جیسے معمولی برودت آبِ سرد گرم کرنے کے وقت حرارت آتش سے دی جاتی ہے اور زوال حیات مومنین کو ایسا سمجھیے کہ خاک و پتھر و چوب وغیرہ اول کسی وجہ سے مثل نزول برف وغیرہ سرد ہوں پھر بوجہ حرارت آفتاب گرم ہو جائیں۔ آب سرد کی معمولی سردی جو وقت نہ ہوتے اسباب حرارت کے ہوتی ہے آگ سے گرم کرنے کے بعد زائل نہیں ہوتی۔ البتہ زیر پردہ حرارت مستور ہو جاتی ہے ورنہ زوال محض ہو تو یہ برودت[۵] معمولی پھر صفت ذاتیہ نہ ہوگی بلکہ صفتِ عرضیہ ہوگی جس کے لیے کوئی موصوف بالذات سوائے آب ضرور ہے کیونکہ ہر بالعرض کے لیے ایک موصوف بالذات واجب ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ برودت معمولی کے لیے سبب خارجی نہیں بلکہ بعد مفارقتِ

---

۵ برودت آب کی تشریح جمال قاسمی میں بھی موجود ہے۔ (جمال قاسمی ص)

اسباب حرارت عارضہ مثل نار و آفتاب جو پھر برودت ہی عائد حال آب ہو جاتی ہے۔ اس سے صاف روشن ہے کہ یہ صفت کسی سبب خارجی سے حادث نہیں ہوتی اقتضائے ذات آب ہے اور خاک پتھر چوب وغیرہ میں ظاہر ہے کہ دونوں حالتیں (سرد و گرم) خارج ہی سے آئی ہیں خداداد ہیں خانہ زاد نہیں، ایک جاتی ہے تو دوسری اس جگہ آجاتی ہے۔"

(آب حیات، ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱)

اور منشائیت روحانی کا مفہوم نانوتوی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں:

" آیت النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم جس تفسیر سے لیجیے مثل آفتاب نیمروز اہل نظر کے لیے اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منشاء وجود ارواح مومنین ہیں اور مابین روح نبوی اور ارواح مومنین وہ رابطہ اور ارتباط ہے کہ منشاء انتزاع اور انتزاعیات میں ہوا کرتا ہے۔" (آب حیات ص۱۲۵)

دوسرے مقام پر اس طرح تشریح کرتے ہیں:۔

" ایسے ہی موتِ نبوی اور موتِ مومنین میں فرق ہے اور اور بوجہ فرق بین الموتتین وہی فرق بین الحیاتین میں اسی بنا پر لازم ہے کہ نوم نبوی اور نوم مومنین میں فرق ہو اس لیے کہ النوم اخت الموت، چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلام پاک میں موت

اور نوم کو ایک مسلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے فرماتے ہیں اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا۔ جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی چنانچہ ارسال کا تقدم امساک پر دال ہے جیسے موت کا تقدم حیات پر دلالت کرتا ہے تو پھر جو حال وقت امساک موت ہوگا وہی حال وقت امساک نوم ہوگا جس کی موت کے وقت استتار حیات ہوگا اس کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہوگا۔ فرق ہوگا تو شدت استتار وضعف استتار ہو۔ یا یوں کہیے کہ موت میں سترہ قوی اور کثیف ہو اور نوم میں سترہ ضعیف اور لطیف ہو اور جہاں وقت موت انقطاع حیات ہو وہاں وقت نوم بھی انقطاع حیات ہو۔ فرق ہو تو یہ ہو کہ موت میں انقطاع تام ہو اور نوم میں من وجہ انقطاع ہو اور اس صورت میں حسب قرار داد سابق وقت استتار حیات میں اور قوت آجائے اور خواب اور وحی بیداری میں کچھ فرق نہ ہو چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس عاجز کی تصدیق کرتی ہے فرماتے ہیں تنام عیناي ولا ینام قلبي لیکن اس قیاس پر دجال کا بھی یہی[1] ہونا چاہیے اس لیے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] نانوتوی صاحب دجال کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ دجال بھی منصف بحیات بالذات ہوگا۔ کاظمی صاحب اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

وہ بوجہ منشائیت ارواح متصف بحیات بالذات ہوگا اس وجہ سے اس کی حیات قابلِ انفکاک نہ ہوگی اور موت و نوم ہیں استتار ہوگا انقطاع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ چونکہ اصل کائنات ہے اس لیے بالنسبۃ الی الخلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم متصف بحیات بالذات قرار پائیں گے۔ آپؐ کے مقابلے میں کسی دوسرے کو متصف بحیات بالذات قرار دینا بارگاہِ رسالت میں انتہائی سوء ادبی ہے بالخصوص دجال لعین کے حق میں۔ اس قائل نے اتنا نہیں سوچا کہ ذات نبویہ کی رُوح اقدس رُوح الارواح اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ تمام عالم ممکنات کے لیے منشاء وجود ہے۔ اور دجال منشاء ارواحِ کفار نہیں بلکہ منشاء کفر ارواح کفار ہے۔ ارواح کفار نے عالم ارواح میں کفر نہیں کیا بلکہ اِس عالمِ تکلیف میں آنے کے بعد ان سے کفر سرزد ہوا اور دجال منشاء ارواح نہیں بلکہ ارواح کفار کے کفر کا منشاء۔ اور کفر خود موت ہے۔ (حیات النبی از کاظمی ص۸۳ و ص۸۴) اس کا یہ مطلب نہیں کہ نانوتوی صاحب ذات نبویہ کو اصل کائنات اور رُوح الارواح نہیں مانتے بلکہ ان کی تحریروں میں صاف لکھا ہے کہ آپؐ کی ذات مبدأ الآثار اور فیوضاتِ الٰہیہ کا واسطہ ہے اس نظریے کے تحت متصف بحیات بالذات صرف ذات نبویہ ہی ہوسکتی ہے۔ آپؐ کے سوا دوسری مخلوق اس اختصاص میں داخل نہیں ہوسکتی۔ چونکہ ابن صیاد جس پر دجال ہونے کا شبہ ہوتا تھا، اس کا قول بھی ہے تنام عینای ولاینام قلبی۔ نانوتوی صاحب دجال کی اس منامی کیفیت کو نوم نبوی پر محمول کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں کہ دجال کی موت و نوم میں (باقی بر صفحہ آئندہ)

نہ ہوگا۔[1] (آب حیات ۔ ص ۱۶۹) نانوتوی صاحب حدیث رد اللہ علی روحی کی تشریح سے دیکھیے اپنے فلسفہ مبدالآثار کی کس طرح توضیح کر رہے ہیں :-

" اس حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی روح کو اس حالتِ استغراق فی ذات اللہ و تجلیات سے جو بوجہ محبوبیتِ تامہ آپؐ کو حاصل رہتی ہے ہوش فرما دیتا ہے یعنی مبدأ انکشاف نبوی کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہو جاتا ہے اور اپنی ذات و صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات و صفات سے اطلاع ہو جاتی ہے ۔ ہاں ایک شبہ باقی ہے کہ کوئی وقت ایسا نہ گزرتا ہوگا کہ کوئی نہ کوئی آپؐ پہ سلام عرض نہ کرتا ہوگا اس صورت میں استغراق برائے نام ہی رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) استتار ہوگا انقطاع نہ ہوگا۔ کاظمی صاحب اس پر گرفت کر رہے ہیں منصف بحیات بالذات وہ ہستی ہو سکتی ہے جو اصلِ کائنات ہو۔ دجال اس عارضی صفت کی وجہ سے متصف بحیات بالذات نہیں ہو سکتا۔ آپؐ کے سوا دوسری مخلوق میں ایسا عقیدہ رکھنا بارگاہِ رسالت میں سوءِ ادبی ہے۔

[1] مولوی احمد سعید چتر ڈرگراھی نے آیت اللہ یتوفی الانفس کو دلیل بنا کر موتِ انبیاء کا اثبات کیا ہے اور پمفلٹ شائع کر کے علماء سے سوال کیا ہے۔ نانوتوی صاحب کی تحریر میں اس کا جواب موجود ہے۔ دیکھیے اب ایسے حضرات نانوتوی صاحب کو کونسی تکفیر میں داخل کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روح پُرفتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبع[1] اور اصل ارواح باقیہ خصوصًا ارواح مومنین امت ٹھہری تو جو نسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا تو اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا۔ از انجملہ شعب غیر متناہیہ اور بھی ہیں"۔ (آبحیات ص ۱۷۵، ۱۷۶)

اہل علم نانوتوی صاحب کے ان الفاظ کہ آپ منبع اور اصل ارواح باقیہ مع ارواح مومنین، اور شعب غیر متناہیہ کے مفہوم میں غور کریں۔ ان کے فلسفہ کا بنیادی ماخذ یہی ہے کہ آپ جب منبع ارواح یا روح الارواح اور مبدا الآثار ہیں تو اس سے صرف آپ کی حیات بالذات اور نبوت بالذات ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ بریلویت کا سارا شرک اس سے آسانی کے ساتھ استخراج ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ شیخ تاج الدین اور ابوالفضل فیضی نے ابن عربی کی فصوص الحکم سے اسی نظریے کے تحت دین الٰہی کے تمام اصول وضع کر کے اکبری دور کے مسلمانوں کو الحاد کی وادی میں دھکیل دیا تھا۔ اب ہم نانوتوی صاحب کی ایک اہم عبارت نقل کر کے اقتباس کی عبارتوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جمال قاسمی

---

[1] منبع ارواح باقیہ۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ نانوتوی صاحب کے فلسفے کا بنیادی ماخذ کیا ہے۔ منبع الارواح کا مفہوم مصدر کائنات ہے اور بریلویت کا سارا مدار اسی نظریے پر ہے ہمارے نزدیک نانوتوی صاحب اور بریلویت کے بنیادی عقائد میں کچھ بھی فرق نہیں۔ آپ ہماری تلخ نوائی سے قبل ان دونوں مسلک کے نظریات کا تحقیقی تجزیہ کریں اس کے بعد آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہم کن اہم حقائق کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

میں لکھتے ہیں :-

"انبیاء علیہم السلام کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا اور دوسروں کے اموال میں جاری ہونا اس پر شاہد ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان کے ابدان سے اخراج نہیں ہوتا مثل نورِ چراغ اطراف وجوانب سے سمیٹ لیتے ہیں۔ ان کے سوا دوسروں کی ارواح کو ان کے ابدان سے خارج کر دیتے ہیں اس لیے سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ اور اسی لیے ان کی زیارت وفات کے بعد بھی ایسی ہے جیسے ایام حیات میں احیاء کی زیارت ہوا کرتی ہے۔ اور اس وجہ سے یوں نہیں کہہ سکتے کہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل زیارت مسجد زیارتِ مکان ہے۔ اور اسی وجہ سے بحکم لاتشدوا الرحال وہاں اہتمام سے جانا ممنوع ہے بلکہ وہ زیارتِ مکان نہیں زیارتِ مکین ہے۔"

(جمال قاسمی ص۱۶)

یہ عبارت ذرا عام فہم بھی ہے۔ دوسرے نانوتوی صاحب کے عقیدہ حیاتِ انبیاء کی مع دلائل تلخیص بھی ہے۔ ہم ذرا اسے آسان کر کے لکھ دیتے ہیں۔
یہ بات مسلّم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کے بعد ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ یہ بات اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ موت کے وقت انبیاء علیہم السلام کے ابدان سے ان کی روح خارج نہیں ہوتی۔ اگر روح خارج ہو جاتی تو ان کو ہم اموات میں داخل کر کے ان کی میراث جاری کر دیتے۔

باقی رہی یہ بات کہ اگر ان کی ارواح ابدان سے خارج نہیں ہوتیں تو پھر کہاں جاتی ہیں۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں جیسے چراغ پر سرپوش رکھ دیا جائے۔ چراغ کی روشنی جو باہر پھیلی ہوئی تھی وہ سمٹ کر اس سرپوش میں بند ہوجاتی ہے۔ جب انبیاء کی روح مرنے کے بعد ان کے ابدان میں ویسے ہی موجود ہے جیسے موت سے قبل موجود تھی تو اس سے زندگی کے تمام لوازم بھی ثابت ہوجائیں گے۔ جیسے سُننا حیات کے لوازم سے ہے پس اس سے انبیاء علیہم السلام کا قبروں میں سماع بھی ثابت ہوگیا۔ اب وفات کے بعد جو ان کی قبروں کی زیارت کی جائے گی، اس زیارت کو ہم قبور کی زیارت نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ زیارت ایسی ہوگی جیسے انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں اُن کی زیارت کی جاتی تھی۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نانوتوی صاحب نے جو اس طریقے سے حیات انبیاء کی توجیہ کی ہے یہ ان کا اپنا علمی تفرد ہے ہم اس تفرد کو نہیں مانتے۔ وہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس نظریے اور تفرد کا ماخذ وہ فلسفہ ہے جس کے تحت ذاتِ نبویہ کو روح الاکوان مبدأ الآثار کہا جاتا ہے۔ اسی فلسفہ سے جس طرح نانوتوی صاحب نے حیاتِ انبیاء کا نظریہ اختراع کیا ہے اسی طرح وہ اسی فلسفہ سے ہی نبوت بالذات کا نظریہ بھی اختراع کر رہے ہیں۔ حیات انبیاء کی اس توجیہ کی تردید میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ سماع اموات کی نفی ہوجائے گی۔ لیکن نبوت بالذات کے عقیدے سے تو نبوت کا سرے سے وجود ہی ختم ہوجاتا ہے۔ بلکہ اس کے نتیجے میں توحید کے نظریئے میں تغیر داخل ہوجاتا ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ نانوتوی صاحب کا سب سے خطرناک وہ فلسفہ ہے جس کے تحت وہ ابن عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے تعین اول یعنی حقیقتِ محمدیہ کو حیات انبیاء اور نبوت بالذات کے لباس میں دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس نظریے کا اچھی طرح قلع وقمع نہ کیا گیا تو خطرہ ہے کہ پوری ملتِ اسلامیہ کہیں ایسے نظریات کی وجہ سے وحدتِ ادیان کے الحاد میں دوبارہ داخل نہ ہو جائے جیسا کہ دورِ اکبری میں مسلمانوں کی اکثریت الحاد کی قبر میں مدفون ہو گئی تھی۔

علماء دیوبند کے عقائد پر حقیقتِ محمدیہ کے اثرات

مولانا نانوتوی صاحب کی تحریروں کے بعد اب ہم دوسرے اکابر علماء دیوبند کے وہ عقائد تحریر کرتے ہیں جن کی بنیاد حقیقت محمدیہ پر رکھی گئی ہے عبارتوں کے اقتباس میں تالیفی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ جتنا مواد ملتا گیا اسے اختصار کے ساتھ درج کر دیا گیا ہے۔

ہم اپنی تحریروں میں اس بات کو بار بار دہراتے چلے آرہے ہیں کہ ہم کسی مسلک کے خلاف نہ تو تحقیر کی روش اختیار کر رہے ہیں اور نہ کسی مسلک کے اکابر پر افتراء بازی کا کوئی حرف استعمال کر رہے ہیں بلکہ ان کی تحریروں میں جن مخصوص نظریات کی وضاحت کی گئی ہے انھیں انصاف

کے ساتھ من وعن آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے سامنے اس وقت اہل علم کی کمی نہیں ہے ان کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ ہماری ان تحریروں کا اچھی طرح تجزیہ کریں اگر واقعی ان میں کہیں خامی نظر آتی ہو تو حقائق و دلائل کے ساتھ اس کی وضاحت کر دیں تاکہ ہم دوسرے ایڈیشن میں ان خامیوں سے رجوع کر سکیں اور جہاں صحیح بات لکھی ہے اسے انصاف کے ساتھ قبول کر لیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ اگر یہ تحریریں عقائد سے تعلق نہ رکھتیں تو ہم انھیں قطعاً ہاتھ نہ لگاتے۔ لیکن ان تحریروں میں مقام نبوت کی ایسی تصریح کی گئی ہے کہ جس سے صرف رسالت کا بنیادی مفہوم ہی مجروح نہیں ہوتا بلکہ توحید کا اصل مقصد بھی متزلزل ہو جاتا ہے۔ بعض اہل علم ہم پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اکابر کی جس اہم غلطی پر آپ نے گرفت کی ہے کیا یہ لوگ ایسی صریح غلطی سے واقف نہ تھے کہ وہ آنکھیں بند کر کے ایسی باتیں لکھتے چلے گئے۔ محترم! واقعی وہ لوگ علم کے سمندر تھے اور یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ تصوف میں انھیں ولایۃ الکبریٰ کا مقام بھی حاصل تھا۔ یہ سب کچھ ہونے کے بعد آپ یہ بتلائیں کیا وہ لوگ معصوم بھی تھے کہ ان سے کسی غلطی کا صدور نہ ہو سکتا ہو۔ اگر ایسی تحریروں کے بعد بھی وہ آپ کو معصوم نظر آتے ہیں تو پھر ہم پر ناراض ہونے کی کون سی بات ہے۔ آپ آج ہی سے ان کی عصمت کا تحفظ شروع کر دیں اسی طرح ہمیں بھی اجازت دیجیے کہ ہم بھی اپنے معصوم حقیقی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا

تحفظ کرتے رہیں۔

قل کل یعمل علیٰ	آپ فرما دیجیے ہر شخص اپنے طریقے پر
شاکلتہ فربکم اعلم	کام کر رہا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا
بمن ھو اھدیٰ سبیلا	ہے اس کو جو زیادہ ٹھیک رستہ پر ہو۔

حضرت مدنی صاحب اپنی مشہور کتاب الشہاب الثاقب میں تحریر کرتے ہیں :۔

"اب اس کے مقابلے میں اِن ہمارے حضرات اکابر کے اقوالِ عقائد کو ملاحظہ فرمائیے۔ یہ جملہ حضرات (اکابر علماء دیوبند) ذاتِ حضور پُرنور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضاتِ الٰہیہ و میزابِ رحمتِ غیر متناہیہ اعتقاد کیے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے اب تک جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی، عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم کی۔ ان سب میں

آپؐ کی ذات پاک ایسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو۔ اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں۔ غرض کہ حقیقۃ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام واسطہ جملہ کمالاتِ عالَم وعالمیاں ہیں۔ یہی معنی لولاك لما خلقت الافلاك۔ اول ما خلق اللہ نوری اور انا نبی الانبیاء وغیرہ کے ہیں۔ اس احسان وانعام عام میں جملہ عالم شریک ہے)۔ علاوہ اس کے آپؐ کی ذاتِ مقدسہ کو ارواح مومنین سے وہ خاص نسبت ہے کہ جس کی وجہ سے آپؐ باپ روحانی جملہ مومنین کے ہیں۔ اور یہ احسان بھی ابتداء عالم سے آخر تک کے مومنین کو عام ہے علاوہ اس کے مومنین امتِ مرحومہ کے ساتھ ماسوا اس کے اور بھی خاص علاقہ ہے جو کہ اور امم کے مومنین کو نہیں۔ حضرت سرورِ کائنات علیہ السلام کے احسانات غیر متناہیہ کی تفصیل اگر معلوم کرنی ہو تو رسالہ آبِ حیات۔ رسالہ قبلہ نما۔ واجوبہ اربعین وتحذیر الناس وغیرہ دیکھیے۔

اس کے بعد قصائد قاسمیہ سے حضرت نانوتوی کے چند اشعار نقل فرماتے ہیں:۔ ؎

توفخرِ کون ومکاں زبدۂ زمین وزماں ‏ ‏ امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار
جلو میں تیرے ہے آپ عدم سے تا بوجود ‏ ‏ بجا ہے تم کو اگر کہیے مبدأ الآثار
لگا نا ہاتھ نہ پتلے کو بوالبشر کے خدا ‏ ‏ اگر وجود نہ ہوتا تمہارا آخر کار

(الشہاب الثاقب ص۲۲۶)

مولانا نانوتوی قصیدہ دربارہ توسل مشائخ سلسلہ علیہ چشتیہ صابریہ میں فرماتے ہیں :۔ ؎

بذاتِ پاکِ خود کاں اصلِ ہستی ست
ازو قائم بلندی ہا و پستی ست

مثالِ او نہ مقدور بہ جہان است
کہ کنہش برتر از کون و مکان است

(الشہاب الثاقب ص۲۳۵)

حضرت نانوتوی صاحب تحذیر الناس میں ختم نبوت کی اس طرح تشریح فرماتے ہیں۔ حضرت مدنی صاحب لکھتے ہیں :۔

"حضرت مولانا نانوتوی کی مراد پر حضور علیہ السلام کو فقط اس طبقہ کے انبیاء کا خاتم نہیں کہا جائے گا بلکہ آپؐ کی نبوت زماناً اور ذاتاً ختم کرنے والی ساتوں طبقات کے انبیاء کے واسطے ہوگی۔ (اور جتنے انبیاء کہیں گزرے ہیں سب کے سب حقیقت محمدیہ سے اس طرح مستفیض ہوں گے جس طرح جانشین کشتی کشتی سے اور نجوم ہائے آسمان آفتاب سے کہیں بھی ہوں)۔"

(الشہاب الثاقب ص۲۵۸)

حضرت مدنی صاحب اپنی مشہور کتاب نقش حیات میں تحریر کرتے ہیں :۔

"حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں جن کے حریم مُعلّے تک جلیل القدر علمار کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکا تھا"[1] اجوبہ اربعین حصہ دوم ص۱۲۸ میں فرماتے ہیں :۔

" اور سر اس میں یہ ہے کہ افاضہ وجود و کمالاتِ وجود مخلوقات کی جانب اگرچہ خزانہ خداوندی ہی سے ہوتا ہے مگر بشہادتِ آیت النبی اولیٰ بالمومنین اور آیت خاتم النبیین چنانچہ تقریرات مرقومہ بالا سے واضح ہو چکا اور نیز بشہادت دیگر آیات و تائید تحقیقات ارباب مکاشفات، وہ سب افاضہ بواسطہ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ہوتا ہے جیسے شب کو بواسطہ قمر افاضہ نور آفتاب ہوا کرتا ہے۔" (اجوبہ اربعین ص۱۲۸ ج ۲)

تمام انبیار علیہم السلام کے جملہ کمالات اور علوم بلکہ نبوت و رسالت کو

---

[1] حضرت مدنی صاحب جس نظریئے کی توضیح کر رہے ہیں ان سب کا ماخذ حضرت نانوتوی کی تصانیف ہیں۔ ایسے نظریات کو جس طرح نانوتوی صاحب نے بیان کیا ہے حضرت مدنی صاحب لکھتے ہیں کہ وہاں تک جلیل القدر علمار کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکا۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں جس سے بڑے بڑے علمار مصنفین کی تحریریں خالی ہیں۔ البتہ ابن عربی اور علامہ سبکی کی کتابوں میں یہ نظریہ موجود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابن عربی اور علامہ سبکی کے نظریات کا ماخذ کیا ہے اور ان میں وہ کون سا راز پوشیدہ ہے جسے دوسرے جلیل القدر علمار بھی ادراک نہیں کر سکے۔

بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے حاصل ہونا نہایت مفصل طریقہ پر ثابت فرماتے ہیں۔ کمالات ولایت وقرب وغیرہ تو درکنار نفس وجود جملہ عوالم وعالمیاں کو بھی آپ ہی کے ذریعے ثابت فرمارہے ہیں۔ قصیدہ مدحیہ میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

جلوہ میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود
بجا ہے تم کو اگر کہیے مبدء الآثار

یہ اشعار کسی اَل فَل مارنے والے۔ اطرائے مادح کرنے والے۔ فی کل واد یہیمون کے مصداق مبالغ اور مفرط۔ غالی شاعر کے نہیں بلکہ ایک خدا رسیدہ محقق۔ مجسمہ معرفت وحقیقت۔ امام اہل صدق وصفا غواص بحر طریقت۔ امام اہل کشف وشہود۔ عارف بے بدل اور فاضل کے ہیں۔ جو کہ حقیقت اور واقعیت کے سوا کسی غلط مجاز اور مبالغہ کا روا دار نہیں۔" (نقش حیات ص۱۰۴، ص۱۰۵ ج۱)

نبوت بالذات اور ختم نبوت کی تشریح جناب مدنی اس طرح فرماتے ہیں:-

"موصوف بالذات ایک اور اول ہوتا ہے اس کے ذریعے سے اوصاف متعدی ہوکر دوسروں تک بعد میں پہنچتے اور انکو موصوف بالوصف کر دیتے ہیں۔ جیسے عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے۔ اس کے ذریعے تمام کواکب متصف بالنور ہیں۔ یہی حال وصفِ نبوت کا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اس سے متصف بالذات ہیں اسی وجہ سے آپؐ کو سب سے پہلے نبوت ملی۔ جیساکہ ارشاد ہے کنت نبیا و اٰدم منجدل بین الماء والطین جس طرح شہنشاہی عہدوں میں وزارتِ عظمٰی پر تمام عہدہ ہائے شہنشاہی ختم ہوجاتے ہیں اسی طرح آپؐ پر تمام مراتب قرب خداوندی ختم ہوجاتے ہیں۔ یقیناً جو تحقیق حضرت مولانا نانوتویؒ نے اس رسالہ تحذیر الناس میں ارشاد فرمائی ہے وہ نہایت اعلیٰ اور احکم اور نہایت دقیق و پُر مغز ہے جس سے بڑے بڑے علماء مصنفین کی تحریریں خالی ہیں۔ البتہ شیخ اکبر ابن عربی اور علامہ سبکی کی تصانیف میں اس مضمون کا پتہ چلتا ہے۔"

(نقش حیات ص۱۱۱ ج ۲)

بخاری کی شرح تقریر بخاری جسے مولانا کفیل احمد کیرانوی نے مرتب کیا اس میں حضرت مدنی صاحب فرماتے ہیں:۔

" اہل تصوف نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تقسیمِ وجود اور اِفاضہ وجود بھی مخلوقات پر بواسطہ حقیقت محمدیہ کے ہے جس طرح قمر آفتاب سے نور لیتا ہے ٹھیک اسی طرح آپؐ واسطہ فی العروض ہیں۔ افاضہ وجود علی الانسان کے لیے آپؐ نے فرمایا انما انا قاسم واللہ یعطی۔ اگرچہ آپؐ اس وقت اس جہان سے غائب ہیں لیکن افادہ کمالات آپؐ ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا تھا آپؐ کی نبوت کا۔ کیونکہ خود

انبیاء کرام کو جو فیض نبوت حاصل ہونا تھا اس میں واسطہ آپ ہی رہتے تھے۔" (تقریر بخاری ص۱۱۷ ج ۱۔ مطبوعہ دیوبند)

تقریر بخاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

"پانچویں وجہ یہ ہے کہ حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدیّہ میں وہی مناسبت ہے جو اصل اور نقل میں ہوتی ہے۔ عالمِ روحانیت میں حقیقتِ محمدیّہ اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مظہر تجلّی اول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اور مظہر تجلّی عکسِ اول کعبۃ اللہ۔ اسی وجہ سے تمام موجودات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مناسبت کعبہ سے ہے۔"

(تقریر بخاری ص۱۵۷ ج ۱)

حقیقتِ محمدیّہ کی تشریح اور عقیدہ

مولانا محمد طاہر قاسمی جو حضرت نانوتویؒ کے نبیرہ ہیں انھوں نے عقائد میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام عقائد الاسلام قاسمی ہے۔ اس میں لکھتے ہیں :۔

"سب سے اول حق تعالیٰ نے نورِ عقل کو پیدا کیا جس کا دوسرا نام حقیقتِ محمدیّہ ہے۔ اس کو تمام عالم کے لیے مدبّر اور وجہ شرافت بنایا اسی لیے تمام فرشتوں کو اس کے آگے جھک جانے کا

حکم ہوا۔ خدا کے بعد عقل اول یعنی حقیقت محمدیہ کا درجہ ہے۔ اس لیے جس مخلوق میں یہ نورِ عقل (حقیقت محمدیہ) نہیں جھلکتا وہ مخلوق عالم کی صفِ اول میں جگہ نہیں پا سکتی۔ معلوم ہوا کہ نور محمدی بلحاظ خلقت سب مخلوق سے اول ہے اور بلحاظ ظہور سب سے آخر ہے اسی لیے نور محمدی کا اول و آخر نورِ خدا تو ہو سکتا ہے اور کسی کے نورِ نبوت کا یہ منصب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ آپؐ کے بعد کسی نبوت کا وجود تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے منکر گروہ نے حقیقت محمدیہ کی اولیت سے بھی انکار کر دیا ہے۔"

(عقائد الاسلام قاسمی ص۳۲)

مولانا محمد طاہر قاسمی حیات نبویہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

" ہمارا عقیدہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ سلامت ہیں۔ چونکہ اس عالم میں موت کے قانون سے کسی کا استثنا نہیں اس لیے بعد وفات آپؐ کا نورِ پاک اس عالم سے اس طرح اوجھل اور مستور ہے جس طرح سے ایک روشنی کے چراغ پر کوئی سرپوش ڈھک دیا جاتا ہے۔ چونکہ آپؐ کا نور پاک سب سے پہلے پیدا ہوا اس لیے اس نور پاک کا اپنے جسم پاک سے اتنا اتصال کچھ خلاف عقل بھی نہیں۔"

(عقائد الاسلام قاسمی ص۴۷)

کتاب المہند جو علماء دیوبند کے عقائد میں ایک مشہور کتاب ہے۔ اور

ایسی مستند ہے کہ اس پر اکابر علما۔ دیوبند اور بعض عرب کے علما۔ کی تصدیقات بھی درج ہیں۔ اس کتاب میں ختمِ نبوت کے بارے میں اکابر علما، دیوبند کا عقیدہ اس طرح درج کرتے ہیں :۔

" مولانا نانوتوی نے اپنی دقتِ نظر سے اپنے رسالہ تحذیر الناس میں ختم نبوۃ کی اس طرح تشریح فرمائی ہے۔

خاتمیت ایک جنس ہے جس کے تحت دو نوع داخل ہیں۔

۱۔ ایک خاتمیت باعتبار زمانہ۔ کہ آپؐ کی نبوت کا زمانہ تمام نبیوں کی نبوت کے زمانہ سے مؤخر ہے۔ آپؐ بحیثیت زمانہ سب کی نبوت کے خاتم ہیں۔

۲۔ دوسری خاتمیت بطور ذات جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی نبوت ایسی ہے جس پر تمام نبیوں کی نبوت ختم اور منتہی ہوئی ہے۔ جس طرح آپؐ زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں اسی طرح نبوت بالذات کے طور پر بھی خاتم النبیین ہیں کیونکہ جو چیز بالعرض ہوتی ہے وہ بالذات چیز پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے سلسلہ نہیں چل سکتا۔ جب کہ آپؐ کی نبوت بالذات ہے اور اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت بالعرض۔ اس لیے سارے نبیوں کی نبوت آپؐ کی نبوت کے واسطے سے ہے اور آپؐ ہی فردِ اکمل اور دائرہ رسالت و نبوت کے مرکز اور عقدِ نبوت کا واسطہ ہیں۔ پس آپؐ زماناً و ذاتاً خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ کی

محض زمانہ کے اعتبار سے نہیں اس لیے کہ اس میں کوئی بڑی فضیلت نہیں ہے کہ آپؐ کا زمانہ تمام نبیوں کے زمانے سے متأخر ہے۔ بلکہ کامل فوقیت اور غایتِ رفعت اس وقت ثابت ہوگی جب کہ آپؐ کی خاتمیت ذات اور زمانہ دونوں کے اعتبار سے ہو۔ ورنہ زمانہ کے اعتبار سے خاتم الانبیاء ہونے سے آپؐ کی سیادت و رفعت کمال کو نہ پہنچے گی۔ اِس دقیق مضمون میں جس طرح جلالت و عظمتِ نبوی کا بیان ہے یہ مولانا نانوتوی کا مکاشفہ ہے۔ یہ وہی تحقیق ہے جس طرح ہمارے محققین شیخ عبدالقدوس گنگوہی۔ شیخ اکبر ابن عربی اور علامہ تقی سبکی نے تحقیق فرمائی ہے[۱]۔ ہمارے خیال میں یہ تحقیق ایسی ہے کہ بہت سے علماء متقدمین اور اذکیاء متبحرین بھی ایسی تحقیق کا ادراک نہیں کر سکے۔" (ترجمہ اردو المہند المسمی بہ عقائد علماء دیوبند۔ مطبوعہ دیوبند ص۱۴)

---

[۱] مولانا نانوتوی نے جس طرح ختمِ نبوت کی تشریح فرمائی ہے، حضرت مدنی اور مولانا خلیل احمد نے اعتراف کیا ہے کہ ایسی تحقیق علماء متقدمین اور اکابر مصنفین بھی نہیں کر سکے۔ ہاں ایسی تحقیق کا ماخذ ابن عربی۔ علامہ سبکی اور شیخ عبدالقدوس کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔ مولانا سید احمد رضا بجنوری، محدث دیوبند لکھتے ہیں:۔" مولانا نانوتوی نے جس نظریے کی تحقیق (باقی صفحہ آئندہ پر)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الہند کے مترجم قرآن کے حاشیہ پر ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

" بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیاء سابقین اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی پر ختم ہو جاتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آب حیات میں کی ہے اس مضمون کی تائید دوسرے اسلاف سے بھی ملتی ہے۔ مثلاً سیدنا الشیخ عبدالعزیز دباغ کی ابریز وغیرہ سے" (نطق انور ص۱۱۶) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت نانوتوی کے نظریات کا ماخذ ابن عربی۔ علامہ سبکی۔ عبدالقدوس گنگوہی اور عبدالعزیز دباغ کی علمی تحقیق ہے یہ چاروں حضرات نظریہ وحدۃ الوجود کے ناشر اور داعی ہیں۔ عبدالقدوس گنگوہی علماء دیوبند کے سلسلہ چشتیہ کے مشہور شیخ ہیں۔ یہ شیخ نظریہ وحدۃ الوجود اور سماع میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ علامہ سبکی عطاء اللہ اسکندری شاذلی کے مرید تھے۔ یہ شیخ ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے داعی تھے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مُہر لگ کر ملی ہے۔" [۱]

(قرآن مجید مترجم و محشی از شیخ الہند ص۵۵)

مولانا قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند فلسفہ نانوتوی کے شارح اور عقائد علماء دیوبند کے آخری ترجمان تھے، اب ہم ان کی علمی تحریروں کے اقتباس درج کرتے ہیں۔ آپ اپنی مشہور کتاب آفتاب نبوت میں تحریر کرتے ہیں :-

"بلکہ آپؐ کا اصل امتیازی وصف یہ ہے کہ آپؐ نورِ نبوت میں سب انبیاء کے مربّی، ان کے حق میں مصدرِ فیض اور ان کے انوارِ کمال کی اصل ہیں۔ اس لیے اصل میں نبی آپؐ ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اصل سے نہیں بلکہ آپؐ کے فیض سے نبی ہوئے ہیں۔ پس آپؐ ان سب حضرات انبیاء کے حق میں مربی اور اصل نور ثابت ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنے کو نبی الامت ہی نہیں بلکہ نبی الانبیاء بھی فرمایا ہے جیسا کہ روایاتِ حدیث میں مصرح ہیں جیسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس سے معلوم ہوا کہ اس نظریے کا انتہائی ساحل ابن عربی کا فلسفہ ہے۔ ائمہ سلف اور متقدمین کا عقیدہ ایسے نظریات سے خالی ہے۔ اگر کوئی صاحب نبوت بالذات اور نبوت بالعرض اور حقیقۃ محمدیہ جیسی اصطلاحیں ابن عربی سے ماقبل متقدمین اسلاف کی کتابوں میں دکھا دیں تو ہم ان کے بے حد ممنون ہونگے۔ [۱] بعض محققین سے مراد حضرت نانوتوی اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

آپؐ امت کے حق میں نبی امت ہونے کی وجہ سے مربی ہیں ویسے ہی نبیوں کے حق میں بوجہ نبی الانبیاء ہونے کے مربی ہیں۔ حضورؐ کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخشی بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپؐ کے سامنے آگیا نبی ہوگیا۔ اسی طرح نور نبوت آپؐ ہی سے اور آپؐ ہی پر لوٹ کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس کے مؤید علماء ہیں۔ نبوت بالذات اور رتبی ختم نبوت کو جس طرح علامہ شبیر احمد عثمانی اختصار کے ساتھ واضح کیا ہے نانوتوی فلسفے کی تفہیم میں اب کسی قسم کی بھی الجھن باقی نہیں رہتی۔ اس تحریر کا آخری جملہ ... "اور جن کو نبوت ملی ہے آپؐ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے" اس میں ابن عربی کے نظریہ حقیقت محمدیہ کی پوری ترجمانی کی گئی ہے۔ ابن عربی اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں فکل نبی من لدن اٰدم الی اٰخر نبی مامنهم احد یاخذ الا من مشکاۃ خاتم النبیین وان تأخر وجود طینته فانه بحقیقته موجود (فصوص الحکم فص شیث ص ۶۹) (ترجمہ) حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک ہر نبی کو خاتم النبیین کی مشکاۃ سے نبوت ملی ہے اگرچہ آپؐ کا عنصری وجود سب سے متاخر ہی کیونکہ آپؐ اپنی حقیقت سے سب سے قبل موجود تھے"۔ اور فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں ان مستمد جمیع الانبیاء والمرسلین من روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم (الیواقیت والجواہر ص ۲۰ ج ۲) روح محمدی سے مراد حقیقۃ محمدیہ ہے۔

ختم ہوگیا اور یہی شان خاتم کی ہوتی ہے کہ اسی سے اس کے وصف خاص کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور اسی پر انتہا بھی ہوجاتی ہے۔ اس لیے ہم آپؐ کو وصفِ نبوت کے لحاظ صرف نبی ہی نہیں کہیں گے بلکہ خاتم النبیین کہیں گے کہ آپؐ ہی پر تمام انوارِ نبوت کی انتہا ہے جس سے آپ منتہائے نبوت ہیں آپؐ ہی سے نبوت چلتی ہے اور آخر کار آپؐ پر ہی عود کرتی ہے۔

پس آفتاب کی تمثیل سے آفتاب نبوت

نبوت کا مبدا بھی ثابت ہوتا ہے اور منتہا بھی۔ نبوت میں اول بھی نکلتا ہے اور آخر بھی۔ فاتح بھی اور خاتم بھی چنانچہ آپؐ نے اپنی نبوت کی اولیت کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا ہے کنت نبیا و ادم بین الروح والجسد" میں نبی بن چکا تھا جب کہ آدم ابھی روح وجسم کے درمیان ہی میں تھے۔ یعنی ان کا خمیر ہی کیا جا رہا تھا اور ان کی تخلیق مکمل بھی نہیں ہوئی تھی" جس سے واضح ہے کہ آپؐ انبیاء کے حق میں بمنزلہ اصل کے ہیں اور باقی انبیاء آپؐ کی نسبت بمنزلہ فرع کے ہیں کہ ان کا علم اور خلق آپؐ کے فیض سے ظہور پذیر ہوا۔" آفتاب نبوت ص۸۱ ۸۲ از قاری طیب)

مصدر کائنات اور فلسفہ لولاک کی قاری طیب صاحب اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:۔

"اگر آپؐ دنیا میں تشریف نہ لاتے تو نہ صرف یہی کہ آپؐ نہ پہچانے جاتے بلکہ عالم کی کوئی چیز بھی اپنی غرض و غایت کے لحاظ سے نہ پہچانی جاتی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔" (آفتاب نبوت از قاری طیب صـ۹۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق میں حقیقتِ محمدیہ کا تصرّف

حقیقت محمدیہ کو مصدر کائنات اس لیے کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز حقیقتِ محمدیہ سے نکلی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ باپ کے بغیر پیدا ہونا خلاف فطرت ہے۔ جناب قاری طیب اس لاینحل عقدے کو اس طرح حل فرماتے ہیں:۔

"حضرت عیسیٰ شبیہِ محمدی کی اولاد ہیں۔ چنانچہ بتصریح قرآن جبریل علیہ السلام نے کامل الخلقۃ کی صورت میں نمایاں ہوکر مریم پاک کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ حاملہ ہوئیں تو اس وقت حضرت جبریل صورت محمدی میں تھے اور ہر صورت اپنے مناسب ہی حقیقت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے یہ صورتِ محمدی کمالاتِ محمدی کی متقاضی تھی، اگر وہ

اس وقت جبریل کا چولہ پہنے ہوئے تھی اور انہوں نے گویا اُس صورت میں حقیقتِ محمدیہ کی نوعیت کو لے کر مریم پاک کے گریبان میں پھونک ماری جس سے مسیح علیہ السلام کا ماں کے پیٹ میں وجود ہوا۔ جس کے معنی یہ ہوئے گویا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حقیقت میں بواسطہ شبیہ محمدی خود حقیقتِ محمدیہ کی نوعیت شامل تھی۔"

(آفتاب نبوت از فاری طیب ص۴۷)

صفحات گزشتہ پر جو فاری طیب کی عبارت درج ہے اس کی وضاحت:

"نبی الانبیاء کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نبیوں کے مربی ہیں"

از فاری طیب ص۶

عالم ارواح میں آپؐ کی ذات نبیوں کی روحوں کی کس طرح تربیت فرماتی تھی شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ التالیف قلب الالیف بکتابۃ فہرس التوالیف میں اس تربیت کی اس طرح تشریح فرماتے ہیں:۔

"سارے پیغمبر نیچے اتر کر حضورؐ کے مدرسہ میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے مکتب میں شاگرد بنے۔ ہر ایک نبی نے علم کی ایک کتاب اور دین کا ایک ایک باب حضورؐ سے پڑھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر دنیا کو فیض دینے کے لیے مسندِ نبوت پر

جاگزیں ہوئے اور اللہ کے احکام کی مخلوق کو تعلیم دی۔ ان رسولوں میں سب سے پہلے حضرت آدم تھے جو والد ہونے کے باوجود اپنے سچے فرزند کے مدرسہ میں باادب دوزانو بیٹھے تمام زبانیں اور چیزوں کے نام حضورؐ سے سیکھے پھر خلافتِ الٰہیہ کی مسند پہ جاگزیں ہوئے اور ملائکہ مقربین کی تعلیم و تربیت فرمانے لگے جس سے حضرت آدم کا حق استادی سارے فرشتوں پہ ثابت ہوا اور آخر کار ان کے مسجود بن گئے۔"

(حوالہ رسالہ نور از مفتی احمد یار گجراتی ص۴۱)

اسی طرح اس کی مختصر بحث مدارج النبوۃ میں درج ہے

"حضورؐ کی شان محض نبوت ہی نہیں بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے۔" از قاری طیب ص۶

اس کا مفہوم واضح ہے۔ نبوت عطا کرنے کا اختیار آپؐ کے قبضہ میں ہے۔ جب عطا کرنے کا اختیار آپؐ کے قبضہ میں ہے تو نبوت کے لیے کسی کا انتخاب کرنا بھی آپؐ کے اختیار اور مرضی پر موقوف ہوگا۔ جب عطا کرنے کا اختیار ہے تو نبوت سلب کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

"خاتم کی شان یہ ہے کہ نور نبوت آپؐ سے ہی چلا اور آپؐ پر لوٹ کر ختم ہوگیا۔" از قاری طیب ص۶)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کی نبوت اصل میں مصدر نبوت ہے اسے ذاتی نبوت بھی کہتے ہیں۔ تمام نبیوں کی نبوت کا اجراء اسی مصدر

نبوت سے ہوا ہے۔ اسے یہ ختم نبوت کہتے ہیں۔ اجراء کے بعد نبوت کے جتنے حصے نبیوں میں پھیل کر منتشر ہو گئے تھے جب آپ عنصری وجود میں ظاہر ہوئے وہ تمام منتشر حصے لوٹ کر دوبارہ آپؐ کی ذات میں جمع ہو گئے۔ اسے یہ لوگ ختم زمانی کہتے ہیں۔ المہند میں ہے باقی تمام نبیوں کی نبوت بالعرض ہے اور آپ کی نبوت بالذات۔ جو چیز بالعرض ہوتی ہے وہ بالذات چیز پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے سلسلہ نہیں چل سکتا۔ (صـ)

ان اوراق میں تفصیل کے ساتھ بحث نہیں ہو سکتی۔ اختصار کے ساتھ عرض یہ ہے کہ بالذات نبوت سے جب بالعرض نبوت کا اجرا ہو سکتا ہے۔ اس اجرا کے بعد جتنے انبیاء اپنی بالعرض نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ اس اجراء کا قانون ان ہی انبیاء کی تعداد تک محدود ہے۔ یا اس بالذات نبوت میں اس سے زیادہ استعداد بھی موجود ہے کہ دوسرے بالعرض نبیوں کے لیے بھی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اگر گنجائش موجود ہے تو دوسرے افراد کی نبوت بالعرض کا احتمال بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر گنجائش موجود نہیں تو آپؐ کو نبوت بخش کہنا غلط ہو جائے گا جس سے آپؐ کی بالذات نبوت میں بھی نقص آ جائے گا۔ نبوت بالعرض کا اجرا جب حضرت آدمؑ سے شروع ہوتا ہے تو آپؐ کی نبوت بالذات کے مرتبے کو آپؐ کی روح پر ماننا پڑے گا۔ ورنہ ان متاخر انبیاء کو نبوت بالعرض کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے اس وقت جو آپؐ کی روح کو نبوت

بالذات کا مرتبہ حاصل ہے۔ آپ اس نبوت کو تشریعی نبوت کہیں گے یا غیر تشریعی۔ اگر آپ اسے تشریعی نبوت کہیں گے تو اس روحانی نبوت پر قرآن کا نزول بھی ماننا پڑے گا۔ اور اگر آپ اسے غیر تشریعی نبوۃ کہیں گے دنیا میں جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں وہ سب کے سب تشریعی نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔ آپؐ کی اس غیر تشریعی نبوت سے ان نبیوں کی تشریعی نبوت کا کیسے اجراء ہو سکتا ہے۔ قاعدہ ہے جو مادہ مصدر میں ہوتا ہے وہ مادہ اس کے تمام مشتقات میں موجود ہونا ضروری ہے دوسرا سوال یہ ہے۔ یہ ظاہر ہے جس وقت آپؐ کی روح کو نبوۃ بالذات کا درجہ ملا تھا، اس کے ساتھ قرآن نازل نہیں ہوا تھا۔ اور جب آپؐ کے وجود عنصری کو نبوت ملی تھی تو اس نبوت کے ساتھ قرآن بھی نازل ہوا تھا جس نبوت کے ساتھ قرآن نہیں اترا تھا اس نبوت کو آپ حضرات نبوۃ بالذات کہتے ہیں اور جس نبوت کے ساتھ قرآن اترا ہے بھلا آپ اس نبوۃ کو کیا کہیں گے۔

بعض کہتے ہیں کہ نبوت کا آغاز تو عالم ارواح میں ہو چکا تھا لیکن اس کا اظہار اس وقت کیا گیا ہے جس وقت آپؐ کے وجود عنصری پر قرآن نازل ہوا تھا۔ یہ عجیب جواب ہے۔ دیکھیے اظہار نبوت کے لیے تو سارا قرآن اتارا جائے اور آغاز نبوت کے لیے جو نبوت بالذات کے درجے میں داخل ہے اس کے لیے ایک نص قطعی بھی نہ اتاری جائے۔ دوسرا آپ کہتے ہیں کہ آپؐ عالم ارواح میں تمام نبیوں کے

مربیؐ[1] تھے۔ اگر آپؐ عالم ارواح میں نبیوں کی تعلیم و تربیت کرتے تھے آپ یہ بتلائیں یہ تعلیم نبوت کے علوم سے تعلق رکھتی تھی یا کوئی دوسری تعلیم تھی۔ دوسرا یہ کہ یہ تعلیم آپؐ وحی کے ذریعے کرتے تھے یا غیر وحی کے ذریعے۔

حیاۃ بالذات کا مفہوم

حضرت نانوتوی لکھتے ہیں :۔

"حیات نبوی اور حیات مومنین میں فرق ہے۔ یعنی حیاتِ نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں۔ اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے۔ اس لیے موت کے وقت حیاتِ نبوی زائل نہ ہوگی بلکہ مستور ہو جائے گی۔"

(آب حیات ص۶)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے چونکہ یہ حضرات آپؐ کی ذات کو حقیقۃِ محمدیہ کی وجہ سے روح الاکوان[2] اور معدن حیات کہتے ہیں۔ کائنات کے

---

[1] تمام نبیوں کے مربی تھے۔ آفتاب نبوت از قاری طیب ص۱۸۔ عقیدۃ الامۃ از خالد محمود ص۲۴۔

[2] مطالع المسرات میں ہے هو صلی اللہ علیہ وسلم روح الاکوان وحیاتها وسر وجودها ولولاه لذهبت وتلاشت۔ حضور اقدس (باقی بر صفحہ آئندہ)

اندر ہر چیز اپنا ایک وجود رکھتی ہے۔ وہ اس لیے وجود رکھتی ہے کہ حقیقتِ محمدیہ اس کے وجود کو قائم اور باقی رکھے ہوئے ہے۔ اسی طرح موت کا بھی ایک وجود ہے اس کے وجود کا بقا بھی حقیقت محمدیہ پر موقوف ہے۔ اس لیے موت کا وجود بالذات نہیں بلکہ وجود بالعرض ہے اور ذاتِ نبویہ چونکہ روح الاکوان ہے اس لیے آپؐ کا وجود حیات بالذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس لیے موت کا تصرف بوجہ عرضیت کے ذاتِ نبویہ کی حیاۃ کو سلب نہیں کر سکتا۔ چونکہ دوسرے انسانوں کی حیات بالعرض ہے۔ اس لیے ان کی حیات موت کے وقت زائل ہو سکتی ہے۔ یہی مفہوم ہے حیات بالذات کا کہ آپؐ کی حیات موت کے وقت زائل نہ ہو گی بلکہ مستور ہو جائے گی۔ یہی عقیدہ علماء دیوبند کے عقائد میں شامل ہے۔ وہ اس کا اس طرح مفہوم ادا کرتے ہیں :۔

"آپؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور آپؐ کی یہ حیات دنیا جیسی ہے۔" (المہند فی عقائد علماء دیوبند صفحہ ۱)

مرتبی نبوت سے نبوۃ بالعرض کا اجراء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تمام عالم کی روح اور باعث حیات ہیں۔ تمام کائنات کے وجود کا اصلی سبب آپؐ ہیں۔ حضور نہ ہوں تو یہ سارے جہان نیست و نابود ہو جائے۔

حضرت نانوتوی کی ایک عبارت پر مرزائیت اور احمد رضا بریلوی کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے بعد دوسرے نبی بھی آسکتے ہیں۔ پھر اس پر طرفین کے درمیان مناظروں۔ تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اتنی لے دے ہوتی رہی کہ جس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو اس میدانِ کارزار میں زور آزمائی کرتے رہے ہیں۔ وہ عبارت یہ تھی جو حضرت نانوتوی کی تحذیر الناس میں درج ہے۔ حضرت نانوتوی خاتمیتِ مرتبی کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:۔

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

(تحذیر الناس ص ۲۴)

یہ صحیح ہے کہ مخالفین کی طرف سے جو اس عبارت پر گرفت کی گئی ہے وہ بالکل خام ہے۔ ان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ خاتمیت مرتبی کو خاتمیت زمانی پر محمول کر کے گرفت کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ خاتمیتِ زمانی کے بعد اگر کوئی دوسرے نبی کے آنے کا قائل ہو تو حضرت نانوتوی اس کا صریح انکار کرتے ہیں۔ مولانا محمد منظور نعمانی احمد رضا بریلوی کے اعتراض کا جواب اس طرح دیتے ہیں:۔

" ان دونوں فقروں میں حضرت نانوتوی صرف خاتمیتِ ذاتی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بالفرض

آپؐ کے زمانہ میں یا آپؐ کے بعد اور کوئی نبی ہو تب بھی آپؐ کی اِس خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ رہی خاتمیت زمانی اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں اور نہ کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے ہونے سے خاتمیت زمانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔" (فیصلہ کن مناظرہ از مولانا محمد منظور نعمانی ص۴۹)

علامہ خالد محمود صاحب مرزائیوں کے اعتراض کا اس طرح جواب دیتے ہیں :۔

"یہ عبارت بھی ختم زمانی کے بیان میں نہیں بلکہ ختم نبوت ذاتی اور مرتبی کے بیان میں ہے یعنی اور کسی نئے نبی کی آمد پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت مرتبی کے خلاف نہیں۔"

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

"ختم نبوت مرتبی تو آپؐ کو اُس وقت حاصل تھی جب کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی خلعت نبوت سے سر فراز نہ ہوئے تھے۔ اور اس ختم نبوت مرتبی کے ہوتے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے معلوم ہوا کہ ختم نبوت مرتبی اپنی ذات کے اعتبار سے اور نبیوں کو مانع نہیں۔" (عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم النبوۃ ص۵۵ و ۵۶)

اب رہا یہ کہ حضرت نانوتوی کے نزدیک ختم نبوت مرتبی کا کیا مفہوم ہے۔ علامہ خالد محمود اس مفہوم کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:۔

"یہ مرتبہ آپؐ کو اس وقت بھی حاصل تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی روح و جسم کے درمیان تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس جہان میں بھی تمام انبیاء کی روحوں کی استاد تھی اور علوم الٰہیہ کا ان پر فیضان فرما رہی تھی۔ آپؐ اُس جہان میں بالفعل[1] نبی تھے اور باقی نبیوں کی نبوت صرف اللہ کے علم میں تھی ظاہر نہ تھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح رب العزۃ کے سامنے ایک نور کی صورت میں تھی جب یہ نور اللہ کی تسبیح کرتا تو تمام فرشتے تسبیح[2] پڑھتے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب نبوت ختم تھے۔ اور اس ختم نبوت مرتبی کے ہوتے ہوئے تمام انبیاء کرام یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے"۔

(عقیدۃ الامۃ از خالد محمود ص۵۴)

مولانا محمد منظور نعمانی خاتمیت مرتبی کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

" اس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں اور دوسرے

۱؎ مدارج النبوۃ۔ ج ۲ ص

۲؎ شفاء قاضی عیاض ص$\frac{61}{17}$ عن ابن عباس۔

انبیاء علیہم السلام بالعرض اور آپؐ کے واسطے سے۔ یعنی حضور علیہ السلام کو بغیر کسی واسطے کے کمالاتِ نبوت عطا فرمائے گئے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور سراپا نور کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بالذات نبی بنایا۔ آپؐ اپنی نبوت میں کسی دوسرے نبی کے محتاج نہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نبی بالعرض بنایا یعنی ان کو کمالاتِ نبوتِ محمدیہ کے واسطے سے عطا فرمائے۔ اور وہ اپنی نبوت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں۔ اور ان کی نبوت آپؐ کی بارگاہِ نبوت سے مستفاد ہے۔" (سیفِ یمانی از مولانا منظور نعمانی ص۳۲)

ان عبارتوں کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی ہے کہ حضرۃ نانوتوی جس خاتمیتِ محمدی کے بعد کسی نبی کے ہونے کا امکان ظاہر کر رہے ہیں، اس خاتمیت سے مراد مرتبی ختمِ نبوت ہے نہ کہ زمانی ختمِ نبوت۔ اور یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ نبوت بالذات اور نبوت بالعرض کا مفہوم کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نبوت بالذات اور نبوت بالعرض کی اصطلاح یا یہ نظریہ کہاں سے ماخوذ ہے۔ علامہ خالد محمود اس اعتراض کا جواب اور اس کے ماخذ کی اس طرح دلیل پیش کرتے ہیں:-

"بعض ناواقف مسلمان اعتراض کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے اصلی اور ذاتی کے الفاظ مولانا نانوتوی سے پہلے کسی نے استعمال نہیں کیے۔ جواباً عرض ہے کہ

شیخ ابوعثمان فرغانی سے علامہ فاسی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے تمام الفاظ نقل کیے ہیں، فرماتے ہیں:۔
فلم یکن داع حقیقی من الابتداء الی الانتہاء الا ھذہ الحقیقۃ المحمدیۃ۔ اس میں آپؐ کے اصلی نبی ہونے اور نبی الانبیاء ہونے وغیرہ کی تمام تفصیلات مرقوم ہیں۔ (دیکھیے مطالع المسرات ص۱۰۶ شرح اسم داعی مطبوعہ مصر) (عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم النبوۃ ص۵۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مرتبی نبوت جس سے انبیاء کی نبوت بالعرض کا صدور ہوتا ہے اس کا ماخذ حقیقتِ احمدیہ (حقیقتِ محمدیہ) ہے۔ مرتبی نبوت کی وجہ سے آپؐ صرف اس امت کے رسول نہ کہلائیں گے بلکہ آپؐ کی نبوت کون و مکان زمین و زماں کو شامل ہوگی۔

حضرت نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:۔

"تاکہ اشارہ شناسانِ حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپؐ کی نبوت کون و مکان زمین و زمان کو شامل ہے۔"

(تحذیر الناس ص۱۹)

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں:۔

"یہ ختم نبوت مرتبی ہے جو زمان و مکان[1] سے عام ہے۔"

اور نیچے حاشیہ میں اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں:۔

[1] "ہر نعمت چھوٹی ہو یا بڑی۔ روحانی ہو یا جسمانی۔ ازل سے ابد تک ساری کائنات پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ فیضان سے منقسم ہو رہی ہے۔

جیسے سورج کی روشنی سارے عالم کی روشنیوں کی اصل ہے۔ تمام جہانوں میں خواہ وہ ملاء اعلیٰ ہوں یا بساط ارضی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات ہی اصل وجود اور اصل نبوت ہے۔ بھلا جو ہستی زمان و مکان کی بھی اصل ہو اس کے لیے فقط زمانے کی تقدیم و تاخیر کوئی خاص معیار فضیلت کیسے ہوسکتی ہے بلکہ اس تاخیر زمانی کے ساتھ تمام سلسلہ کمالات بھی اسی ذات مقدسہ پر ہونا ضروری ہے۔ اور ختم نبوت زمانی کے ساتھ ختم نبوت کا اقرار بھی لازم ہے۔"

(عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم النبوۃ از خالد محمود ص۵۲)

عبارت بالا میں ازل سے ابد تک۔ اصل وجود۔ اصل نبوت۔ زمان و مکان کی اصل۔ ان جملوں کے معانی کو اپنے ذہن میں حاضر رکھیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ تمام عبارت ہو بہو اس عبارت کی ترجمانی کر رہی ہے جو ہم نے حضرت مدنی کی کتاب الشہاب الثاقب کے حوالے سے پچھلے اوراق میں درج کی ہے۔ دوسرے اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح آپؐ کا وجود زمان و مکان کی اصل اور اصل وجود بھی ہے مولانا محمد منظور نعمانی اسے ذرا کشادہ کر کے بیان کرتے ہیں:۔

"آپؐ نبی بالذات ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام بالعرض۔ اس اصطلاح میں صرف مولانا نانوتوی ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ بہت سے اگلے علماء محققین بھی اس کی تصریح فرماتے ہیں۔ ان کی عبارات نقل کر کے ہم کتاب کو ضخیم بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ خود

احمد رضا خاں بریلوی نے بھی اس مسئلہ کو اس طرح لکھ دیا ہے کہ اس کے بعد کسی دوسرے کی عبارت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فاضل بریلوی اپنے رسالے "جزاء اللہ عدوہ" کے ص۲۳ پر لکھتے ہیں :۔

" اور نصوص متواترہ اولیاء کرام و ائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر۔ صغیر یا کبیر۔ جسمانی یا روحانی دینی یا دنیوی۔ ظاہری یا باطنی۔ روز ازل سے اب تک۔ اور اب سے قیامت تک۔ قیامت سے آخرت تک۔ آخرت سے ابد تک مومن یا کافر۔ مطیع یا فاجر۔ ملک یا انسان۔ جن یا حیوان۔ بلکہ تمام ماسوی اللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی انہوں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی۔ یہ سر الوجود اور اصل الوجود۔ خلیفۃ اللہ الاعظم و ولی نعمت عالم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم وسلم"۔

(رسالہ جزاء اللہ عدوہ از احمد رضا ص۲۳)

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عالم میں جو کچھ نعمت روحانی یا جسمانی۔ دنیوی یا دینی۔ ظاہری یا باطنی کسی کو ملی ہے وہ آپؐ ہی کے دستِ کرم کا نتیجہ ہے اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی نعمت ہے لہذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو آپؐ کے واسطہ سے ملی ہے۔ اسی حقیقت کا نام نانوتوی صاحب کی اصطلاح میں خاتمیت ذاتی اور خاتمیت مرتبی ہے"۔ (فیصلہ کن

مناظرہ از محمد منظور نعمانی ص۶۵)

مولانا محمد منظور نعمانی نے نبوت بالذات کی الجھن کو بالکل صاف کر دیا ہے کہ اس اصطلاح میں صرف نانوتوی صاحب ہی متفرد نہیں بلکہ اگلے محققین بھی اس کی تصریح فرماتے ہیں۔ پھر محققین کی عبارتوں کو اس لیے نقل نہیں کرتے کہ جو کچھ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے لکھ دیا ہے اس کے بعد ان محققین کی عبارتوں کو نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس سے اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہو گئی ہے کہ جن محققین سے حضرۃ نانوتوی نے یہ نظریہ اخذ کیا ہے احمد رضا خاں بریلوی کے نظریے کا ماخذ بھی وہی محققین ہیں۔ اب حضرت مدنی صاحب کی وہ عبارت جو آپ نے الشہاب الثاقب میں لکھی ہے اور وہ عبارت جو علامہ خالد محمود نے عقیدۃ الامۃ میں لکھی ہے اور ان کے ساتھ احمد رضا خاں بریلوی کی یہ عبارت بھی ملائیں۔ تینوں کا خلاصہ ایک ہی نکلتا ہے کہ آپؐ کی ذات جس طرح اصل نبوت ہے اسی طرح وجود کائنات کی اصل بھی آپؐ ہیں۔ کائنات کے ذرے ذرے کو وجود کی نعمت ملی ہو یا کسی اور چیز کی یہ سب نعمتیں آپؐ ہی کے دستِ کرم کا نتیجہ ہیں۔ احمد رضا خاں بریلوی اسے اپنی دوسری کتاب میں جامع اور مختصر کر کے لکھتے ہیں :-

"یہ جہان جس طرح ابتدائے آفرینش میں آپؐ کا محتاج تھا، جیسا کہ لولاک لما خلقت الدنیا۔ یوں ہی یہ جہان بقا میں بھی آپؐ کا محتاج ہے۔ اگر آپؐ کا قدم درمیان سے نکال لیں تمام جہان ابھی ابھی

فنائے مطلق ہو جائے ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

(الامن والعلیٰ ص ۲۷)

علامہ سید احمد سعید کاظمی جو اس دور میں بریلوی فلسفے کے امام المتکلمین ہیں دیکھیے اس نظریے کو کس طرح بیان کرتے ہیں :۔

"اس حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل کائنات ہیں۔ آپ کی حیاتِ مقدسہ آسمانِ وجودِ ممکنات کا چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ مخلوقات کے تمام انواع واقسام وافراد بمنزلہ آئینوں کے ہیں۔ ہر آئینہ اپنے مقام پر مخصوص کیفیت اور جداگانہ قسم کی استعداد کا حامل ہے۔ اس لیے ہر فرد اپنے حسبِ حال اس آفتابِ حیات سے اکتسابِ حیات کر رہا ہے۔ خلق وامر۔ اجسام وارواح۔ اعیان ومعانی۔ ارض وسماء۔ تحت وفوق۔ سب کا نورِ حیات اسی آفتابِ حیاتِ محمدی کی شعاعیں ہیں۔ البتہ عالم ممکنات کا اس معدنِ حیات سے قرب وبُعد اور افرادِ کائنات میں استعداد کی قوت وضعف مراتبِ حیات میں ضرور موجب تفاوت ہے نفسِ حیات سب میں پائی جاتی ہے۔ لیکن ہر ایک کی حیات اس کے حسبِ حال ہے۔ مومن ہو یا کافر۔ نیک ہو یا بد۔ ہر ایک کا

ہر ایک کا مبدأ فیض آپؐ کی ذات ہے۔ اور حضورؐ کے آفتاب حیات سے ہر ایک مومن میں حیات کی روشنی پائی جاتی ہے۔ آفتاب غروب ہو جائے تو تمام آئینے نور سے محروم ہو جائیں آئینوں میں نور کا پایا جانا آفتاب کے چمکنے کی دلیل ہے۔ اسی طرح عالم ممکنات کے کسی ایک ایک ذرّہ میں نور حیات کا پایا جانا آفتاب حیاتِ محمدی کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔"
(حیات النبی از کاظمی صاحب ص۹)

نبوت کا انقطاع اور اس کا اجراء

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ علماء دیوبند کا نظریہ نبوت ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود سے ماخوذ ہے جس کے تحت ابن عربی عقل اول کو حقیقۂ محمدیہ کہتا ہے۔ مولانا محمد ادریس محدّث کاندھلوی نے اپنی مشہور کتاب مسک الختام فی ختم النبوۃ میں اس پر ایک نفیس تحقیق لکھی ہے۔ اس تحقیق انیق سے اہل علم ان نظریات کے حقائق سے اچھی طرح آگاہ ہو سکتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :- ؎

کل ما فی الکون وہم او خیال
او عکوس فی المرایا او ظلال

موجود حقیقی صرف ایک واجب جلّ مجدہٗ کی ذات بابرکات ہے

اور باقی سب معدوم۔ سوائے باری تعالیٰ کے کسی کا وجود حقیقی نہیں۔ سب کا وجود مجازی اور موہوم ہے۔ حقیقی وجود کی تو کسی ممکن نے خوشبو تک نہیں سونگھی اور سونگھ بھی نہیں سکتے[۱] جس طرح زمین اپنی اصل ذات کے اعتبار سے مظلم اور تاریک ہے اور جو روشنی ہے وہ آفتاب کا ایک عکس اور پرتو ہے اسی طرح سارا جہان اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے نورِ وجود سے بالکل محروم اور عاری ہے۔ عدم اور فناء کے سوا اِس عالَم کی کوئی حقیقت نہیں کل شئ ھالك الا وجھہ[۲]۔ عدم اور فناء کو ممکن کی عین حقیقت یا ذاتیات سے قرار دو یہ کیسی صورت میں عدم ممکن سے جدا نہیں ہو سکتا۔ ہر ممکن کو عدم کا ایک آئینہ سمجھو

---

[۱] اس میں ابن عربی کے نظریہ اعیان ثابتہ کی تشریح ہے۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں ما شمت الاعیان رائحۃ الوجود (فصوص الحکم) باقی تمام تحریر میں نظریہ وحدۃ الوجود کی تشریح کی گئی ہے۔ اعلام متقابلہ نے اعیانِ ثابتہ کو قبول کیا۔ وحدۃ الشہود کا نظریہ یہی ہے۔

[۲] اس آیت سے کائنات کو موہوم و معدوم قرار دینا غلط ہے۔ شاہ عبد العزیز نے لکھا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز آئندہ ہلاک ہو جائے گی۔ یہ مراد نہیں کہ ہر چیز بالفعل ہلاک ہے۔
(فتاویٰ عزیزی ص۱۱۵ ج۱)

جس میں واجب الوجود کے وجود ازلی اور صفاتِ کمالیہ منعکس ہو رہی ہیں۔ نور السموات والارض نے اپنے جمالِ جہاں آرا۔ اور نورِ وجود کو کسی آئینے میں دیکھنے کا ارادہ فرمایا[1] اس لیے بے چون وچگون وجہ کو اس آئینہ عدم کی طرف متوجہ فرمایا۔ ہر عدم نے اپنی اپنی استعداد اور فطرت کے مناسب اس کے وجود ازلی اور صفاتِ کمال کے عکس کو قبول کیا۔ جس عدم پر وجود واجب کا عکس پڑتا رہا وہ موجود کہلانے لگا۔ جس کے وجود کی حقیقت عکس اور پرتو سے زائد نہیں۔ جیسا کسی نے خوب کہا ہے ؎

کل ما فی الکون وھم او خیال
او عکوس فی المرایا او ظلال[2]

ابتداء آفرینش سے اسی طرح سلسلہ جاری رہا کہ وجودِ ازلی اور صفاتِ قدمیہ کا عکس ممکنات کے عدم پر وقتاً فوقتاً اور متفرقاً پڑتا رہا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس خلاصۂ موجودات

---

[1] یہ نظریہ کنتُ کنزاً مخفیاً کی موضوع حدیث سے ماخوذ ہے۔ نیز اس کا اصل ماخذ ہنود کے دید ہیں۔ ویدوں میں لکھا ہے کہ اپنے ظہور کے لیے خدا کے اندر خواہش پیدا ہوئی۔

[2] اس شعر کی وضاحت لوائح جامی میں موجود ہے۔

اور خلاصۂ عالم یعنی انسان کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا تاکہ ذاتِ الٰہیہ کا مجموعۃً مظہر اور تجلی گاہ بن سکے [۱] جیساکہ حدیث میں ہے خلق اللّٰہ اٰدم علیٰ صورتہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ عارف رومی فرماتے ہیں ؎

پس خلیفہ ساخت صاحب سینہ
تا بود شاہیش را آئینہ

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی خلافت کے لیے اس لیے خاص فرمایا کہ آدمی ایک جامع نسخہ ہے جو کمالات تمام موجودات میں متفرق طور پر موجود ہیں وہ تنہا انسان میں اجتماعی طور پر موجود ہیں۔ علوی سفلی ارضی اور سماوی۔ روحانی اور حیوانی تمام کائنات کے نمونے اس میں موجود ہیں۔ انسان عالمِ امکان کا تو حقیقۃً خلاصہ اور اجمال ہے۔ اور مرتبہ وجوب سے بطریق صورت (یعنی عکس) اس کو حصہ ملا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی صفاتِ واجبہ کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ جیساکہ حدیث میں ہے ان اللّٰہ خلق اٰدم

---

[۱] انسان ذاتِ الٰہیہ کا مجموعۃً مظہر ہے۔ اس نظریے کی تشریح فصوص الحکم کی فص آدم میں ابن عربی نے کی ہے۔

علیٰ صورتہ[1] تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں بے چون و چگون ہے اور روح آدم کو اپنی شان بے چونی وبچگونی کی ایک تصویر و نمونہ بنایا کسی کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کی صورت پر ہو۔ اور چونکہ روح کو بے چون و بچگون کی صورت پر پیدا کیا اس لیے حقیقی بے چون و چگون کی گنجائش اس میں ہو سکی جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبد المؤمن[2] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھ کو نہ میری زمین سما سکتی ہے اور نہ میرا آسمان لیکن میرے مومن بندہ کا دل مجھ کو سما سکتا ہے یعنی میرے عکس اور تجلی کو برداشت کر سکتا ہے۔

قلب مومن کی اس لیے تخصیص فرمائی کہ بے چونی اور بچگونی کی صورت پر مومن کا قلب ہی رہتا ہے۔ بخلاف کافر کے کہ اس کا قلب چونی اور چندی میں گرفتار ہو کر وحوش اور بہائم کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات مجددیہ صفحہ ۳۹ ج ۱)

---

[1] علیٰ صورتہ کا ترجمہ غلط ہے۔ اور محدث ابن خزیمہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث عقائد میں حجت نہیں ہو سکتی۔ (کتاب التوحید)

[2] لا یسعنی کی حدیث موضوع ہے۔ امام سیوطی لکھتے ہیں لا اصل لہ۔ (الدرر المنتثرۃ)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں لیس کمثلہ شئ۔ لیکن اس کے لیے مثال ضرور ہے ولہ المثل الاعلیٰ[1] اور حدیث میں یہ ارشاد خلق آدم علی صورتہ اس سے مقصود حق تعالیٰ کی مثال بیان کرنا ہے نہ کہ مثل۔ یعنی انسان حق تعالیٰ کی حیات اور علم و قدرت اور سمع و بصر اور ارادہ و تکلّم کی ایک مثال ہے۔ اور انسان حق تعالیٰ کی ان صفاتِ سبعہ کا ایک عجیب نمونہ ہے۔ یہ تمام صفات انسان کے چہرہ سے بیک وقت نمایاں ہیں۔ انسان اگر ان صفات کے ساتھ متصف نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کا اِن صفات کے ساتھ متصف ہونا کیسے سمجھا جاتا۔ (المضنون بہ علی غیر اہلہ از غزالی) مثال سے مقصود محض تعلیم و تفہیم ہوتی ہے۔ اس لیے بارگاہِ خداوندی میں مثال دینے کی اجازت دی گئی ہے ورنہ اس کی ذات اس سے بھی پاک اور منزّہ ہے۔ آمدم بر سر مطلب[2] پس جس طرح حق تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا انعکاس ممکنات

---

[1] ولہ المثل الاعلیٰ کا یہ مفہوم غلط ہے۔

[2] ہم نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس کا ماخذ وحدۃ الوجود ہے۔ یہاں دیکھیے اس بحث میں پہلے وحدۃ الوجود کو بطور دلیل بیان کیا گیا ہے اب کمال نبوت کے انعکاس کو اس کا مدلول بنا کر نبوۃ بالذات کے فلسفے کی تشریح کر رہے ہیں۔

اور کائنات پر ہوتا ہے اسی طرح کمالاتِ نبوت کا انعکاس قلوبِ امم پر اپنی اپنی استعداد کے موافق ہوتا ہے۔ جس طرح آئینہ اور پتھر اپنی اپنی قابلیت اور ذاتی استعداد کے موافق آفتاب کی روشنی قبول کرتے ہیں اسی طرح امتی بھی اپنی اپنی استعداد کے موافق آفتابِ نبوت کی شعاعوں کا عکس قبول کرتے ہیں جس ذاتِ بابرکات کو حق تعالیٰ اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتے ہیں وہ ذات ان صفاتِ کمال کا معدن اور منبع ہوتی ہے جو کہ ذاتِ ممکن کے لیے ممکن ہے۔ نبی کی ذات صدیقیت اور محدثیت اور تفہیمِ الٰہی۔ امامت اور حکمت۔ علم لدنی اور علم معرفت۔ تزکیہ اور ہدایت اور تائید بروح القدس اور خلافت اور ہدی صالح اور سمتِ حسن اور رؤیا صالحہ اور تمام اخلاقِ حسنہ کی جامع ہوتی ہے۔ نبی کی ذات ان تمام کمالات کے ساتھ بالذات متصف ہوتی ہے اور باقی تمام امت اسی آفتاب کے انعکاس سے ان صفات سے بقدر اپنی استعداد کے بالعرض منور اور روشن ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی مناسبت اور استعداد اور قابلیت کے موافق آفتاب کے انوار و تجلیات کا عکس قبول کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کمالات صوریہ اور معنویہ اور احوال ظاہری اور باطنی دونوں کی جامع تھی۔ احوالِ

باطنی کہ جس میں من جانب اللہ حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا ہے لسانِ شریعت میں اس کو ولایت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور احکام ظاہری کہ جس میں حلال و حرام کے احکام امت کو بتلائے جاتے ہیں ان احکام کا مجموعہ شریعت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ولایت کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہوتا ہے اور شریعت کا تعلق دوسروں سے ہوتا ہے۔ اس لیے احکام شریعت دوسروں پر حجت ہیں نہ کہ احکام ولایت۔ ولایت حجت لازمہ ہے بشرطیکہ قواعد شریعت کے خلاف نہ ہو اور شریعت حجت ملزمہ ہے جس سے دوسروں پر الزام اور حجت قائم ہوتی ہے۔ نیز یہ ظاہر ہے کہ ولایت اور شریعت دونوں نبوت کے دو شعبے ہیں اس لیے ابن عربی نے شعبۂ ولایت کو غیر تشریعی نبوت سے عنوان سے اور شعبۂ شریعت کو تشریعی نبوت سے تعبیر کیا ہے۔ اولیاء امت پر

لہ ولایت علیحدہ شعبہ ہے اور شریعت علیحدہ شعبہ ہے۔ یہ کتنی خطرناک تقسیم ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ یہ مضمون الیواقیت والجواہر سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب فتوحات مکیہ لابن عربی کی تلخیص ہے۔ جسے حضرت شعرانی نے مرتب کیا ہے۔ دیکھیے اس تقسیم کا ماخذ بھی ابن عربی ہے۔

نبوت کے شعبہ ولایت کا انعکاس ہوا جس کو ابن عربی نبوت غیر تشریعی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جس سے علم لدنی کے چشمے ان حضرات کے قلوب صافیہ پر جاری ہو گئے اور اسی گروہ نے احوال باطنی کی محافظت کی اور علم الاحسان یعنی علم تصوف کو مدوّن کیا۔ اور فقہاء اور مجتہدین کے قلوب پر نبوت کے شعبہ شریعت کا عکس پڑا جس کو ابن عربی نبوۃ تشریعی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس سے ان حضرات کی بصیرت اور عقل و فراست ایسی روشن اور منور ہو گئی کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ اس طبقہ نے آپؐ کی شریعت کی محافظت اور نگرانی کی اور علم احکام اور علم فقہ کو مدوّن کیا اور احکام شریعت کے حقائق و معارف بیان کیے۔ حضرات فقہاء کا اجتہاد اور استنباط تشریع انبیاء کا ایک عکس اور پرتو ہے۔ یہ تمام مضمون الیواقیت والجواہر (ص ۸۷ ج ۲) سے ماخوذ ہے۔ اہل علم اصل سے مراجعت فرما سکتے ہیں۔ پس جس طرح کمالات الٰہیہ اور صفاتِ[1] خداوندی

---

[1] صفاتِ خداوندی کے انعکاس سے کوئی الٰہ نہیں ہو سکتا۔ انعکاس۔ تجلی۔ مظہر۔ بروز۔ عکس۔ پرتو۔ عین الجمع۔ جمع الجمع۔ فناء فی الذات والصفات عینیت یہ سب اصطلاحیں نظریۂ حلول سے ماخوذ ہیں۔ نظریۂ حلول (باقی بر صفحہ آئندہ)

کے انعکاس سے کوئی کسی قسم کا الٰہ اور خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کمالاتِ نبوت کے انعکاس سے کسی قسم کا ہرگز نبی نہیں ہو سکتا۔ تمام اولیاء اور عارفین اس پر متفق ہیں کہ نبوت ختم ہو گئی۔ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ اور اولیاء کرام اور عارفین نبوۃ کے غیر تشریعی شعبہ کے محض عکس اور پرتو ہیں، نبی نہیں اور دنیا میں کوئی ولی اس کا قائل نہیں کہ اولیاء غیر تشریعی نبی ہیں[ا]۔ اور فقہاء اور مجتہدین تشریعی نبی ہیں۔ اور ائمہ علماء امت کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قدیم آریائی اقوام کے شرک کا بنیادی ماخذ ہے ابن عربی نے اس سے معیتِ ذاتی کا فلسفہ اختراع کر کے کائنات اور خدا کے باہمی ربط کو عینیت کا درجہ دے دیا ہے اور یہی نظریہ وحدۃ الوجود کے نظریے میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

ا تشریعی اور غیر تشریعی نبوت، یہ ابن عربی کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ غیر تشریعی نبوت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے بعد تشریعی نبوت تو بند ہے لیکن غیر تشریعی نبوت جاری ہو سکتی ہے۔ اسے ولایت کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس ولایت کو غیر تشریعی نبوت کیوں کہا گیا ہے۔ چاہے غیر تشریعی بھی ہو۔ کیا لفظِ نبوت ولایت کے لیے استعمال ہو سکتا ہے اگر غیر تشریعی نبوت کی بجائے یوں کہہ دیتے کہ آپؐ سے نبوت کا اجراء تو نہیں ہو سکتا لیکن ولایت کا اجراء ہو سکتا ہے تو اس میں (باقی بر صفحہ آئندہ)

نبی ہونا ممکن ہوتا تو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل میں کافِ تشبیہ داخل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ مغائر ہوتے ہیں۔ اگر علماء امت کو نبوت مل سکتی تو کانبیاء بنی اسرائیل نہ فرماتے بلکہ جس طرح بنی اسرائیل کو وجعل فیکم انبیاء سے خطاب کیا گیا اسی طرح اس امت کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کون سی قباحت حائل تھی؟ اصل بات یہ ہے کہ ابن عربی نے فصوص الحکم میں لکھا ہے:۔

ولا یراہ احد من الاولیاء الا من مشکوٰۃ الولی الخاتم۔ حتی ان الرسل لا یرونہ متی راوہ الا من مشکوٰۃ خاتم الاولیاء فان الرسالۃ والنبوۃ اعنی نبوۃ التشریع ورسالتہ تنقطعان والولایۃ لا تنقطع ابدًا۔ (فصوص الحکم صـ۶۸)

ہم نے اس کا ترجمہ اس لیے نہیں لکھا کہ مقام نبوت کی جس قدر تحقیر ہو سکتی ہے اس سے زیادہ ممکن نہیں ہو سکتی۔ حضرت تھانوی صاحب بھی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "ہاتھ تھرّاتا ہے دل کانپتا ہے"۔ (خصوص الکلم صـ۶۴) ہم نے اس کی تفہیم اور مراد اہل بصیرت پر چھوڑ دی ہے۔ اس عبارت کو یہاں نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جناب کاندھلوی صاحب کے نزدیک غیر تشریعی نبوۃ سے مراد ولایت کا شعبہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابن عربی کے نزدیک اس شعبہ ولایت کا اصل مقصود کیا ہے۔ اسکی تشریح دوسری جگہ کی گئی ہے۔

بھی کہا جاتا۔ اور حدیث میں من صلّٰی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی جس شخص نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس حدیث میں لفظِ کَاَنَّمَا بھی اختتام نبوت کی مُشیر ہے۔"

(مسک الختام فی ختم النبوۃ از کاندھلوی
ص ۶۳ تا ۷۲)

لہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (موضوعات کبیر از علی القاری) آپ نے دیکھ لیا ہے کہ کاندھلوی صاحب نے اس مبحث میں جہاں قرآن کی آیات بطور استشہاد لکھی ہیں ان کا صحیح مفہوم ادا نہیں کیا۔ اور جو حدیثیں لکھی ہیں اکثر موضوع حدیثیں لکھی ہیں۔ باقی جو کچھ لکھا ہے وہ من وعن ابن عربی کے فلسفے سے ماخوذ ہے۔

لہ علماء امتی کی حدیث بھی موضوع ہے۔ (اسنی المطالب صہ ۱۳۶)

مجمع الجہتین کی ایک نئی تعبیر اور حیاتِ نبویہ

اکابرِ دیوبند کے نزدیک ذاتِ نبویہ کو دو جہتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جناب قاری محمد طیب[1] صاحب نے حضورؐ کی حیاتِ برزخی اور حیاتِ دنیوی کو جس فلسفے کے ساتھ جمع کیا ہے اس میں نبی کی دو جہتوں کی تشریح ملاحظہ کریں:۔

"حضورؐ کی حیات برزخی ہے مگر اس قدر قوی ہے کہ بلحاظ آثار وہ دنیوی بھی ہے۔ یعنی دنیا میں جب تک آپؐ تشریف فرما رہے حیات ناسوتی تھی، مگر اُسی آن وہ برزخی بھی تھی۔ اور برزخ ایک درمیانی عالم ہے۔ وہ حیات اخروی بھی تھی۔ چنانچہ اسی حیات ناسوتی اور اسی جسمِ اطہر کے ساتھ معراج کے موقعہ پر عرش تک پہنچنا ظاہر ہے کہ ترکِ جسد کے ساتھ نہ تھا۔ پس حیات تو اسی جسدانی عالم کی تھی لیکن جسدِ اطہر

---

[1] مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں :۔ "حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جو ہمارے اکابر میں حضرت محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کے بہترین شارح ہیں، اس مسئلہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ اس کے آگے قاری طیب کی تحریر ہے (حیات النبی ص ۱۳)

خود اتنا لطیف تھا کہ وہ اسی آن عالم برزخ بلکہ عالم غیب کے معاملات اور مشاہدات کی طاقت لیے ہوئے تھا۔ پس اگر وہی جسدِ اطہر جو دنیا میں ہم رنگِ روح تھا بعد وفات اگر عالم برزخ میں پہنچ کر بحق دنیا اسی طرح زندہ رہے جیسے معراج کے وقت سارے غیبی عالموں میں پہنچ کر اپنی جسدانی ہستی کو بحق دنیا سنبھالے ہوئے رہا اور دنیوی حقوق بدستور قائم رہے تو اس میں تعجب یوں نہیں کہ یہ معاملہ تو اس جسدِ پاک کو بوقتِ معراج پہلے پیش آچکا تھا۔ فرق اتنا ہوا کہ شب معراج میں جسم اطہر کے ساتھ روح پر فتوح کا تعلق حسی طور پر اس طرح قائم تھا کہ اگر ہم ہوتے تو ہم احساس کر سکتے تھے اور بعد وفات اِسی طرح حسی طور پر قائم نہیں رہا کہ ہمیں بھی نظر آئے سو یہ قصہ ہمارا ہوا نہ کہ تعلق روح و جسد کی نوعیت کا۔ یہی وجہ ہے کہ بعدِ وفات حضورؐ کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ جنازہ میں کلام فرمایا اور قبر میں کلام فرمایا جس کو بعض صحابہ نے سُنا۔ یہ تو وفات کے بعد فوری بات تھی کہ روح نے جسم کو کلیتہً نہیں چھوڑا۔ لیکن بعد میں تا حشر بھی روح کا وہی تعلق بدن سے قائم رہے گا جیسا بنص حدیث اجساد انبیاء پر مٹی کا حرام ہونا ثابت ہے اگر ان ابدان میں کوئی روح نہیں ہے تو انہیں گل جانا چاہیے۔ پھر حیات کا یہ اثر عالم برزخ میں ہے۔ عالمِ دنیا میں یہ ہے کہ

ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتی، ان کی ازواج پر بیوگی نہیں آتی ان کے نکاح حرام ہوتے ہیں۔ نہ صرف عظمتِ انبیاء کی وجہ سے بلکہ حقیقۃً حیات کی وجہ سے کہ وہ بیوہ ہی نہیں ہیں۔ پس انبیاء کی یہ برزخی حیات جسمانی و از قبیل دنیوی بھی ہے کہ اجساد میں حس و حرکت بھی ہے۔ قبروں میں عبادت بھی ہے کلام بھی ہے۔ امت کی طرف توجہ بھی ہے تصرف بھی ہے بقاء اجسام بھی ہے اور حیات اجسام بھی ہے۔ پھر یہی حیات از قبیل حیات برزخی بھی ہے کہ نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ ان کی آواز ان کانوں میں نہیں آتی۔ اور کلام ان حسی کانوں میں نہیں پڑتا۔ نیز توجہ الی الامت اور رُخ کا پھیرنا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ سو اس میں ہماری کمزوری اور ضعف قوی کو دخل ہے نہ کہ ان آثار کے موجود نہ ہونے یا قابل وجود نہ ہونے کا۔ بالفاظِ مختصر دونوں حیاتیں اس طرح جمع ہیں کہ حیات برزخی اصل ہے اور حیات دنیوی اس کے تابع۔ یعنی وہ عیناً موجود ہے اور یہ آثاراً موجود ہے۔ اسی طرح دونوں حیاتیں جمع ہو جاتی ہیں مگر نہ استعارۃً بلکہ حقیقۃً۔

پہلی حیات یعنی دنیوی زندگی میں عین نبوی اِس جہان میں تھا اور تمثل اُس جہان میں (اور عکس یا تمثال عین شئی ہوتا ہے)

اور اس دوسری جہات میں عین نبوی اُس جہان میں ہے اور آپ کا تمثل اِس جہان میں۔ جیسے وہاں کا تمثل ہر کس و ناکس نہیں دیکھ سکتا، مگر سب جانتے ہیں کہ عکس شئی اور شئی میں عینیت کا تعلق ہوتا ہے۔ اگر تباین کا تعلق ہو تو مثال یا صورت دیکھ کر کبھی بھی عین کا تعارف نہ ہوا کرے۔ اس لیے جس جہان میں جب ہی وجود ہو دوسرا وجود اس کا عین ہے۔ اس لیے حضورؐ اس برزخی جہان میں رہ کر متجلی اور منعکس ہوں تو بعینہ ہیں نہ کسی استعارہ یا تشبیہ کے طور پر"
(حیاۃ النبی از مولانا اخلاق حسین قاسمی صـ ۱۳)

خاتم النبوۃ اور فاتح النبوۃ

قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:۔
" جیسے حق تعالیٰ کو ہم خاتم الوجود[1] جانتے ہیں کہ ہر موجود کے

---

[1] خدا خاتم الوجود ہے اور سب کا وجود اس کا فیض اور طفیل ہے۔ خدا تعالیٰ کو خاتم الوجود کہنا اور تمام وجودوں کا سرچشمہ کہنا یہ وجودیہ صوفیہ کی اصطلاحیں ہیں۔ اللہ کو ہم مبدیٔ کہہ سکتے ہیں لیکن اسے اشیاء کا مبدأ نہیں کہہ سکتے۔ اور خاتم الوجود کا مفہوم ایسا ہے جیسے ہم خدا کو خاتم الالٰہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

وجود کی انتہا اسی پر ہوتی ہے۔ تو اصول مذکورہ کی رو سے وہی ذاتِ واجب الوجود ان وجودوں کا سرچشمہ اور مبدأ بھی ثابت ہوتی ہے کہ جسے بھی وجود کا کوئی حصہ ملا وہ اسی ذاتِ اقدس کا فیض اور طفیل ہے۔ پس وجود کے حق میں ذاتِ خداوندی ہی اول و آخر اور مبدأ و منتہا ثابت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضور مقدس کا خاتم النبیین ہونا دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہوا اور اس کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ نبوت اور کمالاتِ نبوت آپؐ پر پہنچ کر ختم ہو گئے۔ اور آپؐ ہی کمالاتِ علم و عمل کے منتہا ہوئے تو اصول مذکورہ کی رو سے آپؐ ہی کو کمالاتِ بشری کا مبدأ اور سرچشمہ ماننا پڑے گا کہ آپؐ ہی سے ان کمالات کا افتتاح اور آغاز بھی ہوا اور جسے بھی نبوت یا کمالاتِ نبوت کا کوئی شمّہ ملا وہ آپؐ ہی کے واسطہ اور فیض سے ملا۔ پس جیسے آدم کی ابوت اول بھی تھی اور وہی لوٹ کر پھر کر آخری بھی ثابت ہوتی تھی ساتھ ہی اصلی اور بلا واسطہ بھی تھی بقیہ سب باپوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور خاتم الرازقین کہہ کر پکاریں۔ دوسرے خدا کے خاتم الوجود اور آپؐ کے خاتم الانبیاء میں تشبیہ دینا کتنی بودی تطبیق ہے۔

ابوّت ان کے واسطہ اور فیض سے تھی ایسے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اول بھی ہوئی اور لوٹ کر پھر آخری بھی اور ساتھ ہی اصلی اور بلا واسطہ بھی ہے کہ بقیہ سب انبیاء کی نبوتیں آپؐ کے واسطہ اور فیض سے ہیں پس جیسے فلاسفہ کے یہاں ہر نوع کا ایک رب[1] النوع مانا گیا ہے جو اس نوع کے لیے نقطہ فیض ہوتا ہے ایسے ہی نبوّت کی مقدس نوع کا نقطہ فیض اور جوہر فرد حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اس لیے آپؐ کی نبوت اصلی ہے اور دوسرے انبیاء کی نبوت بواسطہ خاتم النبیین ہے۔ پس ہرکمال نبوت خواہ علمی ہو یا عملی اخلاقی ہو یا اجتماعی حال کا ہو یا مقام کا وہ اوّلاً آپؐ میں ہوگا اور آپؐ کے واسطہ سے دوسروں کو پہنچے گا، اس لیے اصول مذکورہ کی رو سے دائرۂ نبوت میں جب آپؐ خاتم نبوت بھی ہوئے تو آپؐ ہی فاتح نبوت بھی ہوئے اس لیے آپؐ آخر بھی ہیں اور اول بھی مبدأ بھی ہیں اور منتہا بھی ہیں۔" (خاتم النبیین

---

[1] ہم نے لکھا ہے کہ مرتبۂ نبوت جسے بہ حقیقت محمدیہ کہتے ہیں فلاسفہ سے ماخوذ ہے۔ وجودیہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ کا مفہوم فلاسفہ کا رب النوع ہے۔ اسکی تصریح مقدمہ فصوص از داؤد قیصری اور نقد النصوص از جامی میں موجود ہے۔

ازفاری طیب صہ صک)۔ خاتم الوجود کی دوسری تصریح قاری طیب کے رسالہ علم غیب میں موجود ہے۔) اس کتاب کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

"عقلی طور پر اس کی وجہ یہ ہے کہ جس پر عنایت ازلی سب سے پہلے اور بلاواسطہ متوجہ ہوئی وہ جس درجہ کا اثر اس سے قبول کرے گا یقیناً ثانوی درجے میں اور بالواسطہ فیض پانے والے اس درجہ کا اثر نہیں لے سکتے۔ پس اوّلِ مخلوق یعنی اول ما خلق اللہ نوری کا مصداق[1] نورِ الٰہی کا جو نقشِ کامل اپنی استعدادِ کامل سے قبول کر سکتا ہے اس کی توقع بالواسطہ اور ثانوی نقوش سے اثر لینے والوں سے نہیں کی جا سکتی۔"

(خاتم النبیین صنا ازفاری طیب)

---

[1] اول ما خلق اللہ نوری موضوع حدیث ہے۔ عنایتِ ازلی کا سب سے پہلے وجود پر متوجہ ہونا۔ پھر ثانوی درجے کا بالواسطہ فیض حاصل کرنا یہ فیلو کا لوگوس Logos اور فلاسفہ کا نظریہ صدور اور مسیحیت کا کلمۂ اول نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ عقیدے کے آئینے میں مقام نبوت کی کون سی تصویر پیش کر رہے ہیں۔

تخلیق کائنات کا باعث اور قدیم نبوت

جناب قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں :۔

۱۔ اگر اور انبیاء اور ساری کائنات مخلوق ہیں تو آپؐ مخلوق ہونے کے ساتھ تخلیقِ کائنات کا سبب بھی ہیں حدیث میں ہے فلولا محمد ما خلقت اٰدم ولا الجنۃ ولا النار (مستدرک حاکم)[1] اگر محمد نہ ہوں یعنی میں انہیں پیدا نہ کروں تو نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت کو اور نہ دوزخ کو۔

۲۔ اگر اور انبیاء اپنے ظہور کے وقت نبی ہوئے تو آپؐ اپنے وجود ہی کے وقت سے نبی تھے جو تخلیق آدم کی تکمیل سے بھی قبل کا زمانہ ہے[2]

---

[1] نظریہ لولاک کے تحت جس طرح آپؐ کو تخلیق کائنات کی علتِ غائیہ بنایا گیا ہے اِسی طرح کائنات کی علتِ مادیہ بھی آپؐ کو بناتے ہیں اور اِس علتِ مادیہ کی وجہ سے آپؐ کو مصدرِ کائنات کہتے ہیں۔ ہم اسے شرک کا باب الاکبر کہتے ہیں۔

[2] ظاہر ہے تخلیقِ آدم سے قبل آپؐ عنصری وجود کے ساتھ موجود نہ تھے۔ روح کے وجود پر نبوۃ بالفعل کا اثبات کرنا تحریف فی النبوۃ کے مترادف ہے۔

۳۔ اگر اوروں کی نبوت حادث تھی تو حضور اقدس کی نبوت عالم خلق میں قدیم تھی۔

۴۔ اگر اور انبیاء کی نبوتیں مرجع اقوام و ملل ہیں تو آپؐ کی نبوت اس کے ساتھ ساتھ مرجع انبیاء و رسل بھی ہے۔ [۱]

۵۔ اور آدم علیہ السلام کو حضورؐ کا نور [۲] دکھلاتے ہوئے بطور تعارف کہا گیا ھذا ابنك احمد ھو الاول والآخر (کنز العمال) یہ تمہارا بیٹا احمدؐ ہے جو نبوت میں اول بھی اور آخر بھی ہے۔

۶۔ اگر عہد الست میں اور انبیاء مع تمام اولاد کے بلیٰ کے ساتھ اقرار کرنے والے تھے تو حضورؐ سب سے اول اقرار کرنے والے تھے جنھوں نے سب سے پہلے بلیٰ کہا اور بلیٰ کہنے کی سب [۳] کو راہ دکھلائی۔ (خصائص الکبریٰ)

---

[۱] اس سے آپؐ کو کون و مکان کے لیے نبی ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اسی واسطے ابن عربی قرآن کے دو مرتبہ نازل ہونے کا قائل ہے۔ (الکبریت الاحمر)

[۲] جس نور کو حضرت آدم نے دیکھا تھا یہ نور نبوت کی صفت تھی یا غیر صفت۔ اگر صفت تھی تو اس کے موصوف کی کیا صورت تھی۔ اگر غیر صفت تھی تو پھر نور کو مادّہ کی شکل میں ماننا پڑے گا۔

[۳] بلیٰ کہنے کی سب کو راہ دکھلائی۔ اس واسطے آپؐ کو مربی الارواح کہتے ہیں۔ آپ یہ بتلائیں کہ قالوا بلیٰ کا جواب تشریعی تھا یا تکوینی؟ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری میں تسخیرِ جنّات کی تاثیر تھی کہ وہ کسی وقت گم ہوئی تو جنات پر قبضہ نہ رہا تو انگشتری محمدی میں تسخیرِ قلوب وارواح کی تاثیر تھی کہ جس دن وہ عہدِ عثمانی میں گم ہوئی اسی دن سے قلوب وارواح کی وحدۃ میں فرق آگیا اور فتنۂ اختلاف شروع ہوگیا۔"

(خاتم النبیین از قاری طیب ص ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۵)

ذاتی ختمِ نبوت

مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی لکھتے ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپؐ نے بلی کا جواب دوسروں کو تشریعی طور پر سکھلایا تھا یا تکوینی طور پر۔ تشریعی طور پر اس لیے نہیں ہوسکتا کہ ارواح احکام شرعیہ کی مکلف نہ تھیں۔ اور تکوینی طور پر اس لیے نہیں کہ تکوینی فعل حجت نہیں ہوسکتا۔ اس لیے یہ تمام بات ہی غلط ہے۔

ك حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا گم ہونا۔ اس روایت کو یہود نے اختراع کیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت سلیمان کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے جنّات کو مسخر کر رکھا تھا نہ کہ انگوٹھی نے جنات کو مسخر کر رکھا تھا۔ نبی کے حق میں تسخیرِ جنات کے شعبدے بیان کرنا بڑی جرأت کی بات ہے۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اول المخلوقات ہونا بھی اس طرف مشیر ہے۔"

عن العرباض بن ساریۃ رفعہ انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان اٰدم لمنجدل فی طینتہ (مشکوۃ ص۵۱۳)

کیونکہ اس حدیث کے معنی جب ہی صحیح ہو سکتے ہیں جب کہ آپؐ کے لیے ختم ذاتی بھی تسلیم کریں اس وقت ختم زمانی کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ختم ذاتی کا مسئلہ عوام کا نہیں ہے اور نہ صرف مولانا نانوتوی کا ہے بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود اسے بیان فرمایا ہے۔ مولانا روم نے مثنوی میں خاتم کے معنی کو ختم زمانی میں منحصر نہیں رکھا۔ اسی طرح اس کی شرح بحر العلوم میں بھی ہے۔ اور احمد حسن کانپوری نے بھی یہی لکھا ہے۔

بہر ایں خاتم شد است اوکہ بجود — مثل او نے بود و نے خواہد بود
چونکہ در صنعت برد استاد دست — نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ہست

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب خاتم اس واسطے ہوا ہے کہ جود و کرم میں آپؐ کی مثل نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا۔ جس طرح جب کوئی استاد کسی فن میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو کہتے ہیں یہ فن تو تجھ پر ختم ہے۔ بحر العلوم نے حاشیہ میں ان دو شعروں کے

متعلق لکھا ہے۔ "ازیں جہت کہ اسناد است وجواد است برانبیاء واولیاء و در جود افاضت مثل نہ دارد و اطلاق صفت ختم براوست۔ پس معلوم ہوا خاتم النبیین سے ختم زمانی کے معنی پر حصر کا قول اجماعی کہنا غلط ہے۔"

(رویداد مناظرہ سمندری ص۲۸)

جناب محترم! آپ سماع کے شرک پر کافی درک رکھتے ہیں۔ ہم تفہیم کے طور پر آپ سے التماس کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک ان باتوں کا کیا مفہوم ہے۔

۱۔ آپ نے لکھا ہے کہ حضور اقدسؐ اول المخلوقات ہیں۔ آپؐ کی اس اولیت کے بعد جو مخلوق ثانوی درجے میں داخل ہو گی آپؐ کی اس اولیت کے ساتھ اس ثانوی مخلوق کا کیا ربط ہے۔ جو لوگ آپؐ کی اس اولیت کو مصدر کائنات بنا کر باقی کائنات کا اس اولیت سے صدور مانتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے۔

۲۔ نانوتوی صاحب جس نظریے کے تحت ختم ذاتی کے قائل ہیں اسی طرح آپؐ کی حیات ذاتی کے بھی قائل ہیں۔ وہ بوجہ ذاتیت موت کے بعد آپؐ کی حیات کے زوال کے قائل نہیں۔ آپ کے نزدیک حیات ذاتی اور ختم ذاتی کا مفہوم ایک ہے یا ان دونوں میں کچھ فرق ہے۔ اگر فرق ہے تو اس فرق کو واضح کریں۔ دوسرے آپ نے لکھا ہے کہ ختم ذاتی کو حضور اقدسؐ نے خود بیان کیا ہے پھر تو بات صاف ہے

آپ بتلائیں آپ کا بھی عقیدہ ہے۔

۳۔ مولانا رومی نظریہ وحدۃ الوجود کا زبردست شارح ہے وہ اس نظریے کے تحت کائنات اور خدا کے درمیان عینیت کا قائل ہے۔

بحر وحدانیت[۱] جفت و زوج نیست
گوہر و ماہیش غیر موج نیست

اصل بیند دیدہ چوں اکمل شود
دو ہمی بیند چو مرد احول بود

چونکہ جفتِ احولانیم اے شمن
لازم آید مشرکانہ دم زدن

(از مثنوی مولانا روم)

دوسرے، مولانا رومی منصور کے نظریہ حلاجیہ کا قائل ہے جس کے تحت وہ انا الحق کو عین الجمع کہتا ہے۔ ہمارے نزدیک رومی کے یہ دونوں نظریے توحید کے لیے سمِّ قاتل ہیں۔ کیا آپ مولانا رومی کے ان نظریات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ نیز آپ کے نزدیک بحر العلوم کی اس عبارت کا اصل مفہوم کیا ہے:۔

"از یں جہت کہ استناد است وجود است بر انبیاء و اولیاء و در وجود افاضہ مثل ندارد۔"

---

[۱] وحدانیت۔

حقیقتِ محمدیّہ کیا ہے ؟

حقیقۃ محمدیہ ابن عربی کے نظریّہٴ وحدۃ الوجود سے ماخوذ ہے۔ اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ کائنات سے قبل ذاتِ مطلق اپنے کلّی اطلاق کی وجہ سے پہلے نہ ذات کے ساتھ موصوف تھی اور نہ اس پر کسی صفت کا اطلاق ہو سکتا تھا۔ ذاتِ مطلق نے چاہا کہ میں اپنی ذات اور صفات کا مشاہدہ کروں، پھر ظہور تقاضا کرتا تھا کہ جب تک اطلاق کو تقید میں معیّن نہ کرے ذات و صفات کا اجمال ظہور میں نہیں آسکتا تھا۔ تو سب سے پہلے اس ذاتِ مطلق نے تعیّنِ اوّل کے آئینے میں اپنے جمال کا مشاہدہ کیا۔ مشاہدہ کے بعد جو صورت سب سے پہلے سامنے آئی تو وہ حقیقۃ محمدیہ تھی۔ اس حقیقت میں خدا کی ذات اور صفات کا اجمالی ظہور تھا۔ پھر اس نے چاہا کہ اپنے اس اجمالی حسن کا تفصیل کے ساتھ مشاہدہ کیا جائے تو تنزلات کے ذریعے حقیقۃ محمدیہ کی صورِ علمیہ کو کائنات کی صورت میں پھیلا دیا۔ حقیقۃ محمدیہ میں چونکہ ذات و صفات کا اجمال ہے اس لیے وجودی علماء اور مشائخ کے نزدیک حقیقۃ محمدیہ کی جہت سے ذات نبویہ کو خدا بھی کہہ سکتے ہیں اور ایسا کہنا ان کے نزدیک عین ایمان ہے۔[1]

---

[1] علامہ کاظمی نے اپنے مکتوب میں مولوی محمد یار کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ (باقی بر ص ۲۳۹)

کائنات کا ذرہ ذرہ چونکہ حقیقۃ محمدیہ کے پھیلے ہوئے اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس لیے مخلوق کی کسی چیز پر خواہ صورۃً قبیح ہی کیوں نہ ہو اس پر رب کا اطلاق کرسکتے ہیں[۲] مخلوق کی ہر نوع کا حقیقی مصدر چونکہ حقیقۃ محمدیہ ہے اس لیے اس مصدر سے صادر شدہ نوع کے درمیان حسن و قبح کا حقیقی امتیاز ختم ہوجاتا ہے[۳]

دوسرے، جس طرح اسلام اور انبیاء کا وجود حقیقۃِ محمدیہ کے اجزا میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پھر اس کی شرح کرکے اسے صحیح تسلیم کیا ہے ؎

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا
پھر تو سمجھو کہ مسلماں ہو دغاباز نہیں

(دیوان محمدی۔ ص ۱۹)

۲؎ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ایک وجودی صوفی مردہ کتے پر گزرے تو کہنے لگے ھو ذات اللّٰہ وھل ثم شئ خارج عنہا؟ (یہ مردہ کتا بھی خدا ہے کیا اس کائنات کی کوئی چیز اس ذات سے خارج کہلا سکتی ہے)۔ (الفرقان بین الحق والباطل ص ۱۴۵)

۳؎ خواجہ غلام فرید اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎ حسن و قبح سب مظہرِ ذاتی۔ اس کی شرح میں لکھا ہے جب ذات باری نے اپنے آپ کو موجودات اور ممکنات میں ظاہر فرمایا اس کے مظاہر دو قسم کے تھے۔ حسن مظہرِ جمال ہے اور قبح مظہرِ جلال۔ (شرح دیوان فریدی ص ۱۸۳) اس کی تفصیل شرح گلشن راز اور بحر عشق از حمید الدین ناگوری میں موجود ہے۔

شمار ہوتا ہے اسی طرح کفر اور ابلیس کو بھی حقیقۃ محمدیہ کے اجزاء میں شمار کرنا پڑے گا۔

تیسرے، اس نظریئے کے تحت کفر اور اسلام میں اعتباری فرق سمجھا جائے گا اور حقیقی فرق بالکل ختم ہو جائے گا۔ جن حضرات نے حقیقۃ محمدیہ کو اپنے عقائد میں داخل کر رکھا ہے وہ اس کے دفاع میں لاکھ تاویلات پیش کریں لیکن اس عقیدے کی وجہ سے جن جن مسالک میں اس کے ثمرات مرتب ہو چکے ہیں، یہ حضرات ان کا تا ابد جواب نہیں دے سکتے۔ چند ایک ثمرات یہ ہیں :-

۱۔ ذاتِ نبوتیہ کو اگر وجودِ عنصری تک محدود رکھا جائے تو آپؐ کے اس قدسی وجود پر نبوّت اور بشریت کا آسانی کے ساتھ اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن جب آپؐ کو بشری حدود سے خارج کر کے آپؐ کی حقیقت کو کسی دوسری جہت میں تبدیل کر دیں گے تو پھر اس جہت کی وجہ سے نہ آپؐ پر نبوت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ آپؐ کے وجود پر قرآن کا نزول ثابت ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس جہت سے آپؐ کے وجود پر ماورائی قدیم ذات کا اطلاق ثابت ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے عقیدے کے حاملین آپؐ کی اس قدیم ذات پر موت کا صدور نہیں مانتے۔ اگر مانتے ہیں تو حیاتِ عادیہ کی موت مانتے ہیں۔ حیاتِ حقیقی کی موت نہیں مانتے [1]

---

[1] حیاتِ عادیہ اور حیاتِ حقیقیہ کا فرق علامہ کاظمی کی کتاب حیات النبی میں ملاحظہ کریں۔

۲۔ خدا کے سوا جس ذات کو بھی قدیم مانا جائے تو تعدد قدماء کی وجہ سے حقیقی خدا کا انکار لازم آتا ہے۔ سب سے پہلے منصور حلاّج نے اپنی کتاب طواسین میں قدم نبویہ کے عقیدے کو پیش کیا ہے۔ حلاّج نومسلم پارسی تھا اور قرامطی فرقے سے تعلق رکھتا تھا[۱] وہ اس نظریے کے تحت اسلام میں مجوسیت کی ثنویت داخل کرنا چاہتا تھا۔ ابن عربی نے یہ نظریہ منصور حلاج سے اخذ کر کے اسے حقیقۃ محمدیہ کے فلسفے میں تبدیل کر کے پھیلا دیا ہے۔[۲]

۳۔ اسلام میں داخل ہونے کے لیے پہلے توحید اور رسالت پر ایمان لانا فرض ہے۔ حقیقۃ محمدیہ کے عقیدے سے آپؐ کی تشریعی نبوت اور نزول قرآن کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور وحدۃ الوجود کے عقیدے میں اللہ کی ذات کے

---

[۱] منصور حلاّج قرامطیہ کا داعی تھا۔ شرح عقیدہ اصفہانیہ از ابن تیمیہ ص ۴۷

[۲] علامہ محمد مصطفیٰ حلمی لکھتے ہیں:۔ منصور کی تعلیم اور اس کا مذہب تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ (۱) ذاتِ الٰہی کا حلول ذاتِ بشری میں (۲) حقیقۃ محمدیہ کا قدیم ہونا (۳) وحدتِ ادیان۔ حلاج منصور نے اپنی کتاب طواسین میں حقیقۃ محمدیہ کے قدم پر بڑی فلسفیانہ گفتگو کی ہے کہ آپؐ کا نور ازلی ہے جو قدیم ہے حادث نہیں۔ حلاج کا یہ نظریہ حلاج تک محدود نہ رہا بلکہ دوسرے صوفیہ نے اسے دوسرے رنگ میں اختیار کیا مثلاً ابن عربی اور ابن الفارض۔ ان کے علاوہ دوسرے صوفیہ کے ہاں بھی یہ رنگ کافی گہرا معلوم ہوتا ہے۔ (فلسفہ اسلام از علامہ حلمی۔ ص ۲۴۱۔ ۲۴۶)

ہر باطل الٰہ کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے[1]۔ جو لوگ اس عقیدے کے تحت اسلام میں داخل ہوتے رہے ہیں یا ایسے نظریئے کے حامل علماء کی وساطت سے اسلام میں آئندہ داخل ہوں گے ان کے نزدیک ایسے اسلام میں داخل ہونا ایسا آسان ہے کہ ابلیس بھی آسانی کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

۴۔ جن حضرات کا عقیدہ ہے کہ ذاتِ نبویہ کی نبوت بالذات ہے اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے اس عقیدے کا بنیادی ماخذ بھی حقیقۃِ محمدیہ کا فلسفہ ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس کا وجود بالعرض ہوتا ہے وہ قائم لغیرہٖ ہونے کی وجہ سے اپنے وجود کو وجود بالذات کے بغیر علیحدہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نظریئے کے تحت ایک تو ذاتِ نبویہ کے وجود کو باقی انبیاء کے وجود پر تقدمِ ذاتی اور تقدمِ زمانی ماننا پڑے گا۔ دوسرے ہر نبی کی نبوت بالعرض ہونے کی وجہ سے مستقل نبوت نہیں کہلائے گی، بلکہ نبوت کا فیض حاصل کرنے کے لیے ہر نبی اپنے دور میں ذاتِ نبویہ کا دریوزہ گر ہوگا۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ ذاتِ نبویہ کو ہر نبی کے عہد میں موجود ماننا پڑے گا تاکہ آپؐ کے ماتحت سارے انبیاء بطور سفیر کام کرتے رہیں[2]۔

---

[1] اس کی تفصیل شرح گلشن راز اور فصوص الحکم لابن عربی میں موجود ہے۔

[2] اس کی تفصیل جناب نانوتوی صاحب کی مشہور کتاب تحذیر الناس میں موجود ہے۔

رد کر ان حضرات کا عقیدہ ہے کہ آپؐ کی موت ساترِ حیات ہے، رافع حیات نہیں ہے۔ اس نظریئے کے تحت جب آپؐ کے وجود بالذات اور حیات بالذات پر موت عادیہ کا صدور نہیں ہو سکتا تو آپؐ کے اعراض جو انبیاء کی صورتوں میں ہر دور میں فیض لیتے رہے ہیں ان کے علاوہ دوسرے اعراض کی نبوت کا اجراء کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ دیکھیے یہ کتنی جرأت کی بات ہے۔ ان کے نزدیک نبوت بالذات کی وجہ سے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک جب آپؐ ان میں نبوت کا فیض تقسیم کرتے رہے یعنی آپؐ کی ذاتی نبوت کی وجہ سے اتنے متاخرین انبیاء تو لانبی بعدی کا قانون نہ توڑ سکے لیکن اب جب کہ آپؐ اپنی قبر میں اسی زندگی کے ساتھ آرام فرما رہے ہیں جیسے دنیا میں رہتے تھے تو اس قبر والی حیات میں آپؐ کی نبوت بالذات کا مرتبہ کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ اور ایسے مرتبے کی موجودگی میں آپؐ کے اعراض کا اجراء نبوت کو ختم کرنا کیا ختمِ نبوت کی صحیح تفہیم میں تحریف نہیں ہے۔ بلکہ اس سے تو صاف طور پر اجراء نبوت کا عقیدہ ثابت ہو رہا ہے۔ ہمارے نزدیک ایسے عقیدے میں اور روافض کے نظریہ امامت میں کوئی فرق نہیں ہے وہ امامت کے ذریعے اپنے ائمہ میں اجراء نبوت ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ نبوت بالذات کے تحت فرضی اعراض میں اجراء نبوت کا باب کھولنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا جب تک ابنِ عربی کے نظریہ حقیقت محمدیہ کو عقائد اسلامیہ سے بالکل خارج نہ کیا جائیگا، خطرہ ہے کہ یہ مسموم نظریہ پوری ملتِ اسلامیہ کو الحاد کے ساحل تک نہ پہنچا دے۔

عہدِ صحابہؓ میں ہر خیر موجود تھی

قرآن کے اوّلین مخاطب صحابہ کرامؓ تھے اور ہر خیر کا ذکر قرآن و سُنّت میں موجود تھا۔ نبوت بالذات، حقیقۃ محمدیہ یا وحدۃ الوجود جیسے عقائد اگر قرآن میں موجود ہوتے تو ایسے مسائل عہد صحابہؓ میں بھی مشہور ہوتے۔ بلکہ ایسے عقائد کی جدیدیت شہادت دے رہی ہے کہ یہ عقائد عجمی سازش کے تحت اسلام میں داخل کر دیے گئے ہیں۔ محدّث ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

واما اھل السنۃ والجماعۃ	اہل سنّت والجماعت کا عقیدہ ہے
یقولون فی محل فعلُ قول	جو دین کی بات اور فعل صحابہؓ سے
لم یثبت عن الصحابۃ	ثابت نہیں ہے وہ بدعت ہے
ھو بدعۃ لانہ لوکان	اگر وہ فعل و قول دین میں داخل ہوتا
خیرًا سبقونا الیہ لانھم	تو صحابہؓ ضرور سبقت کرتے۔
لم یترکوا خصلۃ من خصال	کیونکہ صحابہؓ میں دین کی اتنی تڑپ
الخیر الا وقد بادروا الیھا	تھی کہ انھوں نے جو بھی دین کی خصلت
تفسیر ابن کثیر	دیکھی اس کی طرف انھوں نے جلدی
ص ۱۹۴ ج ۹	کرنے میں ذرہ برابر بھی تاخیر نہ کی۔

تفضیل بین الانبیاء

قرآن میں ہے :-

تلك الرسل فضلنا بعضہم علیٰ بعض — یہ رسول ہیں۔ ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے۔

اور بعض احادیث میں وارد ہے لاتفضلوا بین الانبیاء انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔ اس قسم کی دوسری صحیح احادیث سے بھی یہی مفہوم صادر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان ایک دوسرے کو ترجیح نہ دی جائے۔ ائمہ مفسرین نے ان کی تطبیق میں مختلف جواب دیے ہیں۔ محدث قاضی عیاض کتاب الشفا میں لکھتے ہیں :-

منع التفضيل فی حق النبوة والرسالة فان الانبياء علی حد واحد اذ هی شیٔ واحد لايتفاضل وانما التفاضل فی زيادة الاحوال والخصوص والكرامات والرتب والالطاف واما النبوة فی نفسها فلا نتفاضل وانما التفاضل بامور اخر زائدة عليها ۔ (كتاب الشفاء ص۹۱ ج۱)

” نبوت اور رسالت کے حق میں تفضیل کی ممانعت ہے۔ کیونکہ

تمام انبیاء نبوت اور رسالت کی ایک حد پر مقرر ہیں۔ تمام انبیاء کی نبوت ایک ہی شئے ہے جس میں فضیلت کا امکان ہی نہیں ہے۔ اور فضیلت ان کے خصوصی احوال کی زیادتی، مراتب و کرامات، خصوصی عنایات میں تو ممکن ہے لیکن ان کی فی نفسہا نبوت میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت ان زائد امور میں ہے جو نبوۃ سے علیحدہ شمار ہوتے ہیں۔"

علامہ محمد امین شنقیطی لکھتے ہیں :-

ان المنع من التفضيل انما هو من جهة النبوة التى هى خصلة واحدة لا تفاضل فيها وانما التفضيل فى زيادة الاحوال والخصوص والكرامات والمعجزات۔ (تفسير اضواء البيان ص۱۸۷ ج ۱)

اس عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو محدث قاضی شفاء نے بیان کیا ہے۔ یعنی نفس نبوت ایک ہی خصلت ہے اس میں تفضیل نہیں ہو سکتی۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ذات نبویہ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن نفسِ نبوت میں یعنی نبی ہونے میں ہر نبی ایک مستقل نبی ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ نبوت کے سارے مادے کو پہلے ذاتِ نبویہ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ پھر ہر نبی اسی مادے سے اپنی اپنی نبوت حاصل کرتا رہا ہے ایسا عقیدہ نصوصِ قطعیہ کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن میں ہے کہ ہر نبی کو اپنے اپنے عہد میں وحی کے ذریعے خدا کی طرف سے نبوت ملتی رہی تھی، اور ہر نبی اپنی اپنی نبوۃ میں

مستقل رسول تھا۔ جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں مستقل رسول تھے لانفرق بین احد من رسلہ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ مقامِ رسالت میں ان کی تفریق نہ کی جائے

خاتم النبیّین کا مفہوم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کمالات کا ذکر قرآن و حدیث میں مذکور ہے وہ سب کمالات شہادت دے رہے ہیں کہ آپؐ کے عنصری وجود پر تمام پیغمبرانہ خصائص کی انتہا اور نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ اب دنیا کسی نئے آنے والے نبی کے وجود سے بالکل مستغنی ہو گئی ہے۔ لسان العرب، صحاح جوہری، قاموس کے تمام ائمہ لغت نے لفظ ختم کے لغوی معنی یہ بیان کیے ہیں کہ کسی چیز کو اس طرح بند کرنا کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اندر جا سکے۔ اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شئے کو بند کر کے اس پر مہر کرنا بھی کرتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے۔

لفظ خاتم کی دو قراتیں ہیں مفسر ابن جریر اور ابن حبان اُندلسی لکھتے ہیں خاتم کی مشہور قرات تا۔ کے زیر کے ساتھ ہے جس کا معنی ختم کرنے والا ہے۔ اور دوسری قرات خاتم کے زبر کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے.

وہ شئے جس کے ذریعے سے کسی چیز کو بند کر دیا جائے اور اس پر مہر لگا دی جائے تاکہ اسے کوئی کھول نہ سکے اور نہ اس کے اندر کی چیز باہر جا سکے۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ کا عنصری وجود پیغمبروں کے سلسلے کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگا دینے والا ہے تاکہ آئندہ کوئی نیا شخص پیغمبروں کی مقدس جماعت میں داخل نہ ہو سکے[1] اس کی تشریح احادیث میں اس طرح ہے:

لانبی بعدی وسیکون خلفاء۔	میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ خلفاء آتے رہیں گے۔

(بخاری ص ۴۹۱ ج ۱ - مسلم ص ۴۹۱ ج ۲)

محدث ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

ان اللہ ختم بہ النبیین و اکمل بہ شرائع الدین (فتح الباری بحوالہ حاشیہ بخاری ص ۵۰۱ ج ۱)	اللہ تعالیٰ نے آپ کے عنصری وجود کے بعد نبیوں کے طویل سلسلے کو بند کر دیا ہے اور آپ پر شریعت کی بھی تکمیل کر دی گئی ہے۔

---

[1] دجال مرزا کے علماء۔ اور بعض اکابر علماء۔ دیوبند مہر لگا دینے کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے لے کر جتنے نبی آتے رہے ہیں آپ ہر نبی کو اپنی مہر لگا کر بھیجتے رہے ہیں۔ نانوتوی صاحب کہتے ہیں کہ اگر آپ کے بعد بالفرض کوئی نبی ظاہر ہو جائے تو آپ کی مرتبی ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور قاری طیب مہر لگا دینے کا مفہوم نبوت بخش (باقی بر ص ۱۲)

ترمذی میں ہے :-

ان الرسالۃ و النبوۃ قد انقطعت ولا نبی بعدی ولا رسول بعدی۔ (ترمذی ص۱۲۹ ج۲)	رسالت اور نبوت کا سلسلہ بالکل منقطع ہو چکا ہے۔ میرے بعد اب نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ کوئی نیا رسول۔

محدث ابن التین فرماتے ہیں :-

معنی الحدیث ان الوحی ینقطع بموتی (حاشیہ بخاری ص۱۰۳۵ ج۲)	اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ وحی کا سلسلہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ختم ہو چکا ہے۔

قرآن اور احادیث میں جو خاتم النبیین کی تشریح کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی موت کے بعد جو آپؐ کے عنصری وجود پر طاری ہوئی تھی، اس موت کے بعد نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ اس موت کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے۔ یعنی ذات نبویہ کی موت کے وقت سے لے کر تا قیامت ہر قسم کی نبوت کا باب بند کر دیا گیا ہے۔ اسے زمانی ختم نبوت کہتے ہیں اور اسی عقیدہ پر جمہور امت کا اتفاق ہے لیکن جناب نانوتوی صاحب نے اس کا خلاف کرتے ہوئے ختم نبوت کا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) بیان کرتے ہیں اور مرزا نبوت تراش بیان کرتا ہے۔ حوالہ جات آئندہ صفحات میں آرہے ہیں۔

ایک دوسرا مفہوم اختراع کیا ہے جس کا نام ہے "مرتبی ختم نبوت"۔ اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ کائنات سے قبل خدا نے آپؐ کا نور پیدا کر کے اس میں نبوت کے سارے مادے کو جمع کر دیا تھا جب تک حضرت آدمؑ پیدا نہ ہوئے تھے آپؐ کی یہ روحانی نبوت سارے نبیوں کی ارواح کی مربی تھی۔ جب حضرت آدمؑ پیدا ہو گئے تو آپؐ کی مرکزی نبوت سے فیض حاصل کر کے اپنے عہد میں تبلیغ کرتے رہے۔ اس کے بعد سلسلہ وار ہر نبی اپنے اپنے عہد میں آپؐ کی نبوت سے فیض لے کر بطور سفیر کام کرتے رہے۔ اس کے بعد جب آپؐ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا میری موت کے بعد اب نیا نبی نہیں آئے گا اس لیے نبوت کا مکمل طور پر انقطاع ہو چکا ہے لیکن نانوتوی اور اس کے ہم خیال علماء کے نزدیک مرتبی نبوت کے بعد چونکہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک نبی آتے رہے تھے، لہذا نانوتوی صاحب لکھتے ہیں کہ آپؐ کی وفات کے بعد مرتبی نبوت کے تحت بالفرض اگر کوئی نیا نبی آجائے تو آپؐ کی مرتبی ختم نبوت میں فرق نہیں آئے گا۔ لیکن زمانی ختم نبوت کے تحت لا نبی بعدی کے قانون میں فرق آجائے گا۔ نانوتوی صاحب کا یہ نظریہ ابن عربی کی حقیقۃ محمدیہ سے ماخوذ ہے۔ ابن عربی کہتا ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد تشریعی نبی نہیں آسکتا لیکن غیر تشریعی نبی آتے رہیں گے۔ ابن عربی کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

فان مطلق النبوۃ لم یرتفع	ذاتِ نبویہؐ کے بعد مطلق نبوت مرتفع
انما ارتفع نبوۃ التشریع فقط	نہیں ہوئی بلکہ تشریعی نبوت کا ارتفاع

ہو چکا ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص۲۴ ج ۲)

ابن عربی کے ان الفاظ پر آپ تدبر کے ساتھ غور کریں کہ اس کے نزدیک نبوت کی کیا تعریف ہے۔ یعنی نبوت اپنے اطلاق کی وجہ سے اتنا وسیع مقام رکھتی ہے کہ آپ کی وفات صرف تشریعی نبوت کو تو ختم کر سکتی ہے لیکن آپ کی وفات سے مطلق نبوت کی وسعت ختم نہیں ہو سکتی جس کی وجہ سے غیر تشریعی نبوت کا اجراء ہوتا رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن عربی کے نزدیک ذات نبویہ کی جامع نبوت پر نبوت کا وسیع اطلاق عائد نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مطلق نبوت کا ایک مخصوص حصہ ہے۔ یہ مخصوص حصہ صرف تشریعی نبوت کو تو بند کر سکتا ہے لیکن غیر تشریعی نبوت کے اجراء کو بند نہیں کر سکتا۔ غیر تشریعی نبی کا مفہوم کیا ہے۔ ابن عربی اپنی مشہور کتاب فتوحات مکیہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں :۔

اوتی الانبیاء اسم النبوة و اوتینا اللقب ای حجر علینا اسم النبی مع ان الحق تعالیٰ یخبرنا فی سرائرنا بمعانی کلامہ وکلام رسولہ ویسمی صاحب ھذا المقام من انبیاء الاولیاء ۔	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو نبوت کا اسم دیا گیا ہے اور ہمیں نبوت کا لقب دیا گیا ہے۔ یعنی ہم پر نبی کا اسم استعمال کرنا منع ہے باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کلام اور اپنے رسول کے کلام کے خاص معانی ہمارے دلوں میں القاء کرتا رہتا ہے۔ اور

(الیواقیت والجواہر ص۳۹ ج ۲)	جن اولیاء کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے ہم انہیں انبیاء الاولیاء کہتے ہیں۔

خواجہ غلام فرید لکھتے ہیں کہ خواجہ سلیمان تونسوی، قاضی محمد عاقل کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر ذاتِ نبویہ کے بعد خلعتِ نبوت کسی کو عطا ہوتی تو قاضی محمد عاقل کو عطا ہوتی۔ (اشاراتِ فریدیہ۔ ص۲۶۹)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تشریعی انبیاء اور اولیاء الانبیاء کے درمیان کیا فرق ہے۔ ابنِ عربی فتوحاتِ مکیہ میں لکھتے ہیں :۔

کما کان اصل التنزیل الکتاب علی انبیائہ کان تنزیل الفہم من اللہ علی قلوب بعض المؤمنین۔ ذلک العطاء بالفہم من اللہ تعالی فاھل اللہ اولی بہ من غیرھم فاسم الفقیہ اولی بھذہ الطائفۃ من صاحب علم الرسوم۔	جیسا کہ اللہ کی طرف سے انبیاء پر کتاب کی اصل نازل ہوتی ہے اسی طرح اللہ کی طرف سے اس تنزیل شدہ کتاب کا فہم بھی بعض عارفین پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کی طرف سے اس عطا شدہ فہم کی وجہ سے یہ عارفین ان رسمی عالموں سے زیادہ درجہ رکھتے ہیں۔ حقیقت میں عالم فقیہ کا لقب ان رسمی علماء سے زیادہ صوفیہ پر استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔
(فتوحات مکیہ ص۲۸ ج ۱)	

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پر صرف کتابوں کا نزول ہوتا ہے۔ اور ان کتابوں کا جو اصل فہم ہوتا ہے وہ ان اولیاء الانبیاء پر اُترتا ہے۔

اس وجہ سے یہ طائفہ محدثین اور ائمہ مفسرین سے بھی زیادہ درجہ رکھتے ہیں۔ اب ان اولیاء الانبیاء پر خدا کی طرف سے فہم کیسے نازل ہوتا ہے؟

ابن عربی لکھتے ہیں :-

قال ابویزید البسطامی فی ھذا المقام یخاطب علماء الرسوم اخذتم علمکم میتا عن میت و اخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت یقول امثالنا حدثنی قلبی عن ربی و انتم تقولون حدثنی فلان واین ھو قالوا مات	ابویزید بسطامی جو غیر تشریعی نبوت کے مقام پر فائز تھے ظاہری علماء کو مخاطب کر کے کہتے تھے تم نے تو اپنا علم مُردوں کی سند سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم حی وقیوم کی ذات سے حاصل کیا ہے جسے کبھی بھی موت نہیں آتی۔ یہ طائفہ اپنے علوم کی سند اس طرح بیان کرتا ہے میرا قلب خدا سے اس طرح روایت کرتا ہے اور تم کہتے ہو کہ مجھے فلاں امام اور محدث نے یہ بات روایت کی ہے۔ وہ امام اور محدث کہاں ہیں، وہ تو کب کے مر کر فنا ہو چکے ہیں۔
فتوحات مکیہ ص ۲۸۰ ج ۱	

ظاہر ہے کہ ہمیں شریعت کے سارے علوم قرآن وحدیث کے ذریعے

حاصل ہوتے ہیں۔ اور ان سب علوم میں رجال کا واسطہ ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی فلاں فلاں سورۃ حضرت علیؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی۔ اس حدیث کو حضرت ابوبکرؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔ اور یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ دیکھیے ہمارے زمانے میں ان میں سے وہ کون سی ہستی ہے جو زندہ اور باقی ہو لیکن اس میں ابن عربی اور بایزید بسطامی کی جرأت دیکھیے کہ جو علوم ایسی مقدس ہستیوں کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں ان علوم کو مردہ علوم کہہ رہے ہیں۔ پھر ان کی سند دیکھیے کہ میرا قلب میرے رب سے اس طرح روایت کرتا ہے۔ بتلائیے کہ ایسی کشفی سند کو اسلام کے کس درجے میں رکھا جائے گا، اور ایسی روایت سے دین کی کون سی بات کو عمل یا عقیدے کے طور پر قبول کیا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر ان کی اور جرأت ملاحظہ کیجیے۔ ابن عربی لکھتے ہیں :-

"بہت سی احادیث جسے محدثین موضوع کہہ چکے تھے، ان لوگوں نے کشف کے ذریعے ان کی تصحیح کر کے خود بھی ان پر عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرتے رہے۔"

(فتوحات مکیہ۔ صفحہ ۱۵۰ ج ۱)

یہی وجہ ہے کہ ابن عربی کی فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم میں کتنی ہی موضوع احادیث درج ہیں۔ وجودی مشائخ اور علما جب ایسی حدیثوں کی شرح

کرتے تو ان کی جرأت نہ ہوتی کہ ان کی سند پر جرح کر کے اسے موضوع کہہ دیتے۔ جن حضرات نے حقیقت محمدیہ کو اپنے عقائد میں داخل کر رکھا ہے اس کی بنیاد لولاک لما خلقت الافلاک اور اول ما خلق اللہ نوری پر رکھی گئی ہے۔ ایسے حضرات کی بڑی جرأت ہے کہ ایسی صریح موضوع احادیث کو اپنے عقائد کی بنیاد میں داخل کر رہے ہیں۔ نانوتوی صاحب کی نبوت بالذات کا مدار بھی اول ما خلق اللہ نوری پر رکھا گیا ہے[1] جس سے انھوں نے تمام سابقہ انبیاء کی نبوت کا ابطال ثابت کر کے ختم نبوت کی غلط توجیہ سے اجراء نبوت کا باب کھول دیا ہے۔ اب ہم اکابر امت کا نظریہ پیش کرتے ہیں کہ جو صاحب ختم نبوت کے اصل مفہوم میں تاویل کرے، اس کا کیا حکم ہے۔

محدث قاضی شفاء اپنی مشہور کتاب الشفاء میں لکھتے ہیں:۔

لانہ اخبر انہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین لا نبی بعدہ واخبر من اللہ تعالیٰ	اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کی ذات خاتم النبیین ہے اور آپ کے بعد دوسرا

---

[1] نانوتوی صاحب لکھتے ہیں، روح نبویہ جو اصل موصوف نبوت ہے ارواح انبیاء باقیہ کے لیے موقوف علیہ ہے اس وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں۔ آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجیے اور اول ما خلق اللہ نوری وغیرہ کی تکذیب فرمائیے۔ (مناظرہ عجیبہ صلا)

انہ خاتم النبیین واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ وان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ھؤلاء الطوائف کلھا اجماعًا وسمعًا۔	کوئی نبی نہیں آسکتا اور قرآن میں خبر دی گئی ہے کہ آپؐ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور اسی عقیدے پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور جو اس کا ظاہری مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی مفہوم کسی تاویل یا تخصیص کے بغیر مراد ہے پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی ہے۔
کتاب الشفاء قاضی عیاض ص ۳۲۸ ج ۱	

اور دوسری عبارت امام غزالی سے منقول ہے جسے محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اکفار الملحدین میں درج کیا ہے :۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب الاقتصاد میں لکھتے ہیں، امتِ مسلمہ نے ان الفاظ انقطعت النبوۃ والرسالۃ فلا نبی بعدی ولا رسول کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ میرے بعد قیامت تک نہ کوئی نیا نبی ہوگا اور نہ کوئی رسول۔ اور یہ کہ اس بیان میں نہ کوئی تاویل ہے اور نہ تخصیص۔ اب جو کوئی اس میں کوئی تاویل یا تخصیص کرتا ہے اس کا قول از قبیل ہذیان اور بکواس ہے ایسے شخص کو کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں اس لیے کہ یہ شخص

اس نص صریح کی تکذیب کرتا ہے جس کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے اور نہ کوئی تخصیص۔ (اکفار الملحدین از شاہ محمد انور کشمیری، ص ۱۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے ظاہری مفہوم میں نہ تاویل ہو سکتی ہے اور نہ اس میں کسی تخصیص کی گنجائش ہے کہ ختم نبوت کو نبوت بالذات کے تحت مرتبی ختم کے مفہوم میں داخل کر کے اعراض کے ذریعے نبوت کا اجرا کیا جائے۔ نبوت بالذات کا اخذ چونکہ ابن عربی کی حقیقۃ محمدیہ سے لیا گیا ہے جس کے تحت نبوت ایسے اطلاق میں داخل ہو جاتی ہے کہ اس سے کئی قسم کی نبوت کا استخراج ہو سکتا ہے اس لیے ہم نے اپنا حقیقی فرض سمجھا کہ اس اہم غلطی سے اہل علم کو آگاہ کر دیا جائے تاکہ ابن عربی کی حقیقۃ محمدیہ کے مسموم اثرات کا قلع قمع ہو جائے۔ اس فلسفے سے صرف نبوت بالذات کا نظریہ ہی استخراج نہیں ہوتا بلکہ اس کا دوسرا جزو حیات بالذات کا نظریہ بھی اس کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے۔ حیات بالذات سے ذات نبویہ کو قدیم ماننا پڑتا ہے۔ اس لیے حقیقۃ محمدیہ جس کا دوسرا نام تعین اول ہے یہ تعین مراتب الٰہیہ میں داخل ہے اس پر مخلوق کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اس سے چونکہ ساری کائنات کا صدور ہوتا ہے اس لیے کائنات کو بھی قدیم ماننا پڑتا ہے۔ اکابر نے قدم کائنات کے عقیدے کی وجہ سے جہاں جہاں ان کی تکفیر کی ہے ان میں ابن عربی سر فہرست ہے۔ بعض نے تصریح کے ساتھ نام لیا ہے۔

بعض نے اجمالاً ان میں شامل کر دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ چند ایک عبارتیں ایسی درج کر دی جائیں کہ ائمہ اکابر قِدمِ کائنات کے ماننے والوں کی کس طرح تکفیر کرتے ہیں

قِدمِ کائنات اور اکابرِ امت

علامہ سعدالدین نے فاضحۃ الملحدین کتاب لکھی ہے۔ اس میں آپنے ابن عربی کی تکفیر کی ہے۔ اس کتاب میں لکھتے ہیں :۔

جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ موجوداتِ خارجیہ جو کچھ زمین آسمان کے درمیان ہے یہ وہی ہے جو خدا کے تعین علمی میں اعیانِ ثابتہ کی صورت میں موجود ہے۔ اصل میں کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ تو ایسا عقیدہ صریحاً کفر ہے کیونکہ یہ نص قطعیہ کے خلاف ہے قرآن میں ہے کل شیٔ ھالك الا وجھہ اس آیت سے کائنات کے وجود کا تحقق ثابت ہو رہا ہے۔ جب تک وجود کا تحقق ثابت نہ ہو تو ہلاک ہونے کا کیا مفہوم رہ جاتا ہے۔ (فاضحۃ الملحدین ص۲)

علامہ تفتازانی مقاصد میں لکھتے ہیں :۔

وہ مسلمان جو حق کے مخالف اور گمراہ ہیں، وہ اس وقت تک کافر نہیں کہلاتے جب تک وہ ضروریاتِ دین کا انکار نہ کریں جن کے شارع علیہ السلام سے ثابت ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ مثلاً عالم کے حادث ہونے کا

عقیدہ اور مرنے کے بعد جسمانی طور پر دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ۔
(رد الملحدین ص۳۱)

محقق محمد بن وزیر الیمانی اپنی کتاب ایثار الحق میں لکھتے ہیں :۔

"یہی وجہ ہے کہ تم اس قسم کی عام یا محتمل آیات وحدیث سے اکثر و بیشتر گمراہ فرقوں کو استدلال کرتا ہوا پاؤ گے۔ ہر باطل عقیدے والا اپنی تائید کے لیے اسی قسم کی عام یا محتمل آیات اور احادیث کا سہارا لیتا ہے حتیٰ کہ ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والا بھی جیسے اتحادی فرقے کے غالی لوگ (یعنی وحدۃ الوجود کے غالی قائلین جو اللہ کے سوا اور کسی کو موجود ہی نہیں مانتے اور کل شئی ہالک سے استدلال کرتے ہیں کہ ہالک موجود نہیں معدوم ہے"۔ (اکفار الملحدین از محمد انور شاہ محدث کشمیری ص۹۵)[۱]

شیخ ابن ہمام جو احناف کے مشہور فقیہہ اور محدث ہیں وہ اپنی کتاب مسایرہ میں لکھتے ہیں :۔

---

[۱] اکفار الملحدین جناب محمد انور شاہ کشمیری کی مشہور کتاب ہے۔ وہ ایسے وحدۃ الوجودی مشائخ پر کفر کا فتویٰ نقل کر رہے ہیں جو کل شئی ہالک سے استدلال کرتے ہیں کہ ہالک موجود نہیں معدوم ہے۔ جو وحدۃ الوجودی مشائخ ہالک سے کائنات کے معدوم ہونے کے قائل ہیں اس عقیدے میں ابن عربی اور ہزار ول مشائخ وجودیہ داخل ہیں۔ جو حضرات ابن عربی کی مخالفت میں (باقی بر ص۲۳)

"جو شخص اس کائنات کو قدیم مانے یا حشرِ جسمانی کا انکار کرے ایسے عقیدے والا کافر ہے"۔ اکفار الملحدین ص۱۱۳)

محدث ابن القیم لکھتے ہیں :۔

فصرح افلاطون بحدوث	افلاطون حدوث عالم کا قائل تھا۔ اسی
العالم کما کان علیہ اساطین	طرح قدیم فلاسفہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔
وحکی ذلک عنہ تلمیذہ	لیکن اس کے شاگرد ارسطو نے حدوثِ
ارسطو وخالفہ بحدوث	عالم کی مخالفت کی ہے۔ اس کے بعد
العالم وتبعہ علی ذلک	سارے ملحدین فلاسفہ اس کی پیروی
ملاحدۃ الفلاسفۃ۔	کرتے چلے آئے ہیں۔

(اغاثۃ اللھفان ص۲۳۶)

نبوۃ بالذات کا رد اور قرآن

بعض حضرات کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد میں اُس

(بقیہ حاشیہ ص۲۲) ہم پر ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں وہ دور نہ جائیں ذرا کشمیری صاحب پر بھی ایک دو حرف استعمال کر کے دیکھ لیں۔ ؎

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
بے کار ہے کیوں تیرا گریباں تو مگر دور نہیں

وقت سے نبی ہوں جب کہ حضرت آدم کے جسد کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی، کی حدیث سے ذاتِ نبویہ کی نبوۃ بالذات ثابت کرتے ہیں۔ سب سے اوّل اس امت میں اس حدیث کے مفہوم میں جس نے تحریف کی ہے وہ ابن عربی ہے۔ اس کے بعد وجودی علماء اور مشائخ نے اس مفہوم کو اپنے عقائد میں داخل کر کے اس نظریے کو امتِ مسلمہ میں پھیلا دیا ہے۔ اس مفہوم کی بحث ذرا دقیق ہے۔ ہم صرف تعارف کے طور پر اس کی مختصر وضاحت کر رہے ہیں تاکہ اہل حقائق کو اتنا معلوم ہو سکے کہ اس کا بنیادی ماخذ کیا ہے ابن عربی اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتا ہے:۔

فکل نبی من لدن اٰدم	حضرت آدم سے لے کر آخری نبی یعنی
الی اٰخر نبی ما منہم احد	حضرت عیسیٰ تک جتنے نبی گزرے
یاخذ النبوۃ الا من مشکوٰۃ	ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نبی نہیں ہے
روحانیۃ خاتم النبیین و	جو خاتم النبیین کی مشکوٰۃ سے نبوۃ کا
ان تاخر وجود طینتہ فانہ	فیض نہ لیتا ہو۔ گو آپؐ کا عنصری
بحقیقتہ موجود۔	وجود سب سے متاخر ہے۔ لیکن
فصوص الحکم	آپؐ اپنی حقیقۃ محمدیہ کی وجہ سے
فص شیث ص ۶۹	سب سے پہلے موجود تھے۔

شیخ جامی فصوص الحکم کی شرح میں لکھتا ہے:۔

لمعنی کنت نبیا انہ کان	کنت نبیا کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ
نبیا بالفعل عالما بنبوتہ	اس وقت نبی بالفعل تھے اور اپنی

وغیرہ من الانبیاء ما کان نبیا بالفعل ولا عالما بنبوته الا حین بعث بعد وجودہ (شرح فصوص الحکم ص۴۲) (شواہد النبوۃ از جامی ص۲۵)	نبوت کے علم سے سرفراز تھے. آپؐ کے علاوہ کوئی نبی بالفعل نہ تھا اور نہ اپنی نبوت سے واقف تھا۔ ان نبیوں کو اس وقت نبوت سے سرفراز کیا گیا جب وہ دنیا میں اپنے عنصری وجود کے ساتھ ظاہر ہوئے۔

اس کی زیادہ تشریح مدارج النبوۃ از محدث عبدالحق اور شواہد النبوۃ از جامی میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپؐ کے وجود عنصری پر جو قرآن کے ذریعے نبوت نازل ہوئی تھی اُس نبوت کو آپ کس درجے میں داخل کریں گے۔ ہم اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن آپ یہ بتلائیں کہ ملتِ اسلامیہ کو آپ ذاتِ نبویہ کی کون سی رسالت کا کلمہ پڑھوانا چاہتے ہیں. ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر نبوۃ کی تفہیم میں تحریف نہیں ہو سکتی۔ اب ہم قرآن کی چند محکم آیات پیش کرتے ہیں جن میں صریحًا ثابت ہے کہ آپؐ کی حقیقی نبوت کا آغاز اس وقت سے ہوا ہے جس وقت آپؐ پر آغازِ وحی ہوا تھا۔ نزولِ قرآن سے قبل آپؐ کے وجود پر یا آپؐ کی کسی کشفی حقیقت پر حقیقی نبوۃ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں ہے:۔

۱۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى	آپ نبوت سے قبل بے خبر تھے پس آپ کو ہدایت کا راستہ دکھلا دیا۔

اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے :-

۲۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔	آپ فرما دیجیے مجھے میرے رب نے سیدھا راستہ بتلا دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ قرآن کے نزول سے قبل صراط مستقیم کی اصل حقیقت سے واقف نہ تھے۔

۳۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ	اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی حکم بھیجا ہے (اس سے قبل) آپکو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے نہ یہ خبر تھی کہ قرآن کے مطابق ایمان لانے کا صحیح طریقہ کیا ہے
۴۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔	اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔
۵۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ	اور ایسے پیغمبروں کا جن کا حال ہم اس سے قبل آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ایسے پیغمبروں کا جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔ یعنی جتنے پیغمبر گزرے ہیں ان میں سے کچھ پیغمبروں کا حال آپ کو

معلوم نہیں ہے۔

اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے صرف ان چند آیات پر اکتفا کیا ہے۔ ان میں سے آخری آیت کی قدرے توضیح کر دیتے ہیں۔ ان حضرات کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں جتنے پیغمبر گزرے ہیں، ان کی نبوت بالعرض تھی۔ ہر نبی اپنے اپنے عہد میں ذاتِ نبویہ کی نبوت سے فیض حاصل کر کے تبلیغ کرتا رہا ہے۔ قرآن میں ہے کہ بعض رسولوں کا آپؐ کو علم نہیں دیا گیا۔ جب آپؐ کو ان نبیوں کا علم تک نہیں ہے تو وہ رسول آپؐ کی نبوت بالذات کے اعراض میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں۔ اس نص قطعی کے بعد آپ ان رسولوں کی حقیقی رسالت کا اگر اقرار کرتے ہیں تو آپ کو ذاتِ نبویہ کی نبوۃ بالذات کا انکار کرنا پڑے گا۔ اگر نبوت بالذات کا انکار نہیں کرتے تو پھر ان رسولوں کے حالات کو آپؐ کے علم میں داخل کرنا پڑے گا کیونکہ بالذات وجود کا خاصہ ہے کہ جو اعراض اس کی ذات سے وابستہ ہوں گے ان اعراض کا علم اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی رسالتِ حقیقی کو اعراض کے درجے میں داخل کرنا قرآن کے صریحاً خلاف ہے۔

یونانی علوم اور ہنود مشرکین کے فلسفے کا اہل کتاب کے فلسفے سے زیادہ رد کیا جائے

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما نہی امتہ عن مشابھۃ فارس والروم النصاری فنھیہ عن مشابھۃ الیونان المشرکین والھند المشرکین اعظم	جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل فارس اور رومی نصاریٰ کی مشابہت سے منع کر دیا ہے تو یونان کے مشرکین فلاسفہ اور ہنود کے شرکیہ فلسفے کی مشابہت سے تو سب سے زیادہ بچنا چاہیے۔

(تفسیر سورہ اخلاص ص۳۸)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب میں جتنے کفریہ اور شرکیہ نظریئے پائے جاتے ہیں، ان کی اصل کتابوں میں ان کی صاف تردید موجود تھی۔ جب یہ لوگ دوسری قوموں کے نظریات سے متأثر ہوئے تو انہوں نے ان محرف نظریات کے ساتھ تطبیق دینے کے لیے اپنی کتابوں میں ردوبدل کر دیا۔ دوسرے ان میں اتنی کمزوری پائی جاتی تھی کہ وہ بار بار اپنے نبیوں سے معجزات طلب کرتے تھے۔ معجزہ اور سحر و شعبدہ کے درمیان فرق کرنا عوامی ذہنوں سے بالاتر ہے۔ اس لیے عصا کے سانپ بننے پر تو وہ ایمان لے آئے سامری کے بچھڑے کی آواز پر کافر ہو گئے۔

ہنود اور یونان کا شرکیہ فلسفہ اتنا عسیر الفہم ہے کہ اس کے مقابلے میں اہل کتاب کے بڑے بڑے علما حیران رہ گئے۔ مسیحی امت میں سب سے پہلے فیلو فلاسفر، یوحنا اور پولس متأثر ہوئے۔ فلاسفہ کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ کائنات کی علتِ اوّل کیا ہے۔ طالیس ملطی سے لے کر ارسطو تک علت اول کی مختلف تشریحات پائی جاتی ہیں۔ ارسطو کے نزدیک کائنات کی علت اول، عقلِ اول ہے۔ اس کے نزدیک عقل اول کا مفہوم مادی عقل نہیں ہے بلکہ شعوری اور عقلی ہے۔ نصاریٰ کے علما جب اس نظریے کا انجیل سے جواب نہ دے سکے تو انہوں نے اہلِ یونان میں مسیحی تعلیم پھیلانے کے لیے اس علتِ اول کو حضرت عیسیٰؑ کی ذات پر محمول کر لیا اور اس سے نظریہ تثلیث اختراع کیا۔ ان کے نزدیک ابن اللہ سے مراد خدا کا بیٹا نہیں ہے بلکہ صدرِ کائنات کی علت اول کا نام ہے۔ حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ اس دور میں شام کے مسیحی علما میں یہ نظریہ بہت زور پکڑ چکا تھا۔ وہ اس نظریہ کے تحت مسلمانوں کے ساتھ مناظرے بھی کرتے تھے۔ سرجون دمشقی جو عہدِ معاویہؓ میں وزیر مالیات کے کلیدی عہدے پر فائز تھا، اس کا بیٹا یوحنا دمشقی اس فلسفے کا بڑا اسکالر تھا۔ عہدِ یزید میں اسے کھلی چھٹی تھی کہ جس عالم کے ساتھ چاہے مناظرہ کر سکتا تھا۔ مناظرہ کا مرکزی نکتہ یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ جب کلمۃ اللہ ہیں اور قرآن کلام اللہ ہے جب تمہارا قرآن کلام اللہ ہونے کی وجہ سے غیر مخلوق ہے تو حضرت عیسیٰ بھی کلمۃ اللہ ہونے کی وجہ سے غیر مخلوق ہیں۔ اس طرح یہ فتنہ بڑھتا ہوا حضرت

امام احمدؒ کے زمانے تک اتنا زور پکڑ گیا کہ مسلمانوں کی اکثریت قرآن کے مخلوق ہونے کی قائل ہوگئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی تاکہ حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کی نفی ہو جائے۔ پھر یہ نظریہ روافض عبیدیہ قرامطہ میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد اس نظریہ کو منصور حلاج اور ابن عربی نے حقیقۃ محمدیہ میں تبدیل کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیحی فلسفے کے ساتھ یونانی اور ہنود کے فلسفے کے سمجھنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ لیکن شومئ قسمت سے وحدۃ الوجود کے نظریات اکثر اکابر مشائخ اور علماء کے علم و تقویٰ کو مخمور کر چکے تھے، انہوں نے سوچا جب حقیقۃ محمدیہ کا بروز ولی کے اسپ[1] اشہب میں ظاہر ہو سکتا ہے تو مرزا آخر ایک انسان ہے اگر اسے ایک بروزی نبی مان لیا جائے تو کون سی قباحت میں ہم داخل ہو جائیں گے۔

(۴) توہین نبوت کا ایک پہلو یہ ہے کہ روافض کے نزدیک جس طرح نبی کا انتخاب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اسی طرح امام کا انتخاب بھی اسی نہج پر ہوتا ہے۔ درجے کے لحاظ سے امامت اور نبوت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ اس عقیدے سے استمرار نبوت کے قائل ہیں۔ استمرار نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ ذات نبویہ اگرچہ خاتم النبیین ہیں لیکن جس نبوت کے ساتھ شرائع کی

---

[1] ملا حسین کاشفی رشحات میں نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ سفید گھوڑے پر زیادہ سواری کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ فرمانے لگے کہ خدا کی تجلی مجھے سفید گھوڑے میں زیادہ نظر آتی ہے۔

تکمیل ہوتی ہے۔ اس کی صحیح تعریف خاتم النبیین کے عہد سے پر صحیح نہیں آسکتی۔ بلکہ ضرورت ہے کہ نبوت کے اس اجرا، کو جاری رکھا جائے۔ یہ بحث ذرا عسیر الفہم ہے۔ ہم ایران کے نئے مہدی امام خمینی کے الفاظ میں اس مفہوم کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جناب خمینی فرماتے ہیں :-

"جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو انسان کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے، انسان کی تربیت کے لیے آئے تھے، لیکن وہ بھی اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ آدمی جو اس مقصد میں کامیاب ہوگا اور تمام دنیا میں انصاف کو نافذ کرے گا، خدا تبارک و تعالیٰ حضرۃ ولی عصر امام خمینی کا ذخیرہ کیا ہے ان ہی معنی میں جس کی تمام نبیوں کو آرزو تھی لیکن رکاوٹوں کی وجہ سے ان کو نافذ نہ کر سکے۔ تمام اولیاء کی یہ آرزو تھی لیکن وہ بھی نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے کہ وہ کام اس بزرگوار (خمینی) کے ہاتھوں نافذ ہو جائے۔"

(اتحاد و یک جہتی شائع کردہ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران۔ ملتان۔ ص۱۵)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

والذین قالوا عن الرسول انہ ابتر وقصد وانہ — جو لوگ رسول کے حق میں کہتے ہیں کہ وہ مقطوع النسل ہے اس سے ان کا

یموت فینقطع ذکرہ عوقبوا بعذاب الابتر کما قال اللہ تعالیٰ ان شانئک ھو الابتر فلا یوجد من شنأ الرسول الابتر ہ اللہ حتی اھل البدع المخالفون لسنتہ یموتون ویموت ذکرھم۔

الفرقان بین الحق والباطل

ص ۱۳۴

مقصد یہ ہے کہ جب یہ رسول مر جائیگا تو اس کے ساتھ اس کا مشن بھی ختم ہو جائے گا۔ یاد رکھیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رسول جو آپ کی عیب گیری کر کے کسی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں ایسے لوگ ایسے عذاب میں گرفتار ہونگے تو ان کے مرنے کے بعد ان کا ہر دنیوی نشان بھی ان کے ساتھ ختم ہو جائیگا اسی طرح اہل بدعت میں سے جو آپ کی سنت کی مخالفت کرتے ہیں ان کا نشان بھی ان کی موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

مقام رسالت کی اہانت کرنے والے جلدی ختم ہو جائیں گے

توہین رسالت کے کئی پہلو ہیں۔ محدث قاضی شفاء اپنی کتاب الشفاء میں لکھتے ہیں، جس کی تلخیص یہ ہے :۔

جو شخص خدا کی وحدانیت اور معبودیت کا تو اقرار کرتا ہے لیکن مقام

نبوت کا عمومًا یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصًا یا اور انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی کی نبوت کا بھی انکار کرتا ہے تو وہ بلاشبہ کافر ہے[۱] ہمارے نبی کی نبوت کے خصائص میں تحریف کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ کی زمانی ختم نبوت کے بعد تو نئے نبی کے آنے کا انکار کریں لیکن مرتبی ختم نبوت کے ذریعے غیر تشریعی نبی کے آنے کا اقرار کرے۔ حالانکہ نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے جس کے ساتھ غیر تشریعی نبوت کی قسم وضع کرنا بھی کفر کے مترادف ہے۔ جیسے مقام الوہیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ بعض الٰہ غیر الوہیت کے ساتھ بھی الٰہ بن سکتے ہیں۔ اسی طرح کوئی نبی بھی کہلائے اور اس کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے کہ یہ غیر تشریعی نبی ہے۔ بھلا دنیا میں کوئی ایسا نبی گزرا ہے کہ جسے نبی بنا کر تو بھیجا گیا ہو لیکن اس پر وحی نہ اتری ہو۔ جب کوئی نبی وحی کے بغیر نبی بن ہی نہیں سکتا، پس یہی وحی تو تشریعی احکام کہلاتی ہے۔ ورنہ تشریعی احکام کا اور کیا مفہوم ہو سکتا ہے؟۔

(۲) تحریف کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ذات نبویہ کی تشریعی نبوت کو تکوینی نبوت میں تبدیل کر دے۔ جیسے کہتے ہیں کہ آپؐ اپنی حقیقت محمدیہ کے ساتھ کائنات کے ذرے ذرے میں موجود اور حاضر ہیں، اگر آپؐ کی حقیقت کو کائنات سے ایک سیکنڈ کے لیے بھی علیحدہ کر دیا جائے تو ساری کائنات آناً فاناً فنا ہو کر رہ جائے[۲] آپ بتلائیں کہ اس عقیدے کے تحت آپ نبوت کے تشریعی

---

[۱] کتاب الشفاء صفحہ ۵۳۸ [۲] صلاۃ الصفا از احمد رضا و تسکین الخواطر از کاظمی۔

وجود کے ذرے ذرے کو کائنات کے وجود میں پھیلا رہے ہیں۔ یا اس سے آپ کی نبوت کی کوئی دوسری قسم مراد ہے۔ اس عقیدے کے تحت آپؐ کی تشریعی نبوت جب کائنات کے ذرے ذرے میں نہیں پھیل سکتی۔ لازماً آپؐ کی اس تشریعی نبوت کو تکوینی نبوت میں تبدیل کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس سے آپؐ کا روح الاکوان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی عقیدہ ہے جس کا آپ ملتِ اسلامیہ میں رات دن پرچار کرتے رہتے ہیں۔ کائنات میں اچھی چیزوں کے علاوہ بہت سی قبیح چیزیں بھی موجود ہیں، جب یہ ساری قبیح چیزیں آپؐ کی حقیقتِ محمدیہ کے ذریعے قائم ہیں تو بتلائیے اس سے زیادہ توہینِ نبوت کا اور زیادہ پہلو کون سا ہو سکتا ہے اور کون سا ایسا شر ہے جس کی آپ اس نظریے کے ساتھ آبیاری نہ کر رہے ہوں۔

(۳) توہینِ نبوت کا ایک پہلو یہ ہے جسے قادیانی امت پیش کر رہی ہے۔ اگر مرزا قادیانی بروزی نبوت کا مظہر بن سکتا ہے تو اس مظہر کا کوئی معیار وضع کیجیے جس معیار میں کوئی دوسرا شخص بروزی نبوت کا مظہر نہ بن سکتا ہو۔ اگر مرزا کی لائف بروزی نبوت کا معیار ہے تو آپ دعوے کے ساتھ ثابت کریں کہ ایسی لائف کا معیار صرف مرزا پر آکر ختم ہو جاتا ہے یا اس قسم کا دوسرا معیار امکان قدرت سے بھی خارج ہے کہ کسی دوسرے وجود پر یہ معیار عائد نہیں ہو سکتا۔ مرزا بے چارہ چونکہ وحدۃ الوجودی تھا اس نے تعینِ اول کے بروز میں اپنے آپ کو بھی شامل کر لیا۔ جو اہلِ علم اگر وحدۃ الوجود کے بروزی اور حلولی خطرے سے واقف ہوتے تو وہ قطعاً مرزائیت میں داخل نہ ہوتے

محمدؐ کو خدا مان لیا

علامہ کاظمی صاحب اپنے مسلک کی تشریح میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ مخالف کی طرف سے کسی خاص گرفت کا احتمال نہ رہے۔ مولوی محمد یار گڑھی والے خواجہ غلام فرید کے خاص خلیفہ ہیں۔ انہوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کا نام دیوان محمدی ہے۔ وہ وحدۃ الوجود کے نظریے کو جتنا عریاں کر سکتے تھے اپنے دیوان میں اس عریانی کا کوئی پہلو بھی نہیں چھوڑا اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔ جو آدمی جس نظریئے کا حامل ہو اس میں اخفاء یا تاویل اور تقیہ سے کام لینا اس سے نفاق کی عفونت ظاہر ہوتی ہے۔ اس دیوان میں ایک شعر ہے ؎

گر محمد نے محمدؐ کو خدا مان لیا
پھر تو سمجھو کہ مسلماں ہے دغا باز نہیں

شعر میں پہلا محمد شاعر کا تخلص ہے۔ یعنی محمد یار گڑھی والے نے اپنے عقیدے میں اگر محمدؐ کو خدا مان لیا پھر تو سمجھ لیجیے کہ وہ حقیقی مسلمان ہے اگر خدا نہیں مانتا تو پھر تیابت رسول کے ساتھ دغا بازی کے مترادف ہے۔ کسی صاحب نے علامہ کاظمی کو یہ شعر لکھ کر سوال کیا ہو گا کہ کیا بریلوی مذہب میں ایسا عقیدہ درست ہے؟ علامہ کاظمی صاحب نے اس شعر کے مفہوم میں جو جواب تحریر فرمایا ہے اسے ملاحظہ کیجیے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

" حضرت قبلہ مولانا محمد یار صاحب کا وہ شعر جو تم نے لکھا ہے اور

اسی جیسی دوسری عبارات (جو مسلّم بین الفریقین کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں) مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعیّنات سے قطع نظر کر کے موجود حقیقی یعنی ما بہ الموجودیت حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کچھ نہیں۔ ہر شئے کا یہی حال ہے کہ تعینات کا انتفاء ہوجائے تو حقیقت حقہ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اس میں نبی اور غیر نبی حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عامہ خلائق مظاہر ناقصہ ہیں اور اولیاء کرام اپنے مراتب کے لحاظ سے کامل مظہر ہیں اور انبیاء علیہم السلام ان سے زیادہ مظاہر کمال ہیں اور جمیع کائنات سے اکمل و افضل مظہریت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاصل وثابت ہے۔ اس لیے کہ کمال امور اضافیہ میں سے ہے۔" (مقدمہ دیوان محمدی ص۱۹)

اس کے بعد علامہ کاظمی نے ابن عربی کی ایک عبارت کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے آگے ابن عربی کی حمایت میں اس شعر پر اعتراض کرنے والوں کی کتابوں سے حوالے دیے ہیں۔ دلائل میں اچھا خاصا مواد جمع کر دیا ہے اور سب سے آخر میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یار صاحب کا دامن اس مسئلہ میں ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مقدمہ دیوان محمدی ص۲۱) اس رسالے میں ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ کاظمی کی ساری عبارتوں کا جواب دیا جائے۔ کاظمی صاحب کے اصل مخاطب چونکہ علماء دیوبند ہیں یہ ان لوگوں کا حق ہے کہ

اس کا حرف بحرف جواب دیں۔ لیکن ابھی تک ہمارے علم میں یہ بات نہیں پہنچی کہ کسی دیوبندی عالم، محدث یا فقیہ نے اس کے خلاف ایک حرف لکھنے کی بھی تکلیف گوارا کی ہو۔ اگر کسی صاحب نے جواب لکھا ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کر دیجیے۔ اب ہم کاظمی کی عبارت کی ذرا توضیح کر دیتے ہیں تاکہ تفہیم میں آسانی رہے۔

ا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہے اور اس جیسی عبارتیں مسلّم بین الفریقین کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ان دو فریقوں سے مراد دیوبندی اور بریلوی مسلک کے علماء ہیں۔ یہ بات کاظمی صاحب نے اس لیے لکھی ہے تاکہ کوئی دیوبندی اس شعر کے مفہوم پر کفر کا فتویٰ نہ لگا سکے۔ اگر واقعی اس شعر سے کفر ظاہر ہوتا ہے تو اس میں صرف بریلوی علماء ہی شریک نہیں ہونگے بلکہ ہمارے ساتھ اس عقیدے میں دیوبندی علماء بھی شریک ہوں گے۔ باقی رہا یہ کہ اس عقیدے کی بنیاد پر کاظمی صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ مسئلہ اور عقیدہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہے۔ اور یہ عقیدہ ہم دونوں کے مسلک کے نزدیک مسلّم ہے۔ واقعی اس میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں ہے۔ اور ہم اس رسالے میں بھی یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں فریق کے عقیدۂ توحید اور رسالت کا اصل مأخذ وحدۃ الوجود ہے اور وحدۃ الوجود ابن عربی کا نظریہ ہے۔ ابن عربی سے پہلے ایسا عقیدہ اسلاف میں موجود نہ تھا۔ اور نہ یہ نظریہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے بلکہ ساتویں صدی کے بعد علماء اور مشائخ کی اکثریت اس

عقیدے میں گرفتار نظر آتی ہے۔ یعنی ساتویں صدی کے بعد اسلام کے دو حصے ہوگئے تھے۔ ایک اسلام دور نبوت سے شروع ہوکر ابن عربی کے دور تک ختم ہوجاتا ہے اور اسلام کا دوسرا دور ابن عربی سے شروع ہوکر ابھی تک عروج کے ساتھ رواں دواں ہے۔

۲۔ ان دو اسلاموں میں جو خاص فرق ہے وہ یہ ہے کہ نظریۂ وحدۃ الوجود کیا ہے؟ سوال تو مختصر ہے لیکن یہ نظریۂ وحدۃ الوجود اپنے مفہوم کے لحاظ سے اتنا مشکل ہے کہ اس کی تشریح تو دور کی بات ہے صرف اس کے عنوان میں اتنی باریکیاں پوشیدہ ہیں کہ بڑے بڑے لوگ اس کے عمیق غار میں ایسے ڈوبے کہ قبر تک اس وادی سے نہ نکل سکے۔ اِس عاجز پر خدا کے فضل وکرم سے وحدۃ الوجود کے بنیادی ماخذ کا پورا انکشاف ہوگیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اہل علم اور ملت اسلامیہ کو اس کے شجرۂ نسب سے آگاہ کیا جائے تاکہ کسی طرح وہ اس کے مسموم اثرات سے متاثر ہوکر جہنم کا ایندھن نہ بن جائیں۔

۳۔ آپ انصاف کریں کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں اور یہ علما، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنا عین ایمان سمجھتے ہیں۔ آپ کا ضمیر خواہ کتنا ہی کمزور ہو لیکن اس تقابل پر تو ضرور گواہی دے گا کہ ظاہراً تو ان دونوں کے عقیدوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ پھر دوسری طرف الٹ کر یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ تو بڑے بڑے اکابر ایسا عقیدہ رکھتے ہیں واقعی اس کے تحت کوئی حقیقت پوشیدہ ہوگی۔ ورنہ ایسی غلطی کو یہ لوگ

کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ ہم آپ کو ایک میزانِ تعادل کے قاعدے سے ایک مثال سے سمجھاتے ہیں شاید آپ کو ہدایت نصیب ہو جائے۔ ایک شخص دعوےٰ کرتا ہے کہ میں قرآن کا قاری ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ میرے پاس امام عاصم جو قاریوں کا امام ہے اس کی سند میرے پاس ہے۔ اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتا ہے اگر آپ اس سند پہ یقین نہیں کرتے تو میں لکڑی کو بھی سانپ بنا سکتا ہوں۔ اگر میں قاری ہونے میں جھوٹا ہوں گا تو پھر میں لکڑی کو سانپ نہ بنا سکوں گا۔ ان دونوں قوی دلائل کے بعد اگر آپ یہ دلائل بھی قبول نہ کریں تو میں قرآن کو پڑھ کر سُنا بھی سکتا ہوں۔ اس کی پہلی بات سے قاری ہونے کی اعلیٰ سند معلوم ہوتی ہے۔ اب جو بھی اس کی علمی قابلیت پر اس کی سند پر اعتماد کرے گا وہ واقعی اسے قاری سمجھے گا اگرچہ وہ قرآن سے بالکل جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کی دوسری گواہی سے اس کا ولی صاحبِ کرامات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بھلا جو لکڑی کو سانپ بنا سکتا ہے وہ قاری ہونے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ اب کوئی آدمی اس کی ان دونوں شہادتوں پر اعتماد نہ کرے تو جو لوگ اس کی پہلی دو شہادتوں پر گرویدہ ہو چکے ہیں، وہ لوگ اسے سخت بے ادب کہیں گے کہ دیکھیے کہ یہ لوگ ایسے امام کی سند پر بھی اعتماد نہیں کرتے، دوسرے اسے ولی کا بے ادب اور گستاخ بھی کہیں گے، کہ دیکھیے ایسا صاحبِ کرامت جو لکڑی کو سانپ بنا سکتا ہے وہ بھلا قاریٔ قرآن کیوں نہیں ہو سکتا۔

جس آدمی پر یہ لوگ ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں، وہ کہتا ہے اگر وہ قرآن سُنا دے تو میں اسے قاری تسلیم کر لوں گا۔ ورنہ میں نہ اس کی علمی سند کا اعتبار کرتا ہوں اور نہ اس کی اس کرامات پر یقین رکھتا ہوں۔ اب بتلائیے اس آدمی کے قاری ہونے میں آپ کے نزدیک کون سی شہادت مقبول ہے اگر آپ اس میزانِ تعادل کے قاعدے کو ضبط کر لیں تو آپ کو حق اور باطل میں امتیاز کرنے کی ایک قیمتی کسوٹی حاصل ہو جائے گی۔ دیکھیے! اگر بعض اکابر کی کتاب میں کوئی غلطی پائی جائے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ تو بڑا شیخ الحدیث ہے فلاں فلاں دینی مدارس کی انہیں سند حاصل ہے۔ وہ بھلا ایسی غلط بات اپنی کتاب میں کیسے درج کر سکتا ہے۔ اس شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے معتقدین تردید کی بجائے اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے ہزاروں تاویلوں کا جال بچھا دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی بزرگ کی کتاب میں کسی غلط نظریے کی نشان دہی کر دی جائے تو ان کے معتقدین ان کی صدہا کرامات کی وجہ سے اس نظریے کو غلط کہنا برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ بلکہ اُلٹا اسے گستاخِ اولیاء کے لقب سے سرفراز کر دیتے ہیں۔ صحیح شخص وہ ہے جو اس دلیل کو قبول کرتا ہے جس کی شہادت قرآن و سنت میں صاف طور پر موجود ہو۔ حضرت علیؓ کا مشہور قول ہے کہ حق بات کو رجال کے ذریعے نہیں پہچانا جاتا، بلکہ رجال کی صداقت کو حق کے ذریعے پہچانا جاتا ہے۔ اب حقیقت میں اس کے قاری ہونے میں تیسری شہادت معتبر ہے کہ خود قرآن کی

تلاوت اس کے قاری ہونے پر گواہی دے رہی ہے۔ باقی دو دلیلیں صرف حُسنِ عقیدت کی تقریظ پر محمول نظر آتی ہیں۔

اب ہم شعر کے مفہوم کی طرف عود کرتے ہیں۔ دیکھیے! اس کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ذاتِ نبویہ کو خدا مان لینا حقیقی مسلمان ہونے کی علامت ہے ورنہ اس کے خلاف ذاتِ نبویہ کے ساتھ دغابازی ہوگی یہ بات چونکہ عقیدہ سے تعلق رکھتی ہے کاظمی صاحب کو چاہیے تھا کہ اس پر قرآن و حدیث کے شواہد پیش کرتے۔ لیکن انہوں نے لکھا کہ اس جیسے عقیدہ کی عبارتیں مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں۔ اور اس کے آخر میں یہ لکھ دیا کہ مولانا محمد یار صاحب کا دامن اس مسئلہ (عقیدہ) میں ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ دیکھیے اس جواب میں کاظمی صاحب وہی طریقہ استعمال کر رہے ہیں جیسا کہ گزشتہ مثال میں میزان تعادل کے ذریعے سمجھایا ہے۔ کاظمی صاحب فرماتے ہیں:۔

۱۔ اس جیسی عبارتیں جن سے ایسا عقیدہ ثابت ہوتا ہے وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں۔

۲۔ دوسرا اس عقیدے میں صرف مولانا محمد یار گڑھی والے منفرد نہیں ہیں بلکہ اکابر امت کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ کا بھی یہی عقیدہ ہے اور یہ اکابر ایسے ہیں جن کی عظمت دونوں فریقوں (دیوبندیوں اور بریلویوں) کے نزدیک مسلّم ہے۔ جس سے ایک مسلک کی تکفیر دوسرے

مسلک کی تکفیر کو مستلزم ہو گی کیونکہ کافر کی تکفیر فرض ہے اور اس کی توثیق حرام بلکہ کفر ہے۔ (مقدمہ دیوان محمدی ص۲۳)

اب اس کا حل اِس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر علماء دیوبند تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ایسا عقیدہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہے تو پھر انھیں واضح طور پر قبول کر لینا چاہیے کہ ایسے عقیدے والے پر تکفیر عائد نہیں ہو سکتی۔ اس سے ملت اسلامیہ کی اکثریت پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان علماء کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی ابنیت اور ذاتِ نبویہ کی الوہیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر واقعی کوئی آدمی ذاتِ نبویہ کو خدا مانتا ہے اور علماء دیوبند کے نزدیک یہ عقیدہ صریحاً کفر ہے تو پھر انہیں نظریہ وحدۃ الوجود کی بھی صریحاً تکفیر کرنی لازم ہو گی کہ جو نظریہ ذات نبویہ کو خدا بنا رہا ہو ایسے نظریے کو پھر اسلام میں داخل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ یا اس نظریے سے اگر ذاتِ نبویہ کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی تو کاظمی صاحب نے جو مسلّم بین الفریقین کی عبارتوں کے حوالے پیش کیے ہیں، ان حوالوں کی دلائل کے ساتھ تکذیب کر دی جائے لیکن تکذیب کی ایسی صورت اختیار نہ کی جائے کہ بریلویت کی بھی اس عقیدے سے برئیت ثابت ہو جائے۔ کیونکہ انہوں نے تو واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا مان لینا عین اسلام ہے اور اس کے برعکس خدا نہ ماننا ذات نبویہ کے ساتھ غداری کے مترادف ہے۔ اس کے بعد اکابر علماء دیوبند کی وہ عبارتیں جنھیں کاظمی صاحب نے نظریہ وحدۃ الوجود کی

تائید میں بطور شواہد پیش کیا ہے۔ بریلوی علماء کا یہی حربہ ہے جو ابھی تک علماء دیوبند کو اس قسم کی تحریروں میں لاجواب اور ساکت بنائے ہوئے ہے۔ کیونکہ دو موصوف ایسے ہیں جن کی ہر صفت ایک دوسرے کے برابر ہے۔ اس طرح جب تک ان موصوفوں کے درمیان بنیادی فرق ثابت نہ کیا جائے گا تو ان دونوں موصوف کی صفت میں فرق ثابت کرنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ ہاں اگر موصوف ایک ہوتا اور اس موصوف کی صفات میں فرق ہوتا تو پھر میزانِ تعادل کے قاعدے پر ان کے نظریے کی اس طرح تکذیب ہو جاتی کہ یہ عقیدہ صرف مسلک بریلویت کے ساتھ مختص ہو جاتا اور دیوبندیت کی اس سے صریحاً بریت ثابت ہو جاتی۔ اب یہ سارا وزن علماء دیوبند کے ذمہ عائد ہوتا ہے وہ جس طرح چاہیں اپنی بریت ثابت کریں، یا اس کی حمایت میں سکوت اور تقیہ کی روش اختیار کریں۔ لیکن یاد رکھیے اگر یہ لوگ اس نظریے کی تردید میں سکوت اور تقیہ سے کام لیتے رہیں گے، اس کے نتیجے میں ایک تو بریلویت کو فروغ ملتا رہے گا دوسرا ایک نہ ایک دن دیوبندیت کی اکثریت بریلویت کے پیٹ میں ہضم ہو کر رہ جائے گی۔

ہاں یہ بات یاد رکھیں کہ علماء دیوبند اس عقیدے سے اپنے دامن کو تب صاف کر سکتے ہیں جب تک ابن عربی کے فلسفہ وحدۃ الوجود کے مرکزی ماخذ اور اس کے بنیادی اصولوں کی سازش پر پورا درک نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ ساتویں صدی کے بعد جتنے اکابر علماء اور مشائخ گزرے ہیں

ان کی اکثریت اس نظریئے کی صرف معتقد ہی نہیں رہے بلکہ وحدۃ الوجود کے زبردست داعی بھی رہے ہیں۔ بلکہ اسے اتنے بام عروج پر لے گئے ہیں کہ جب تک کوئی اس نظریئے پر اعتقاد نہ رکھے اس کے ایمان کی اعلیٰ تکمیل بھی ناقص رہ جاتی ہے[1]۔ علامہ محمد فضل حق خیرآبادی لکھتے ہیں:۔

"اگر انبیاء علیہم السلام وحدۃ الوجود کی دعوت دیتے تو ان کی رسالت کا فائدہ فوت ہو جاتا، یہ عقیدہ عوام کے ذہنوں کی سطح سے بلند ہے اس لیے ان حضرات کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر گفتگو کریں۔" (الروض المجود از خیرآبادی ص۴۴)

اس سے معلوم ہوا کہ وجودی مشائخ کے نزدیک وحدۃ الوجود کا نظریہ رسولوں پر اُتارا تو گیا تھا، لیکن عسیر الفہم ہونے کی وجہ سے اس کی تبلیغ سے منع کر دیا گیا تھا۔ اگر بالفرض اس کی تبلیغ کرتے تو ان کی رسالت کا بنیادی مقصد فوت ہو جاتا۔ سوال یہ ہے کہ جس کی اشاعت سے رسالت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے ساتویں صدی کے بعد اس کی وہ کون سی ضرورت تھی کہ اسے عوام و خواص میں بطور عقیدہ پھیلا دیا گیا۔ ابن عربی اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں:۔

"جو کچھ میں نے فصوص الحکم میں لکھا ہے یہ سب کچھ میں نے منامی کشف کے

---

[1] سیرۃ اشرفیہ از غلام محمد حیدرآبادی۔ دمغ الباطل از شاہ رفیع الدین دہلوی رحؒ

ذریعے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ نے مجھے فرمایا

ھذا کتاب فصوص الحکم	یہ کتاب فصوص الحکم ہے تم اسے
خذہ واخرج بہ الی الناس	لے کر لوگوں کے پاس جاؤ تاکہ وہ
ینتفعون بہ۔	لوگ اس سے خوب نفع اٹھائیں

(فصوص الحکم ص۲۹)

اب خود غور فرمائیے کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں اس نظریے کی خود تبلیغ کرتے تو عسیر الفہم ہونے کی وجہ سے آپؐ کی رسالت کا مقصد فوت ہو جاتا۔ دوسرے یہ نظریہ ایسا عسیر الفہم تھا کہ اسے عہد نبوۃ میں صحابہؓ بھی نہ سمجھ سکتے۔ اگر واقعی یہ نظریہ دین میں داخل تھا تو پھر رسولوں کو اس کی اشاعت سے کیوں منع کیا گیا اور پھر اس کے بعد وہ کون سی ضرورت لاحق ہوگئی کہ اس عسیر الفہم فلسفے کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابن عربی کو خود حکم دے رہے ہیں کہ اس کتاب کو لوگوں کے پاس لے جاؤ اب لوگ اس سے خوب نفع حاصل کریں گے۔ یعنی اس نظریے کی اشاعت عہد صحابہؓ میں تو گمراہی کا سبب بن رہی تھی مگر اب وہی گمراہی ابن عربی کے عہد میں نبوی حکم کے ذریعے ایمان کی اعلیٰ تکمیل کا باعث بن رہی ہے۔ اگر اہل علم اس نکتے کے فرق کو بھی ملحوظ کر لیں تو اس نظریے کا فیصلہ جلدی ہو سکتا ہے ورنہ ضد اور عصبیت کا علاج تو موت ہی کر سکتی ہے۔

کاظمی صاحب نے لکھا ہے کہ جس نظریے کے تحت ذات نبویہ کو خدا کہنا عین ایمان ہے، اس کا اصل مبنیٰ وحدۃ الوجود کا نظریہ ہے۔ اگرچہ وحدۃ الوجود کا

بانی ابن عربی ہے لیکن اس نظرئیے کے بعض مصادر کا اُس وقت آغاز ہو چکا تھا جب کہ بعض صوفیہ نے تیسری صدی کے اوائل میں فنا۔ توکل اور محبت کی تعبیر کو صوفیانہ اصطلاح میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ فنا کی تعبیر کا ماخذ بدھ مت کے نظریہ نروان سے ماخوذ تھا۔ توکل اور محبت کی تعبیر میں مسیحی تصوف کا زیادہ اثر نمایاں تھا۔ اس کے ساتھ قرامطہ کا نظریہ حلول بھی ایسے نظریات میں شامل ہو کر ان کی اچھی طرح آبیاری کر رہا تھا۔ منصور حلاج باطن میں قرامطی نظریات کا داعی تھا[1] اس نے اپنی مشہور کتاب طواسین میں صراحت کی ہے کہ ذاتِ نبویہ کا وجود ازل میں بھی موجود تھا۔ اس لیے آپؐ کو ہم قدیم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد امام غزالی نے فلسفہ تصوف کو شواہد کے ساتھ مدوّن کیا۔ اور سابقہ ایسی تعبیرات کو اپنی کتابوں میں فلسفے کے رنگ میں مستور کر کے درج کر دیا۔ امام غزالی کے زمانے میں ایک مشہور صوفی گزرا ہے۔ جس کا نام عین القضاۃ ہمدانی ہے۔ یہ منصور کے نظرئیے سے اتنا متاثر تھا کہ ذاتِ نبویہ کے قدیم ہونے کی وجہ سے آپؐ کو عین خدا کہتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عربی عین القضاۃ ہمدانی کے نظرئیے کو ایک دوسری تعبیر کے ساتھ عام کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس لیے کہ یہ نظریہ ایسا تھا کہ اس کے بغیر وحدۃ الوجود کی اصل بنیاد حقیقۃ محمدیہ استوار نہ ہو سکتی تھی عین القضاۃ

---

[1] رسائل ابن تیمیہ۔

ہمدانی کے نظریے پر حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی کچھ گفتگو کی ہے۔ بہتر ہے کہ ہم ان دونوں کی تصریحات آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ اس کے بعد ان کے کچھ ثمرات بھی بیان کر دیں۔ مقصود یہ ہے کہ کاظمی صاحب کا یہ نظریہ جو ایک جدید مسیحیت کی ترجمانی کر رہا ہے قارئین اس کے قدیم ماخذ سے بھی روشناس ہو سکیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ شیخ حامد نہاری کے جواب میں لکھتے ہیں :-

آپ نے تمہیدات عین القضاۃ کی عبارت کے معنی پوچھے تھے اس میں لکھا ہے :-

"جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جس کو تم حضرت محمد کہتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہے"۔

"میرے مخدوم! اس قسم کی عبارتیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں شکر کے غلبے میں جو مرتبہ جمع ہے اور جسے کفرِ طریقت سے تعبیر کرتے ہیں، صوفیہ کرام سے ایسے کلمات بہت صادر ہوتے ہیں اور دوئی کی تمیز ان کی

ﻟﮧ کاظمی صاحب نے لکھا ہے کہ ہمارے اس عقیدے کے ساتھ اکابر علماء دیوبند بھی متفق ہیں۔ اب ان حضرات کا فرض ہے کہ وہ کاظمی صاحب کے اس دعوے کی تردید کر دیں یا سکوت اختیار کر کے کاظمی صاحب کی جدید مسیحیت کے ساتھ مطابقت کا ثبوت فراہم کر دیں۔

نظر سے دور ہو جاتی ہے اور ممکن وجود کو واجب الوجود کا عین سمجھتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ممکن بالکل ہوتا ہی نہیں اور واجب کے سوا ان کا مشہود نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اس عبارت کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ امتیاز اور دوئی جو تمہارے نزدیک خدا تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پائی جاتی ہے ہمارے نزدیک وہ امتیاز اور مغائرت ثابت نہیں ہے بلکہ وہ ایک ذات جو ایک ہونے سے بھی منزہ ہے دوسرے کا عین ہے۔ جب تمام ممکنات سے دوئی اور مغائرت کی نسبت دور ہو جائے گی تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حق تعالیٰ کے کمالات کا مظہر اتم ہیں، ان کے امتیاز کی نسبت کس طرح ثابت سمجھی جائے گی۔ یہ مرتبہ عین الجمع کے ساتھ ہی مخصوص ہے جب سالک اس مقام سے گزر کر بلندی پر چلا جاتا ہے اور سکر کی افراط سے آنکھ کھول دیتا ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول سمجھتا ہے جیسا کہ انہیں ابتدا میں سمجھتا تھا۔ واضح ہو کہ مبتدی اور منتہی دونوں صورتوں میں مشترک ہیں لیکن منتہی صاحب کمالات ہوتا ہے۔" (مکتوب ۸۰ ج ۲ ص ۲۵۵)

حضرت مجدد صاحبؒ کی تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ جس مقام پر صوفی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عین خدا سمجھتے ہیں یہ مقام سکر کے غلبے میں شمار ہوتا ہے جس کا دوسرا نام عین الجمع اور کفر طریقت ہے۔ اس جگہ ممکن اور واجب کے درمیان جو دوئی اور مغائرت پائی جاتی ہے وہ بالکل ختم

ہوجاتی ہے۔ صوفی جب اس سکر یہ مقام سے پرواز کر کے اس سے بلند مقام پر
پہنچتا ہے تو پھر اس پر رسول کی عبدیت غالب ہوجاتی ہے۔ بلند مقام سے
مراد یہ ہے کہ وہ انتہاء کے مقامات طے کرتا ہوا پھر ابتداء کی طرف لوٹ آتا ہے
یہاں اس مبحث کا موقعہ نہیں ہے ورنہ میں عین الجمع اور کفر طریقت کے عواقب
کی اچھی طرح تشریح کر دیتا۔ ہاں اتنا کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف
ایک ایسا خطرناک مسلک ہے کہ خدا جانے وہ کتنے صوفیہ کو اب تک اس
کفر طریقت کی وادی میں دھکیل کر ہلاک کر چکا ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ وہ
مبتدی ہی بنے رہتے تاکہ ایمان کا جوہر تو سلامت رہتا۔ اب ہم کاظمی
صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ آپ نے مجدد صاحبؒ کا تحقیقی
جواب سُن لیا ہے کہ جس نظریئے کے تحت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
خدا کہنا عین ایمان ہے وہ نظریہ صوفیہ کے نزدیک مقام سکر پر محمول ہے،
کیا آپ بھی اس نظریئے کی اشاعت کر کے مسلمانوں کی اکثریت کو اسی
سکر کا نشہ پلانا چاہتے ہیں؟ دوسرے جب کہ صوفیہ بھی اس مقام کو سلوک
کے درجے میں خام تصور کرتے ہیں تو شرعاً اس مقام کی کون سی حیثیت
باقی رہ جائے گی۔ آپ بے شک ایسی شرکیہ حشیش گھوٹ گھوٹ کر
لوگوں کو پلاتے رہیں، لیکن جب نشے کی حالت میں نماز بھی قبول نہیں
ہوتی تو خدا کی معرفت کیسے قبول ہوجائے گی۔ اب عین القضاۃ کی عبارت پر
جو شاہ ولی اللہؒ نے تبصرہ کیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔ شاہ ولی اللہؒ
شیخ ابوالرضاء سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"عین القضاۃ کی یہ شطح کہ" جسے تم خدا جانتے ہو میرے نزدیک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہو وہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ ہے" کے بیان میں فرمایا، چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم واجب الوجود کا آئینہ اور اس کا مظہر اتم ہیں اور حقیقتِ محمدیہ تعین اول اور جامع تعینات و مظاہر ہے اور تمام کائنات کا ظہور ان کے نور سے ہوا ہے اس اعتبار سے عین القضاۃ ہمدانی نے مذکورہ بات کی ورنہ واجب الوجود تو ہر ذرّے میں یکساں جلوہ گر ہے، اور وحدتِ معنی کے باوجود تکرارِ لفظ تو محض تفنّنِ عبارت ہے۔"

(انفاس العارفین ص۲۳۴)

اس میں شاہ ولی اللہؒ نے دو چیزوں کی نشان دہی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ عبارت صوفیہ کی شطح پر محمول ہے۔ شطح ایک ایسی چیز ہے جسے نہ صوفیہ سلوک میں حجت سمجھتے ہیں اور نہ شرع میں اس کا کوئی مقام سمجھتے ہیں۔ مجدد صاحبؒ کا قول کہ یہ بات سکر پر محمول ہے شطح کے مفہوم کے مترادف ہے۔ دوسرے شاہ صاحبؒ نے واضح کیا ہے کہ اس کا بنیادی ماخذ حقیقتِ محمدیہ ہے۔ یہیں ہم بھی بار بار یہی عرض کر رہے ہیں کہ موجودہ بریلویت یا اس کے ہم نوا جتنے مسلک ہوں، ان سب کا ماخذ حقیقۃ محمدیہ کا نظریہ ہے۔ ایک نابالغ طالب علم نے اپنے استاد سے پوچھا تھا کہ میں نے ایک کتاب پڑھی ہے اس میں عورت کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ استاد جی! عورت میں وہ کون سی خاصیت ہے کہ بڑے بڑے سکالر اس کی تعریف پر مجبور نظر آتے ہیں۔

استاد نے فرمایا اس کا جواب تقریر سے سمجھ میں نہیں آتا، جب تم بالغ ہو جاؤ گے تو تمہیں یہ خاصیت خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ اس مثال کے مطابق علماء کرام سے بھی یہی گزارش ہے کہ آپ شرک کی تردید میں ہزاروں تقریریں کریں یا کتابوں کے ذریعے اس کی قباحت کا انکشاف کرتے رہیں۔ لیکن جب تک آپ حقیقت محمدیہ کے فلسفے پر بالغ نظری سے کام نہ لیں گے، عصر حاضر کا شرک اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ آپ لوگ جس شرک کی تردید کر رہے ہیں ہم اسے ظلی شرک اور ظلی الحاد کا نام دیتے ہیں۔ کسی چیز کے سائے کو آپ روزانہ ہزاروں مرتبہ کاٹتے اور پیٹتے رہیں سایہ ویسے کا ویسے رہے گا۔ آپ جب اُس وجود کو جس سے کہ یہ سایہ ظاہر ہو رہا ہے ختم کر دیں گے تو سائے کا وجود خود بخود ہی ختم ہو جائے گا اور اللہ کا نام باقی رہ جائے گا۔ اب ہم آخر میں کاظمی صاحب کا وہ مکتوب نقل کرتے ہیں جو انہوں نے محمد یار گڑھی والے کے شعر کی تصدیق میں لکھا ہے :-

درج ذیل شعر کی حقانیت پر مدلل جواب

از علامہ سید سعید احمد کاظمی

مولوی محمد یار گڑھی والے ایک مشہور وجودی عالم تھے جو خواجہ غلام فرید کے خاص خلیفہ تھے۔ ان کے دیوان میں ایک شعر تھا ؎

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا
پھر تو سمجھو کہ مسلماں ہے دغاباز نہیں

شعر کے پہلے محمد سے مراد مولوی محمد یار ہے۔ اس شعر کے ظاہری مفہوم سے صاف ظاہر ہے کہ ذاتِ ہو یہ کو خدا مان لینا عین اسلام ہے۔ ورنہ اسلام کے ساتھ دغابازی ہے۔

اس شعر کو لکھ کر کسی صاحب نے علامہ کاظمی سے سوال کیا ہے کہ ایسا شعر کہنے والے اور ماننے والے کا عقیدہ صحیح ہے یا غلط بعض دیوبندی علم ایسے عقیدے والے کو کافر کہتے ہیں۔ کیا ایسا شعر کہنے سے واقعی وہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ علامہ کاظمی صاحب نے اس کے جواب میں ایک علمی تحریر لکھی ہے۔ ہم اس تحریر کو حرف بحرف نقل کر رہے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حقیقتِ محمدیہ اور وحدۃ الوجود کے ذریعے یہ لوگ کیسا اسلام پھیلانا چاہتے ہیں ؎

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا

پھر تو سمجھو کہ مسلماں ہے دغا باز نہیں

سلام مسنون۔ دعا۔

حضرت قبلہ مولانا محمد یار صاحب کا وہ شعر جو تم نے لکھا ہے اور اسی جیسی دوسری عبارات (جو مسلّم بین الفریقین علماء کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں) مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعینات سے قطع نظر کر کے موجودِ حقیقی یعنی ما بہ الموجودیت حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا

کچھ نہیں۔ ہر شئے کا یہی حال ہے کہ تعینات کا انتفا ہو جائے تو حقیقت حقہ کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ اس میں نبی غیر نبی حتی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خصوصیت نہیں۔ لیکن عامہ خلائق مظاہر ناقصہ ہیں اور اولیاء کرام اپنے مراتب کے لحاظ سے کامل مظہر ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان سے زیادہ مظاہر کمال، اور جمیع کائنات سے اکمل و افضل مظہریت حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حاصل و ثابت ہے۔ اس لیے کہ کمال امور اضافیہ عینی سے ہے دیکھیے مولانا محمد یار صاحب کے شعر کا مضمون حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے کلام میں ہے۔ فتوحاتِ مکیہ جلد ثانی ص۱۲۶، انت تحسبہٗ محمّد العظیم الشان کما تحسب السراب ماءً وھو ماءٌ فی رأی العین فاذا جئت محمّدًا لم تجد محمّدًا وجدت انّہ فی صورۃ محمّدیۃ ورأیتہٗ برؤیۃ محمّدیۃ۔

(یعنی تم محمد عظیم الشان صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد گمان کرتے ہو جیسے کہ تم سراب کو دور سے دیکھ کر پانی سمجھتے ہو اور وہ ظاہری نظر میں پانی ہی ہے، مگر حقیقتاً آب نہیں ہے بلکہ سراب ہے اسی طرح جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آؤ گے تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤ گے بلکہ صورتِ محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے اور رویتِ محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے) اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اسی قسم کا مضمون موجود ہے۔ انتباہ کے ص۹۲ پر فرماتے ہیں، صورتِ مرشد کہ

ظاہراً دیدہ می شود مشاہدۂ حق سبحانہ وتعالیٰ است در پردۂ آب وگل و صورتِ مرشد کہ در خلوت نمودار می شود آں مشاہدۂ حق تعالیٰ است بے پردۂ آب وگل۔ غور کیجیے صورتِ مرشد کے دیکھنے کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ فرمارہے ہیں اور آب وگل یعنی جسمانیت اور بشریت کو محض ایک پردہ قرار دے رہے ہیں۔ آج کے دیوبندی وحدۃ الوجود کے بھی منکر ہیں۔ حالانکہ جن حضرات کو یہ اپنے مشائخ قرار دیتے ہیں وہ اس مسئلہ پر بڑے متشدد اور حریص رہے ہیں۔ دیکھیے انور شاہ صاحب کشمیری اپنی کتاب فیض الباری جلد رابع صفحہ ۴۲۸ حدیث شریف فکنت سمعہ الذی یسمع بہ کے تحت دیوبندیوں کے بیان کردہ معنی کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں قلتُ وھذا عدول عن حق الالفاظ لان قولہ کنت سمعہ الذی بصیغۃ المتکلم یدل علی انہ لم یبق من المتقرب بالنوافل الا بجسدہ وشبھہ وصار المتصرف فیہ الحضرۃ الالٰھیۃ فحسب وھذا الذی عناہ الصوفیۃ بالفناء فی اللہ تعالٰی ای الانسلاخ عن دواعی نفسہ حتی لا یکون المتصرف فیہ الا ھو وفی الحدیث لمعۃ الی وحدۃ الوجود وکان مشائخنا مولعون بتلک المسئلۃ الی زمن الشاہ عبد العزیز اما انا فلست بمتشددٍ فیھا انتھٰی۔ یعنی کنت سمعہ الذی کے یہ معنی بیان کرنا کہ بندہ کے کان آنکھ وغیرہ اعضاء حکم الٰہی کی نافرمانی نہیں کرتے حقِ الفاظ سے عدول کرنا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کنت سمعہ الذی

میں کنتُ صیغہ متکلم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متقرب بالنوافل یعنی بندہ میں سوائے جسد و صورت کے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی اور اُس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہے اور یہی وہ معنی ہیں جن کو حضرات صوفیائے کرام فنا فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی بندہ کا دواعی نفس سے بالکل پاک ہوجانا یہاں تک کہ اُس بندہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شئے قطعاً متصرف نہ رہے۔
اور حدیث مذکور (کنتُ سمعہ) میں وحدۃ الوجود کی طرف چمکتا ہوا اشارہ ہے۔
ہمارے مشائخ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے زمانہ تک اس مسئلہ وحدۃ الوجود میں بڑے متشدد اور حریص تھے لیکن میں اس کا قائل تو ہوں لیکن متشدد نہیں ہوں۔ اس عبارت سے مسئلہ وحدۃ الوجود کا اکابر و مشائخ دیوبند کے نزدیک حق ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اب شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ انتباہ ص۹۱ پر لا الٰہ الا اللہ کے تحت فرماتے ہیں، نیست ہیچ معبودے و مقصودے و موجودے مگر حق تعالیٰ مبتدی را ارادہ عوام بگوید نیست ہیچ معبودے، و متوسط را ارادہ خواص بگوید نیست ہیچ مقصودے، و منتہی را ارادہ اخص الخواص بگوید نیست ہیچ موجودے۔
اسی طرح انفاس رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں، کفر شریعت دو معبود پنداشتن است۔ اسی طرح ص۳۳ پر عبارت ہے۔ مولانا محمد یار صاحب پر کفر کا فتویٰ لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے والد ماجد دو موجود حقیقی جاننے کو کفر حقیقی فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد دیوبندیوں کے

مسلّم بزرگ انور شاہ صاحب کشمیری کی عبارت سے محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی توثیق سُنیے۔ فیض الباری جلد اول ص۱۷۴ پر لکھتے ہیں، اما اھل العلم منھم فاکثرھا تتعلق بحل مسائل الصفات وغیرھا ونعمت الکشوف ھی۔ یعنی حضرات صوفیائے کرام میں سے جو لوگ اہل علم ہیں ان میں سے اکثر حضرات امور الٰہیہ میں مسائل ذات و صفات سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کی توثیق ہمارے جلیل القدر فقہائے کرام نے بھی فرمائی ہے۔ دیکھیے درمختار جلد دوم ص۳۰ مطبوعہ نولکشور لاہور میں ہے شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں انہ کان رضی اللہ عنہ شیخ الطریقۃ حالاً و علماً و امام الحقیقۃ حقیقۃً و اسماً و محی رسوم المعارف فعلاً و اسماً۔ الحاصل مولانا محمد یار صاحب کے اشعار کا مبنیٰ مسئلہ وحدۃ الوجود ہے۔ اگر وحدۃ الوجود کو شرکیہ عقیدہ کہا جائے تو تمام مشائخ دیوبند کافر و مشرک قرار پائیں گے کیونکہ وہ سب وحدۃ الوجود پر متشدد ہیں۔ جیسا کہ انور شاہ کشمیری کی عبارت منقولہ بالا سے ثابت ہے۔ پھر اُن اشعار کی بنا پر اگر مولانا محمد یار صاحب کی تکفیر کی جائے، تو حضرت شیخ اکبر اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہما اللہ تعالےٰ کی عبارات منقولہ بھی بالکل مولانا صاحب موصوف کی عبارت جیسی ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کی تکفیر بھی لازم آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا مخالفین کے نزدیک مسلّم بزرگ ہونا اس قدر واضح ہے کہ اس کے لیے کسی

ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق انور شاہ صاحب کشمیری، اور صاحب در مختار کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔ لہٰذا شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کی تکفیر انور شاہ صاحب اور صاحب در مختار کی تکفیر کو مستلزم ہوگی، کیونکہ کافر کی تکفیر فرض ہے اور اس کی توثیق حرام بلکہ کفر ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ مولانا محمد یار صاحب کا دامن اس مسئلہ میں ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب، تمت بالخیر!

(منقول از مقدمہ دیوان محمدی ص۲)

نظریہ تخلیق پر عدم بصیرت گمراہی کا بنیادی سبب ہے

آپ شرک اور دہریت کے بنیادی علل پر جب غور کریں گے تو آپ کے سامنے جو بنیادی سبب آئے گا وہ نظریہ تخلیق ہے۔ شرک کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تخلیقِ کائنات کے بعد خدا اور کائنات کے درمیان ربط کی کون سی نوعیت ہے۔ وحدۃ الوجود کا الحاد اسی نظریے سے اختراع کیا گیا ہے۔ اور دہریت کی بنیاد یہ ہے کہ مذہب کائنات کا خالق تو ثابت کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس خالق کو پہلے کس نے پیدا کیا تھا۔ جان اسٹورٹ مل نے اپنی آٹو بیاگریفی میں لکھا ہے:۔

"میرے باپ نے مجھے یہ سبق دیا کہ یہ سوال کہ کس نے مجھے پیدا کیا who made me خدا کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد فوراً دوسرا سوال پیدا ہوتا کہ خدا کو کس نے پیدا کیا who made God چنانچہ برٹرینڈ رسل نے اسی اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے کائنات کے محرکِ اول کا رد کر دیا ہے۔"

(The age Analysis. P. 21)

یہ منکرینِ خدا کا بہت پرانا استدلال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا اگر کوئی خالق مان لیں تو اس خالق کو لازمی طور پر ازلی ماننا پڑے گا پھر جب

کیوں نہ کائنات ہی کو ازلی مان لیا جائے اگرچہ یہ بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ کائنات کی کوئی ایسی صفت ہمارے علم میں نہیں آئی ہے جس کی بنا پر اس کو خود اپنا خالق فرض کیا جا سکے تاہم انیسویں صدی تک منکرین کی اس دلیل میں ایک ظاہر فریب حسن ضرور موجود تھا۔ مگر اب حرکیات حرارت کے دوسرے قانون کے انکشاف کے بعد یہ دلیل بالکل بے بنیاد ثابت ہو چکی ہے۔ ایک امریکی سکالر ایڈورڈ لوتھر لکھتا ہے:۔

"اس طرح غیر ارادی طور پر سائنس کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز رکھتی ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے کیونکہ جو چیز اپنا ایک آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ سے شروع نہیں ہو سکتی یقیناً وہ محرکِ اول ایک خالق ایک خدا کی محتاج ہے۔" (علم جدید کا چیلنج ص۴۷)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے ایسے اہم فتنے سے امت کو پہلے آگاہ کر دیا ہے۔ لیکن اہل علم نے ایسی احادیث کی بنیادی تفہیم پر کم غور کیا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:۔

"تم میں سے کسی کے پاس شیطان آکر یہ کہتا ہے مثلاً یہ آسمان کس نے پیدا کیا اور یہ زمین کس نے پیدا کی یہاں تک وہ کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا پس جب تمہارے دلوں میں اس قسم کے وسوسے پیدا ہوں تو خدا سے پناہ مانگو اور اس خیال کو دل سے دور کر دو۔" (بخاری و مسلم)

شیطان سے مراد جنّی اور انسی دونوں ہو سکتے ہیں۔ انسی شیاطین سے دہریت کے داعی مراد ہیں۔ اور جنّی سے وہ شیطان مراد ہے جو ایسے وسوسے ڈال کر توحید کے بارے میں انسان کو مذبذب کر دیتا ہے۔ محدث ابن قیم لکھتے ہیں امام مزنی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ شیاطین کی جماعت نے اپنے سردار ابلیس سے پوچھا

مالنا نراک تفرح بموت العالم مالا تفرح بموت العابد	ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ جیسے ایک صحیح عالم کی موت سے خوش ہوتے ہیں ایسے کسی عابد صوفی کی موت سے خوش نہیں ہوتے۔

ابلیس نے جواب دیا آپ پہلے کسی صوفی عابد سے یہ سوال کریں کیا خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنا ہم مثل پیدا کر سکے۔ پھر یہی سوال کسی صحیح عالم سے کریں۔ چند شیاطین نے آدمیوں کی شکل میں متشکل ہو کر پہلے ایک عابد سے سوال کیا۔ اس نے جواب دیا۔

لا ادری۔ فقال اترونہ لم تنفعہ عبادتہ مع جھلہ	میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ ابلیس نے کہا تم نے دیکھ لیا ہے کہ اس کی اس جہالت نے اس کی ساری عبادت کو برباد کر دیا ہے۔

پھر وہ شیاطین ایک محقق عالم کے پاس گئے اور اس سے بھی یہی سوال کیا۔ عالم نے جواب دیا:۔

"یہ سوال محال ہے۔ اس واسطے کہ جب وہ اپنی مثل بنائے گا تو وہ مخلوق ہوگا۔ پس جب وہ تخلیق کے لحاظ سے مخلوق ہوگا تو کوئی مخلوق خدا کی مثل نہیں بن سکتی۔"

اس کے بعد ابلیس نے کہا:۔

انزون هذا يهدم في ساعة ما ابنيه في سنين۔	آپ نے دیکھ لیا ہے جس نظریے کو میں برسوں پھیلاتا رہتا ہوں ایسے عالم لے ایک منٹ میں برباد کر دیتے ہیں۔

(مفتاح دار السعادۃ ص۴۳ ج۱)

محدث ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:۔

"ہارون رشید کے زمانے میں ہندستان کے ایک بادشاہ نے آپ کو خط لکھا تھا کیا خدا اس پر قادر ہے کہ وہ اپنا ہم مثل پیدا کر سکے۔ ہارون رشید نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا۔ ان میں سے ایک جوان عالم نے جواب دیا کہ یہ سوال محال ہے اس واسطے کہ مخلوق نو پیدا ہے اور نو پیدا شدہ قدیم کا ہم مثل نہیں بن سکتا۔ پس یہ سوال ایسے محال ہے جیسے کوئی سوال کرے کیا خدا اس بات پر قادر ہے کہ اپنے آپ کو عاجز اور کمزور بنا دے۔" (فتح الباری۔ ص ۱۶۶ ج ۲۹)

ابلیس کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خدا کی معرفت صرف تصوف اور عبادت سے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ قرآن و حدیث کا صحیح

علم شامل نہ ہو۔ دوسرے صحیحین کی حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم محقق وہ ہے جو کائنات کے نظریہ تخلیق پر صحیح درک رکھتا ہو اگر وہ ایسے نظریات سے جاہل ہوگا تو اس کی وجہ سے کتنے لوگ الحاد اور شرک کی وادی میں ہلاک ہو جائیں گے۔ اس دور میں ملتِ اسلامیہ کی اکثریت جس نظریے میں گرفتار ہے وہ نظریہ حقیقت محمدیہ ہے۔ اس نظریے کا بنیادی مقصد تخلیق کائنات کی علتِ اول پر موقوف ہے۔ جس سے ہر قسم کے شرک اور الحاد کا آسانی کے ساتھ صدور ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد اس کی علت اول سے ظاہر ہوتا ہے مارکس جو نظریہ سوشلزم کا بانی ہے اس نے ثابت کیا ہے کہ کائنات کی علت اول مادّہ ہے اس لیے انسان کی جبلّت بھی مادی ہے۔ اسے صرف دنیا میں روٹی کپڑا اور مکان کی راحت درکار ہے۔ جس طرح کہ ایک حیوان کو اپنے زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت رہتی ہے مذہب جو اس مادی دنیا کے علاوہ مابعد الطبیعات کا نظریہ پیش کرتا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مارکس نے جب مسیحی نظریات کا غور سے مطالعہ کیا تو اس میں اسے خدا کا صحیح تصور حاصل نہ ہو سکا ادھر ایشیا کے مسلمانوں میں شرکیہ نظریات غالب تھے۔ عیسائیت کی تثلیث ایک ایسا نظریہ ہے کہ نہ اس میں خدا کی صحیح وحدانیت کی ترجمانی ہو سکتی ہے اور نہ اس کے ذریعے نبوت کا صحیح مفہوم حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ مخلوق ہونے کے باوجود

جب الوہیت کے مقام پر فائز ہیں تو خدا جو حقیقی الوہیت کے مقام پر فائز ہے پھر اسے کتنے گھٹیا درجے کی الوہیت میں داخل کرنا پڑے گا۔ ناقص کا تقابل کامل کے ساتھ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ کامل کو ناقص کے درجے کے برابر نہ سمجھا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک خدا کی صحیح معرفت حاصل نہ ہو گی انسانیت کا وجود ہر وقت بڑے بڑے خطرات سے ٹکراتا رہے گا۔

توحید و رسالت کے مفہوم میں اعراض و جواہر کا استعمال

جس طرح ہر نبی اپنے مشن کا آغاز توحید سے کرتا ہے اسی طرح یہ بھی اس کے ذمہ ہوتا ہے کہ توحید کا صحیح مفہوم بھی اپنی امت پر اچھی طرح واضح کر دے۔ توحید کی اس وضاحت کے بعد اب جس قسم کی اصطلاحیں وضع کی جائیں گی وہ سب کی سب شرک کی وادی میں داخل ہو جائیں گی

سئل مالك عن الكلام	امام مالکؒ سے توحید کے بارے میں
فی التوحید قال مالك	پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ بات رسول
محال ان یظن بالنبی صلی	کی ذات پر محال ہے کہ وہ اپنی امت کو
الله علیہ و آلہ وسلم	استنجا کرنے کا طریقہ تو سمجھائے، لیکن
انہ علّم امتہ الاستنجاء	توحید کی وضاحت نہ کرے۔ توحید کے
ولم یعلمهم التوحید	بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فالتوحید ما قاله النبی صلی الله علیه وسلم (امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله فاذا قالوها عصموا منی دماء هم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله).
(کتاب التوحید السنة ص ۳۰۹)

فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جب تک لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہ کریں مجھے حکم ہے کہ میں ان کے ساتھ برابر جنگ کرتا رہوں جب یہ لوگ توحید کا اچھی طرح اقرار کرلیں گے پھر ان کا مال اور خون میری تلوار سے محفوظ ہے ہاں مگر ان کے حقوق مستثنیٰ ہیں اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے یعنی جس وجہ سے لوگوں کے اموال اور ان کا خون محفوظ رہتا ہے، وہ صرف توحید ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ استنجا کرنا جو دین میں ایک چھوٹا سا عمل ہے نبی جب اس کی بھی پوری وضاحت کر دیتا ہے تو پھر توحید جس پہ سارے دین کی بنیاد ہے بھلا اس کی توضیح میں وہ کون سی کمی چھوڑے گا۔ عجمی قومیں جب منافقانہ روش کے تحت اسلام میں داخل ہوئیں تو انہوں نے اسلام میں ایسی فلسفیانہ اصطلاحیں داخل کردیں جن سے اسلام کے بنیادی اصول بھی مجروح ہوکر رہ گئے۔ جیسے فلسفہ یونان میں جوہر و اعراض کی مشہور اصطلاحیں موجود تھیں۔ جب ایسی اصطلاحوں کو توحید و رسالت کے مفہوم میں داخل کر دیا گیا تو توحید اور رسالت کا جو صحیح مفہوم تھا اس میں

الحاد کے جراثیم داخل ہوگئے۔ مثلاً اس دور میں ذاتِ نبویہ کی افضلیتِ محضہ[1] کو نظریہ اِصالت پر موقوف رکھا گیا ہے اور آپ کی نبوۃ کو بالذات (جوہر) اور دوسرے نبیوں کی نبوت کو اعراض کی اصطلاح میں استعمال کیا گیا ہے۔ عصرِ حاضر میں اِن دونوں اصطلاحوں کے نتیجے میں مقام نبوت کی تفہیم پر جو ثمرات مرتب ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) ہر جوہر کو اپنے اعراض پر جس طرح تقدم ذاتی حاصل ہوتا ہے اسی طرح اُسے اپنے اعراض پر تقدم زمانی بھی حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنے عقائد میں ذات نبویہ کو مصدر کائنات کہتے ہیں۔

(۲) مصدر سے جس قدر فروعات استخراج ہو سکتے ہیں ہر فرع کی نوعیت اگرچہ جدا جدا ہوتی ہے لیکن اس کی اصالت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس نظریے کا بنیادی ماخذ وحدۃ الوجود تھا۔ اس لیے اس نظریے کے حاملین کے نزدیک اسلام اور کفر کے درمیان اعتباری فرق رہ جاتا ہے ان کے درمیان حقیقی فرق نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:۔

---

[1] بریلوی اور دیوبندی اکابر نے اپنے عقائد میں ذاتِ نبویہ کی افضلیتِ محضہ کا جو معیار مقرر کیا ہے اس کا نام نظریہ اصالت ہے۔ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔ جس میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ نظریہ اصالت قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہے اگر اس کا سدباب نہ کیا گیا تو ملت اسلامیہ کی اکثریت جدید مسیحیت میں گرفتار ہو جائے گی۔

" مثال کے طور پر دارا شکوہ نے وحدۃ الوجود کے لیے توحید کا لفظ استعمال کیا۔ اس نے اُن لوگوں کو بہت بُرا بھلا کہا جو وحدۃ الوجود سے انکار کرتے تھے۔ اس کے غیظ و غضب کا سبب یہ تھا کہ ویدانت اور صوفیت کے درمیان قدر مشترک صرف وحدۃ الوجود تھی۔ اگر صوفیت سے وحدۃ الوجود کو نکال دیا جائے تو ویدانت سے مماثلت ختم ہو جاتی ہے۔"

(برعظیم کی ملت اسلامیہ ص ۲۰۱)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی شرح اسرار خودی میں لکھتے ہیں :۔

" دوسرے یہ کہ ہندوستان میں خود ہندی (غیر اسلامی) تصوف پوری شدت کے ساتھ مروّج تھا ہر شہر میں ہندو ویدانتی علماء اس کی تبلیغ میں سرگرم تھے چونکہ اسلامی اور ہندی تصوف (وحدۃ الوجود) میں سطحی مشابہت اور جزوی مماثلت پائی جاتی ہے اس لیے رفتہ رفتہ مسلمان (عامۃ المسلمین) غیر اسلامی تصوف کے پرستار بن گئے اس پر مستزاد یہ ہوا کہ بعض مسلمان صوفی اپنی کوتاہ بینی اور کم علمی کی وجہ سے اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں امتیاز ہی نہ کر سکے اور اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندو فلسفہ کے بہت سے عناصر اسلامی تصوف کا جزو لاینفک بن گئے۔ شاہجہاں کے زمانے میں، دارا شکوہ کی زندگی اور اس کی علمی سرگرمی بڑی حد تک میرے اس دعوے پر شہادت دے سکتی ہے کہ اس کی گمراہی کا باعث

صرف یہ ہوا کہ اس نے بعض امور میں جزوی مشابہت دیکھ کر عاجلانہ طریق پر یہ حکم لگا دیا کہ اُپنشد اور قرآن دونوں کا منبع ایک ہی ہے اس لیے ہندو دھرم اور اسلام ایک ہی درخت کے برگ و بار ہیں۔ میری رائے میں چونکہ اس نے قرآن مجید کا مطالعہ غیر اسلامی تصوف کی عینک لگا کر کیا تھا اس لیے اُسے کتاب مقدس کے ہر صفحے پر اپنشدوں کی تعلیم کا پرتو نظر آتا تھا۔"

(شرح اسرارِ خودی ص۱۰۲)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جب وجودی صوفیہ کے نزدیک ویدانت اور صوفیت کے درمیان قدر مشترک ہے اور اپنشد اور قرآن کا منبع ایک ہے تو کفر اور اسلام کے درمیان جو حقیقی فرق حائل تھا وہ خود بخود مرتفع ہو گیا۔ اور ان میں صرف اعتباری فرق کا خام تشخص باقی رہ گیا۔ اعتباری فرق کا مفہوم یہ ہے کہ مصدر سے جس قدر انواع کا استخراج ہوتا ہے اس کی ہر فرع کی نوعیت دوسری فرع کی نوعیت سے تو مختلف ہوتی ہے لیکن دونوں کی اصلیت ایک ہوتی ہے۔ جیسے ایک باپ کے دو بیٹے ہوتے ہیں کہ ہر بیٹے کا نام تو علیحدہ ہوتا ہے لیکن دونوں کی ذات ایک ہوتی اور میراث میں بھی دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

(۳) نبوت بالذات کا اطلاق ذات نبویہ کے جسد عنصری پر نہیں ہو سکتا، ورنہ آپؐ کے عنصری ظہور سے قبل سارے انبیاء آپؐ کے اعراض میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے لازماً اس کا اطلاق آپؐ کے اُس

مرتبے پر کیا جائے گا جس کا ظہور تخلیق کائنات سے پہلے ہو چکا ہو۔ ابن عربی کے نزدیک اِس مرتبے کا نام حقیقت محمدیہ ہے جسے وجودیہ علماء عقلِ اول، علتِ اولیٰ، مقصود کائنات، مصدرِ کائنات، باعثِ تخلیقِ کائنات اور روح الاکوان کی اصطلاحوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مفہوم کے لحاظ سے ان سب اصطلاحوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ صرف اِس نظریے کی توضیح کے لیے اسے مختلف ناموں کا عنوان دیا گیا ہے۔ اِن عنوانوں میں سے علتِ اُولیٰ اور عقلِ اوّل کے مفہوم کی ذرا وضاحت کی جاتی ہے۔

علتِ اولیٰ یعنی اسے پہلی علت اس لیے کہتے ہیں کہ کائنات کا ہر معلول اسی علتِ اولیٰ کی وجہ سے موجود ہے اگر علت اولیٰ نہ ہوتی تو کائنات کی کسی چیز کا بھی ظہور نہ ہو سکتا تھا۔ لولاك لما خلقت الافلاك کی جھوٹی حدیث کا بھی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ فلاسفہ یونان کی اصطلاح میں اِس علتِ اولیٰ کو عقلِ اول کہتے ہیں۔ اور ابن عربی کی اصطلاح میں اِس کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے۔ عقل اول کا جو مفہوم فلاسفہ بیان کرتے ہیں وجودیہ مشائخ کے نزدیک حقیقت محمدیہ کا بھی وہی مفہوم ہے۔ امام شعرانی ابن عربی سے نقل کرتے ہیں:۔

"فلاسفہ یونان کے نزدیک جو عقلِ اول کا مفہوم ہے حقیقتِ محمدیہ کا مفہوم بھی وہی ہے۔" (الیواقیت والجواہر ص۲۲ ج۲)

شیخ تاجی کی شرح فصوص کے مقدمے میں لکھا ہے:۔

"فلاسفہ کے نزدیک جو عقلِ اول کا مفہوم ہے مسیحیت کے

نزدیک کلمۃ اللہ اور ابن عربی کے نزدیک حقیقتِ محمدیہ کا بھی وہی مفہوم ہے۔" (مقدمہ فصوص الحکم ص ٢٥)

فلاسفہ یونان کے نزدیک عقل اول کا کیا مفہوم ہے امام ابن تیمیہؒ سورۂ اخلاص کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

وهؤلاء يدعون ان العقول قديمة ازلية وان العقل الفعال هو رب كل ما تحت هذا الفلك والعقل الاول هو رب السموات والارض وما بينهما والملاحدة الذين دخلوا معهم من اتباع عُبَيد كاصحاب رسائل إخوان الصفاء وغيرهم وكملاحدة المتصوفة كمثل ابن عربي وابن سبعين وغيرهما يحتجون كمثل ذلك

یہ لوگ ثابت کرتے ہیں کہ عقول عشرہ قدیم اور ازلی ہیں اور افلاک کے نیچے جو کچھ موجود ہے عقل فعال ان پر بمنزلہ رب کے تصرف کرتی ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان موجود ہے عقلِ اوّل بحیثیت رب ہونے کے ان کی ربوبیت کر رہی ہے۔ بنی عبید کے اتباع جنہوں نے اخوان الصفاء کے رسائل مدوّن کیے تھے اور دوسرے ملحدین یہ سب لوگ اسی نظریے کے داعی تھے۔ اسی طرح متصوفہ ملحدین جیسے ابن عربی اور ابن سبعین وغیرہ ہیں یہ لوگ بھی موضوع حدیث اوّل ما خلق اللہ العقل سے عقل اول کی وہی تعبیر کرتے ہیں جس طرح فلاسفہ یونان عقل اول کی

بالحدیث الموضوع اول   تعبیر کرتے ہیں۔

ماخلق اللہ العقل۔

(کتاب التوحید والسنۃ ص۱۴)

عقل کا مفہوم جو قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہے وہ دوسرا ہے

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

ان العقل فی الکتاب والسنۃ و کلام الصحابۃ والائمۃ لا یرادبہ جوھرٌ قائمٌ بنفسہ باتفاق المسلمین وانما یرادبہ العقل الذی فی الانسان۔ وھذا العقل فی الاصل مصدر عقل یعقل عقلا کما یجیئ فی القرآن (وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون۔

جس عقل کا ذکر کتاب و سُنّت اور صحابۂ کرام اور ائمہ کے کلام میں پایا جاتا ہے، اس عقل سے مراد بالاتفاق فلاسفہ کا وہ جوہر نہیں جو اپنے آپ قائم ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے وہ عقل مراد ہے جو انسان کے ذہن میں موجود ہوتی ہے۔ عقل اصل میں عربی لغت میں مصدر ہے جیسے عَقْلٌ مصدر ہے۔ عَقَلَ ماضی اور یَعْقِلُ اس کا مضارع ہے۔ جیسا کہ اس آیت عقل کو مضارع کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کے امثال ہیں۔ ہم انہیں لوگوں کے لیے بار بار ذکر کرتے ہیں ان امثال کو اچھی طرح وہ لوگ سمجھیں گے

(کتاب التوحید والسنۃ ص۱۴۵) جو عالم ہوں گے۔

ان عبارتوں سے چند چیزیں مترشح ہوئیں:۔

۱۔ فلاسفہ یونان کے نزدیک عقول عشرہ قدیم اور ازلی ہیں۔ ان کے نزدیک عقلِ اول کا مفہوم رب کے مترادف ہے جو ساری کائنات کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔

۲۔ عبیدیہ۔ فاطمیہ کے عہد میں جن ملحدین نے ان کی خاطر اخوان الصفاء کے رسائل مدوّن کیے تھے۔ عقل اول کی اس تعبیر کو بعض شواہد کے ساتھ درج کر کے باطنیت کا ایک نیا فلسفہ اختراع کر لیا تھا۔ پھر اس نظریے کو ابن عربی اور ابن سبعین نے عبیدیہ کے اتباع سے اخذ کیا اور عقل اول کی تعبیر کو حقیقتِ محمدیہ کے فلسفے میں تبدیل کر کے اوّل ما خلق اللہ العقل کی موضوع حدیث کو اس کی بنیاد بنا دیا۔ پھر اپنی کتابوں میں ثابت کیا کہ عقل اول کا جو مفہوم فلاسفہ کے نزدیک ہے ہمارے نزدیک حقیقتِ محمدیہ کا بھی وہی مفہوم ہے۔

اب ہم حقیقتِ محمدیہ کا مفہوم بیان کرتے ہیں اور آپ انصاف کے ساتھ تقابل کر کے دیکھیں کہ کیا اس کا مفہوم وہی نہیں ہے جو فلاسفہ یونان کے نزدیک عقلِ اول کا مفہوم ہے جس کا ظاہری مفہوم عین رب کے مترادف ہے۔

علامہ جامی نقد النصوص میں لکھتے ہیں:۔

انّ حقیقۃ المحمّدیۃ حقیقتِ محمّدیہ اسمِ الٰہی کی وہ جامع

فی صورۃ الاسم الجامع الالٰہی ھی تربّ صور العالم کلہا بالرب الظاھر فیہا لابد من الاتصاف بالصفات الالٰہیۃ کلہا من العلم الشامل و القدرۃ یتصرف فی اعیان العالم علی حسب استعدادتہا ولکن انما ھو جہۃ حقیقتہا (حقیقۃ محمدیۃ) لا من بشریتہا۔

(ابراز المکنون ص۱۱۱)

صورت ہے جو تمام کائنات کی چیزوں کو رب کی صورت میں ظاہر ہو کر پال رہی ہے۔ حقیقتِ محمدیہ کی ربوبیت اُس وقت تک متصور نہیں ہو سکتی جب تک وہ علم اور قدرت جیسی تمام صفاتِ الٰہیہ سے پوری طرح متصف نہ ہو تاکہ اپنی ان الوہی صفات کے ذریعے کائنات کی ہر چیز کی ضرورت کو اُس کی حسبِ استعداد پورا کر سکے۔ کائنات کی ربوبیت کا یہ کمال ذاتِ نبویہ کو حقیقتِ محمدیہ کی جہت سے حاصل ہے۔ لیکن جہتِ بشری کی وجہ سے آپؐ کو یہ کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔

علامہ داؤد القیصری فصوص الحکم کے مقدمے میں لکھتے ہیں :۔

وھذہ الحقیقۃ مشتملۃ علی جہتین الالٰہیۃ والعبودیۃ لایصح لہا ذلک اصالۃ بل تبیعۃ

ذات نبویہ کی حقیقت الٰہیت اور عبودیت دو جہت پر مشتمل ہے۔ الٰہیت کی جہت سے جو آپؐ کو تکوینی تصرف حاصل ہے یہ تصرف آپؐ کو بالاصالت

وھی الخلافۃ فلھا الاحیاء و الاماتۃ وجمیع الصفات الالٰھیۃ لتتصرف فی العالم و فی نفسھا وبشریتھا ایضا لا نھا منہ۔	حاصل نہیں ہے بلکہ بالتبعیت حاصل ہے اور اسے خلافت الٰہی کہتے ہیں۔ اس واسطے آپؐ کی حقیقت محمدیہ کو مارنے جلانے اور دوسری تمام صفاتِ الٰہیہ حاصل ہیں تاکہ وہ اس کائنات کی ہر چیز میں حتیٰ کہ اپنے وجود اور اپنی بشریت میں بھی تصرف کر سکے۔ چونکہ آپؐ کا بشری وجود حادث ہونے کی وجہ سے اعیان عالم میں داخل ہے اس لیے آپؐ کا عنصری وجود بھی حقیقتِ محمدیہ کی ربوبیت کا محتاج نظر آتا ہے۔
مقدمہ فصوص الحکم ص ۶۳	

علامہ جامی اور داؤد قیصری یہ دونوں حضرات ابن عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے زبردست شارح ہو گزرے ہیں۔ ان دونوں نے ابنِ عربی کی فصوص الحکم کی شرحیں لکھی ہیں جو کہ اعلیٰ شروحات میں شمار ہوتی ہیں ان میں جو انہوں نے حقیقتِ محمدیہ کا مفہوم بیان کیا ہے وہ ابن عربی کے نظریات میں حرفِ آخر ہے۔ دونوں عبارتوں کا مفہوم چونکہ بہت دقیق ہے۔ اگر آپ اپنے ذہنوں پر ذرا سا زور دیں گے تو امید ہے کہ کچھ نہ کچھ عقدہ کشائی ہو جائے گی۔ اس جگہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ دیکھ لیں کہ فلاسفہ یونان جس طرح عقلِ اول کو رب کا درجہ دے رہے ہیں

ابن عربی کے نزدیک بھی حقیقتِ محمدیہ کا وہی مفہوم ہے کہ وہ رب کی صورت میں ظاہر ہو کر ساری کائنات کی تربیت کر رہی ہے. باقی رہا یہ کہ ابن عربی نے اپنے نظریے کو فلاسفہ یونان کے عقلِ اوّل کو کیوں ماخذ بنایا ہے۔ اگرچہ یہ بحث بہت عمیق ہے اسے ہم دوسری جگہ وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ سردست اتنا عرض کیے دیتے ہیں کہ فلاسفہ یونان کے نزدیک خدا کی ذات کائنات کے لیے چونکہ علت تامہ ہے اس لیے وہ کہتے ہیں لا یصدر عن الواحد الا الواحد ایک وجود سے صرف ایک چیز کا صدور ہو سکتا ہے۔ اس قاعدے کے تحت وہ صادر اول کو عقل اول کہتے ہیں۔ دوسرے علت تامہ جب اپنے معلول پر اثر کرے گی تو پھر اس اپنے اثر کو واپس نہیں کر سکتی۔ جیسے سورج تو طلوع ہو جائے اور دھوپ ظاہر نہ ہو یہ نہیں ہو سکتا۔ ابن عربی نے اپنے نظریے وحدۃ الوجود کی جس فلسفے پر بنیاد رکھی ہے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ کائنات اور خدا کے درمیان جو ربط پایا جاتا ہے اس ربط کی نوعیت کو واضح کیا جائے۔ اس ربط پر چونکہ فلاسفہ یونان پہلے کافی کام کر چکے تھے، اس لیے جس نے اس ربط پر بحث چھیڑی ہے وہ لازماً فلاسفہ یونان کے دریوزہ گر بن گئے. فلاسفہ یونان جس صادر اول کو عقلِ اول کہتے ہیں. ان کے نزدیک عقل کا مفہوم وہ جوہر ہے جو قائم لنفسہ ہے۔ بعض موضوع احادیث میں ایک یہ حدیث بھی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں اول ما خلق اللہ العقل۔

خدا نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا وہ عقل ہے۔ ابن عربی نے اس حدیث کے مفہوم کو فلاسفہ یونان کے عقل اول کے مفہوم میں داخل کر دیا اور اس عقل اول کا نام حقیقت محمدیہ رکھ دیا جس کا دوسرا نام جوہر اول ہے۔ اور اس جوہر اول سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس کا نام اعراض رکھ دیا۔ اس جوہر اول سے ساری کائنات صادر کر کے کائنات اور خدا کے درمیان حقیقی عینیت ثابت کر دی۔ اور صدور کے بنے تنزلات کا موہوم نظریہ اختراع کر کے حقیقت محمدیہ کو تعین اوّل کے ساتھ موسوم کر دیا اب ان کے سامنے مشکل یہ تھی کہ چونکہ حقیقت محمدیہ کا اطلاق ذاتِ نبویہ کے بشری وجود پر نہیں ہو سکتا تھا تو انہوں نے اس کے لیے یہ سازش کی کہ ذات نبویہ کے مرتبے کو دو جہتوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک جہت کا نام بشریت رکھ دیا اور دوسری جہت کا نام حقیقت محمدیہ سے موصوف کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذاتِ نبویہ کی تشریعی نبوت تکوینی نبوت میں تبدیل ہو گئی۔ صدور کے لحاظ سے چونکہ حقیقت محمدیہ صادر اول تھی، اس لیے جس طرح اسے تقدم ذاتی حاصل تھا اسی طرح اسے تقدم زمانی بھی حاصل ہو گیا۔ اب غالی علماء نے آپؐ کے اس مقام کو اس طرح پیش کیا کہ آپؐ کو چونکہ ساری کائنات پر تقدم ذاتی اور زمانی حاصل ہے اس لیے آپؐ کی نبوت بالذات ہے اور دوسرے نبیوں کی نبوت بالعرض میں داخل ہے۔ اور کائنات کے اندر جو چیز بھی تقسیم ہو رہی ہے اس کا مصدر فیض آپؐ کی ذات ہے۔ اس سارے مبحث کا

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ذاتِ نبویہ کو صادرِ اول اور مصدرِ کائنات نہ بنانے تو آپؐ کی نبوت پر نبوت بالذات اور دوسرے نبیوں کی نبوۃ پر اعراض کی اصطلاح استعمال نہ ہو سکتی تھی اور نہ آپؐ کی نبوت تکوینی نبوت میں تبدیل ہو کر ساری کائنات کی مدبر بن سکتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امتِ مسلمہ کی اکثریت ایک عمیق شرک میں گرفتار ہو گئی۔ اب ہم آخر میں ائمہ سلف کے اقوال نقل کرتے ہیں کہ اسلام میں جوہر و اعراض کی اصطلاحیں استعمال کرنا کیسا ہے۔ محدث امام ابن خزیمہ لکھتے ہیں :۔ امام ابو العباس ابن سریج سے پوچھا گیا توحید کیا ہے۔ آپ نے فرمایا :۔

توحید اھل العلم و جماعۃ المسلمین لا الٰہ الا اللہ و توحید اھل الباطل الخوض فی الاعراض و الاجسام وانما بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم بانکار ذلک۔	اہل علم اور امت مسلمہ کی توحید تو لا الٰہ ہے اور اہل باطل کی توحید یہ ہے کہ توحید اور نبوت کے مفہوم کو اعراض و اجسام کی اصطلاحوں کے ذریعے سمجھا جائے۔ حالانکہ بعثتِ نبویہ کا مقصد یہ ہے کہ توحید کے مفہوم کے لیے ایسی عجمی اصطلاحوں کو استعمال نہ کیا جائے۔

(کتاب التوحید لابن خزیمہ ص ۳۱۰

حضرت امام اعظمؒ سے سوال کیا گیا کہ جن لوگوں نے علم کلام میں اعراض

واجسام کی اصطلاحوں کو داخل کر رکھا ہے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے جواب دیا:۔

مقالات الفلاسفة عليك	ایسی اصطلاحیں تو فلاسفہ یونان کی وضع
بالاثر وطريقة السلف	کردہ ہیں تمہیں سنت اور طریقہ سلف
(كتاب السنة والتوحيد ص۳۱۰)	پر عمل کرنا چاہیے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ امام اعظم نے جواب دیا:۔

لعن الله عمرو بن عبيد هو	اللہ تعالیٰ عمرو بن عبید پر لعنت کرے کہ
فتح على الناس الكلام	اس نے علم کلام میں اعراض وجواہر کی
في الاعراض والاجسام	اصطلاحوں کو استعمال کرکے لوگوں میں
(شرح فقہ اکبر ملا علی قاریؒ ص ۴۳)	ان کی تشہیر کردی۔

باقی رہا اس اعتراض کا جواب کہ جب اعراض وجواہر کی اصطلاحوں کو استعمال کرنا ممنوع تھا تو پھر علم کلام کے اکابرین نے عقائد کی کتابوں میں انھیں کیوں استعمال کیا۔ اس کی اہم وجوہات یہ ہیں۔ علامہ ابوالقاسم قشیری ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:۔

"جب اہل ہوی کا ظہور ہوا اور اہل بدعت مثلاً خوارج، جہمیہ، معتزلہ، قدریہ کی کثرت ہونے لگی اور انہوں نے (اپنے نظریات کی تائید کے لیے فلاسفۂ یونان کی اصطلاحوں کو استعمال کرکے) اسلام کے بنیادی عقائد میں شبہات پیدا کرنے شروع کردیے تو اہل سنت

ان کی مخالفت کے لیے آمادہ ہو گئے تاکہ لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ ان کا طریقہ ان کے طریقے سے مختلف ہے۔ اور جب انھیں اس بات کا ڈر ہوا کہ کہیں مسلمانوں کے دلوں میں ان کے شبہات گھر نہ کر جائیں تو انہوں نے ان کی تردید کرنی اور ان کے شبہات کی حقیقت بیان کرنی شروع کر دی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام ائمہ متکلمین متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ مکلف کے لیے اپنے پیدا کرنے والے اور معبود کو ان دلائل کے ذریعے سے جو اس نے اپنی توحید پر اور استحقاق تفوق ربوبیت پر قائم کر رکھے ہیں جاننا ضروری ہے ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ عوام متکلمین کے الفاظ مثلاً جوہر اور اعراض استعمال کریں۔ مقصد تو صرف اتنا ہے کہ انھیں ایسی نظر اور استدلال حاصل ہو جائے جس سے وہ اللہ کی توحید کو پہچان سکیں متکلمین نے یہ الفاظ صرف متعلمین کی سہولت کے لیے استعمال کیے ہیں۔"

(الرسائل القشیریہ ص ۳۴)

علامہ قشیری کی عبارت کا آسان مفہوم یہ ہے کہ اہل باطل جب اسلام کے بنیادی عقائد میں شبہات پیدا کرتے تو اپنے نظریات کی تائید کے لیے فلسفیانہ اصطلاحوں کا استعمال کرتے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں یوحنا دمشقی حضرت عیسیٰؑ کے غیر مخلوق ہونے کی تائید میں مسیحی فلسفے کی مخصوص اصطلاحیں استعمال کرتا تھا جس کی وجہ سے شام کے بہت سے نومسلم دوبارہ مسیحیت کی گود میں چلے گئے اور وہ مسلمان جو توحید میں اتنے

پختہ نہ تھے یوحنا دمشقی کے مناظروں کی وجہ سے کافی تذبذب کا شکار ہو جاتے۔ اُس دَور کے راسخ العقائد مسلمانوں نے سوچا کہ جب تک ہم مسیحی فلسفے کی اصطلاحوں سے واقف نہ ہوں گے یوحنا دمشقی کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے مسیحی فلسفہ چونکہ یونانی فلسفے سے ماخوذ تھا اس لیے انہوں نے ایسی اصطلاحوں سے واقفیت حاصل کرنا شروع کر دیا۔ پھر عہد مامون میں جب یونان کے فلسفے نے اسلام کے ہر بنیادی عقیدے کو مجروح کر دیا تو اکابر ائمہ نے ان کی اصطلاحوں کے ذریعہ ان کا دفاع کرنا شروع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی اصطلاحوں کا استعمال کرنا صرف مدافعانہ حد تک محدود تھا۔ امام ابن خزیمہ اور امام اعظم کے اقوال میں ان کی تردید کا مقصد یہ ہے کہ توحید و نبوت کی تفہیم کے لیے اعراض و جواہر کی اصطلاحوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ جب صحابہؓ نے ان اصطلاحوں کے بغیر توحید و نبوت کے مفہوم کو صحیح طریقے سے حاصل کر لیا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن و سنت کی موجودگی میں ہمارے دَور کے مسلمان توحید و نبوت کے عقائد کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے۔ مثلاً ذاتِ نبویہ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اگر عقائد کے لوازم میں داخل ہے تو اس کی تفہیم کے لیے وہی دلائل کافی ہوں گے جن دلائل کے تحت صحابہ نے ایسے عقیدہ کو قبول کیا تھا۔ چونکہ یہ عقیدہ عہد صحابہ میں موجود نہ تھا اس لیے انہوں نے اس کے لیے ان دلائل سے کام لینا شروع کر دیا جن دلائل کا ثبوت عہدِ صحابہ میں بالکل مفقود ہے۔ جب عقیدہ نیا ہوگا تو اس کے دلائل بھی نئے ہوں گے۔ اس لیے حاضر و ناظر اور حیات بالذات کے عقائد کے حاملین

جب اپنے نظریات کی تشریح کرتے ہیں تو انھیں لامحالہ ابن عربی کے عجمی نظریات وحدۃ الوجود اور حقیقت محمدیہ جیسی اصطلاحوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ہم ارباب حقائق کی خدمت میں اس لیے بار بار التماس کر رہے ہیں کہ اگر آپ ایسے عجمی نظریات کا قلع قمع کر دیں تو ایسے مسالک کی بنیادیں خود بخود متزلزل ہو جائیں گی۔

معیاری کتابت ہر قسم کی بہترین سادہ و رنگین طباعت کتابت شدہ کتابوں کی معیاری کاپیاں جُڑوانے سیٹ کرانے کے لیے ہماری خدمات حاصل کریں۔
ابن بیگ پینٹر مغل پرنٹنگ ایجنسی معرفت
مکتبۂ اعلیٰ محلہ تھلّہ سادات، بیرون
دہلی گیٹ۔ ملتان

آخری التماس

آخر میں ہم اپنے التماس کو دوبارہ دہراتے ہیں۔ اِس تحریر کے آخری ساحل تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے اپنی طرف سے نہایت دیانت داری اور پورے اخلاص کے ساتھ لکھا ہے۔ ہماری اس تحریر سے نہ تو کسی محترم ہستی کی ذاتی تحقیر مقصود ہے اور نہ یہ مقصد کہ اغلاط چینی کر کے دوسروں کی اغلاط کی تشہیر کی جائے۔ ہمارے نزدیک اس کائنات میں سب سے زیادہ احترام عظمت توحید اور مقام نبوت کا تحفظ کرنا ہے۔ ہم اپنے فہم میں جس صاحب کی تحریر میں توحید اور نبوت کے خلاف ادنیٰ حرف بھی محسوس کریں گے ہمارے سامنے خواہ کیسے بانشداس تحریر پر ضرور گرفت کریں گے۔ دوسرے ہم بھی چونکہ انسان ہیں ہماری طرف سے کسی بات کے مفہوم میں کچھ غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے اس لیے ہم اہل علم حضرات سے التماس کرتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب حقائق کی زبان اور اخلاص کے لہجے میں ہمیں کسی لغزش پر آگاہ کر دیں گے تو ہم اس صحیح بات کو ضرور تسلیم کر لیں گے۔ ضد اور عصبیت سے ہم اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے۔ اسی طرح ہمارے اس مقالے میں جن جن باتوں سے آپ کو اتفاق ہے صاف گوئی سے ان پر بھی اپنی رائے کا اظہار کر دیں۔ ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
حرف اول	۲
نظریۂ اصالت اور اس کے ثمرات	۴
حقیقت محمدیہ کے ماخذ	۱۳
حقیقت محمدیہ کے قدیم مبادیات کی تشریح	۲۳
زرتشتی نظریہ	۲۴
مجوسیت میں حلول اور مظہر کا مفہوم	۳۲
مجوسیت میں نبوت کا مفہوم	۳۷
مجوسیت اور روحانی توسط کا مفہوم	۴۲
مجوسی نظریات کے ساتھ حقیقۃ محمدیہ کی تطبیق	۴۷
بریلوی مسلک کے بنیادی اصول	۵۵
بریلویت کے عقائد میں حقیقت محمدیہ کے ثمرات	۷۳
بریلوی مسلک کے بنیادی اصول	۷۴
مجمع البحرین کا مفہوم اور حقیقۃ محمدیہ	۷۶

عنوان	صفحہ
بریلوی مسلک کی بنیاد حقیقت محمدیہ پر ہے	۸۳
بین الاجمال والتفصیل	۹۳
حاضر و ناظر کا مفہوم	۹۵
حقیقۃ محمدیہ مصدر کائنات روح الاکوان کا مفہوم	۹۸
کائنات میں حقیقت محمدیہ کا تفصیلی تصرف	۹۹
علم غیب اور حقیقت محمدیہ	۱۰۵
رحمۃ للعالمین کا مفہوم	۱۰۸
رحمۃ للعالمین کی آیت سے بریلویت کے بنیادی اصول	۱۱۱
ایک شبہ کا ازالہ	۱۱۵
رحمۃ للعالمین کی آیت سے حاضر و ناظر کے فلسفہ کی تشریح	۱۱۷
وحی سے قبل نبوت کی تشریح	۱۲۳
ایک شبہ۔ اس شبہ کا ازالہ	۱۲۴
ایک یہ کہ ۔ دوسرے یہ کہ	۱۲۵

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تیسرے یہ کہ	۱۲۶	نبوۃ کا انقطاع اور اس کا اجراء	۲۱۳
چوتھے یہ کہ	"	مجمع البحرین کی ایک نئی تعبیر اور حیاتِ نبویہ	۲۲۵
اور کن کو نماز پڑھائی	۱۲۷		
پانچویں یہ کہ	"	خاتم النبوۃ اور فاتح النبوۃ	۲۲۸
مقام نبوت اور اکابر علماء دیوبند	۱۲۹	تخلیق کائنات کا باعث اور قدیم نبوت	۲۳۲
اکابر علماء دیوبند کا اغلاط سے رجوع کرنا	۱۳۰	ذاتی ختم نبوت	۲۳۴
دیوبندی مسلک کا مفہوم	۱۳۲	حقیقت محمدیہ کیا ہے۔	۲۳۸
روح نبویہ کا مربی خدا کا اسم علیم ہے اور نبوت بالذات کا فلسفہ	۱۴۲	عہد صحابہؓ میں ہر خیر موجود تھی	۲۴۴
		تفضیل بین الانبیاء	۲۴۵
نبوت بالذات کے دوسرے شواہد اور ختم نبوۃ کا مفہوم	۱۵۰	خاتم النبیین کا مفہوم	۲۴۷
		قدم کائنات اور اکابر امت	۲۵۸
مرتبی ختم نبوۃ کا مفہوم	۱۵۲	نبوۃ بالذات کا رد اور قرآن	۲۶۰
مرتبی ختم نبوۃ کی مزید تشریح	۱۵۵	یونانی علوم اور مشرکین ہنود کے فلسفہ کا اہل کتاب کے فلسفہ سے زیادہ رد کیا جائے۔	۲۶۵
حیات انبیاء علیہم السلام کا فلسفہ	۱۶۷		
علماء دیوبند کے عقائد پر حقیقتِ محمدیہ کے اثرات	۱۸۱	مقام رسالت کی اہانت کرنے والے جلدی ختم ہو جائیں گے	۲۶۹
حقیقت محمدیہ کی تشریح اور عقیدہ	۱۸۹	محمدؐ کو خدا مان لیا	۲۷۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق میں حقیقت محمدیہ کا تصرف	۱۹۷	نظریہ تخلیق پر علم بصیرت گمراہی کی بنیادی سبب ہے	۲۹۵
		توحید رسالت کے مفہوم میں اعراض وجواہر کا استعمال	۳۰۰
حیات بالذات کا مفہوم	۲۰۲		
مرتبی نبوۃ سے نبوۃ بالعرض کا اجراء	۲۰۳	آخری التماس	۳۱۸

تبصرہ

از

مولانا اخلاق حسین قاسمی

پاکستان کے ایک عالم نے "نبوت کی علمی تعبیر" کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے، جس کا موضوع یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تکوینی اختیار کے تصور کی تخلیق میں دیوبندی اور بریلوی علمار دونوں شریک ہیں اور اس تصور کی اساس شیخ ابن عربی کے وحدۃ الوجودی عقیدہ پر قائم ہے۔ لیکن مصنف محقق نے اس کی نسبت پورے دیوبندی حلقہ کی طرف کرکے انصاف کا خون کیا ہے۔

کیونکہ اس تصور کا ماخذ دیوبندی اکابر کی کتابوں میں صرف مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی مشہور کتاب "آبِ حیات" نظر آتی ہے۔

اور بریلوی علمار کی کتابوں میں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کی کتاب "سلطنت المصطفٰے فی ملکوت کل الوریٰ" بنیادی کتاب ہے جسمیں خان صاحبؒ نے تمام کائنات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ فرمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دونوں کتابوں میں فرق صرف تعبیر و توجیہہ کا ہے، مولانا نانوتوی نے علمی اور منطقی استدلال سے کام لیا ہے اور خانصاحب کے ہاں عوامی اسلوب ہے۔

مثلاً آبِ حیات میں حضورؐ کے لئے درجہ دوم کی ملکیت کا تصور ہے اور خانصاحب اسے عطائی ملکیت و اختیار کہتے ہیں۔

قرین قیاس ہے کہ مولانا بریلوی کے سامنے مولانا نانوتوی کی آبِ حیات رہی ہو کیونکہ خانصاحب کی عمر مولانا نانوتوی کی وفات کے وقت ۲۵ سال کی تھی۔

مولانا نانوتوی کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) اور وفات بعمر ۴۹ سال ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) اور مولانا بریلوی کی ولادت ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) اور وفات بعمر ۶۸ سال ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) ہے۔

خانصاحب نے سلطنت المصطفےٰ کتاب ۱۲۹۷ھ میں لکھی، جب آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔

مولانا بریلوی کے عوامی اور عامیانہ اسلوب کی ایک مثال یہ دو شعر ہیں جو خانصاحب کے مجموعۂ کلام سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ان کی نبوت، ان کی ہے سب کو عام
ام البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے!
ظاہر میں میرے پھول باطن میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

(حدائقِ بخشش)

آبِ حیات کے استدلال کے لئے مولانا نانوتویؒ نے حسب ذیل آیت کو اساس بنایا ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب: ۶)

اس کا ترجمہ دیوبندی مسلک کے مشہور راہنما مولانا اشرف علی تھانوی نے حسب ذیل کیا ہے:

"نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں"

اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"نفسِ انسانی اگر بُرا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ مومن کا بدخواہ ہوگا اور اگر اچھا ہے تب بھی وہ زندگی کی بعض مصلحتوں سے بے خبر رہتا ہے اور نبیؐ کو خدا تعالےٰ نے انسانی فلاح دخیر کا ضروری علم عطا فرمایا ہے اس لئے نبیؐ ہر حال میں امت کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔"

(بیان القرآن جلد ۹ ص ۲۷)

مفسرین میں ابن جریر طبری (وفات ۳۱۰ھ) امام فخرالدین رازی (وفات ۶۰۶ھ) علامہ ابن کثیر (وفات ۷۷۴ھ) اور صاحب روح المعانی (وفات ۱۲۷۰ھ) اور حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی، سب نے آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اور لفظ اولیٰ کو اسی مفہوم میں بیان کیا کہ حضورؐ اپنی امت کے حق میں ان سے زیادہ مہربان ہیں آپؐ کی اطاعت اپنی خواہشِ نفس اور اپنے آباء و اجداد کی حکم برداری سے مقدم ہے۔

قاضی صاحب نے متقدمین مفسرین کی عبارتوں کا ان الفاظ میں حاصل نکالا ہے:

اولی فی نفوذ الحکم علیھم ووجوب طاعتہ علیھم فلا یجوز الطاعۃ الآباء والامھات بمعنی حریص علیکم با لمؤمنین رؤف رحیم۔

(مظہری جلد ۷ ص ۲۰۸)

بعض قرأتوں میں وھواَبٌ لھم (نبی ان کے باپ ہیں) بھی آیا ہے اس لئے امام مجاہد نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

کل نبی اب لامتہ — ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیونکہ وہ امت کا مربی اور مشفق معلم ہوتا ہے۔ حقیقی باپ جسمانی حیات کا کفیل ہوتا ہے اور نبی کی تربیت سے ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔"

پس روحانی باپ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں، البتہ امہات المومنین کا امت کی ماں ہونا خصوصیات میں سے ہے، دوسرے انبیاء کی ازواجِ مطہرات کا یہ درجہ نہیں

(روح المعانی جلد ۷ ص ۱۰)

ابن جریر طبری نے ابن زید کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں نبی اور امت کے باہمی تعلق کو آقا و غلام کے تعلق سے تشبیہہ دی ہے لیکن وہ آقائی اور غلامی احکامِ شریعت کے نفاذ و اجراء کے

معنوں میں ہے نہ کہ جسمانی آقائی اور غلامی کے مفہوم میں :

النبی اولی کما انت اولی بعبدك ما قضی فیھم من امر جاز کما کلما
قضیت علی عبدك جاز ۔ (ابن جریر جلد ۲۱ ص ۷۰)

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تشریح میں آیت فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ (النساء ۶۵) نقل کی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ نبی کے حکم سے مراد تشریعی حکم ہے تکوینی حکم کا یہاں کوئی مفہوم موجود نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرۃ کی یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

ما من مومن الا وانا اولی الناس	دنیا و آخرت میں ہر مومن کے ساتھ دوسرے
به فی الدنیا والآخرۃ اقرءوا	لوگوں کے مقابلہ میں میرا تعلق زیادہ ہے۔
ان شئتم النبی اولی ..... الخ	اگر کوئی مسلمان ترکہ چھوڑ کر مرے تو اس ترکہ

کے وارث اس کے حق دار ہوں گے اور اگر کوئی مسلمان قرض دار مرے یا بچے چھوڑ کر مرے تو ان کی کفالت میں کروں گا اور اس کا قرض میں ادا کروں گا۔

ابن کثیر نے آیت مذکورہ کے چند پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

اس میں ایک بحث یہ ہے کہ کیا حضورؐ کو مسلمان مردوں اور عورتوں کا باپ کہنا صحیح ہے؟
حضرت عائشہؓ اسے درست نہیں سمجھتی تھیں اور امام شافعی کا صحیح قول بھی یہی ہے :
ایک حدیث میں آپ نے اپنے لئے والد کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن وہ معلّم اور مربّی کے مفہوم میں ہے ـــ فرمایا :

انما انا لکم بمنزلة الوالد	میں تمہارے لئے باپ کی مانند ہوں
اعلمکم .... الخ	تمہیں پیشاب پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی

سکھاتا ہوں ـــ جس طرح ماں باپ بچوں کو سکھاتے ہیں ۔

حقیقی باپ کے لفظ کی نفی قرآن کریم نے خود کی ہے، فرمایا :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں
رِّجَالِكُمْ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۶۹)	سے کسی کے باپ نہیں ہیں ۔

اردو فارسی کے تمام مترجمین نے اولیٰ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، شاہ ولی اللہ ۔ سرد ۔ شاہ عبدالقادر ۔ لگاؤ ۔ شاہ رفیع الدین ۔ شفقت ، مولانا مودودی ۔ مقدم ۔ ڈپٹی نذیر احمد ۔ زیادہ حق رکھتے ہیں ۔

اولیٰ، ولایت کے ایک معنی حکومت و تسلط کے بھی ہیں جس طرح قرب اور دوستی کے ہیں، لیکن کسی مترجم و مفسر نے اس آیت میں اولی کو حاکمیت و حکومت کے مفہوم میں نہیں لیا۔ مولانا نانوتوی نے آب حیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت درجہ دوم اور ذاتی حیات کے فلسفہ کی بنیاد اولی کے اسی لغوی مفہوم پر رکھی ہے اور پھر مولانا احمد رضا خانصاحب نے آب حیات کی تاویل کی روشنی میں اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے ۔

"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے" (کنزالایمان صفحہ ۴۹۷)

تصرف کا لفظ شاہ ولی اللہؒ نے تشریحی طور پر اس طرح بڑھایا ہے ،

"پیغمبر سزاوار تر است بتصرف در امور مسلمین از ذاتہائے ایشاں " ـــــ یعنی حضورؐ مسلمانوں کے معاملات میں تصرف کرنے کا حق خود ان سے زیادہ رکھتے ہیں

پھر اس مفہوم کو ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اس طرح واضح کرتے ہیں :

"نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے"۔
اپنی جان دکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے تو فرض ہو جائے ۔"

تصرف سے مراد ان حضرات کی تشریعی تصرف ہے، جو بطور نائب خدا کے خدا کے حکم و ہدایت کے مطابق امت کے دینی معاملات میں جاری ہوتا ہے ۔

قرآن و حدیث کے واضح نصوص اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت خداوندی سے بے نیاز ہو کر تشریعی امور میں دخل دینے کا اختیار نہیں رکھتے تھے ۔

محدثین و فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ جو ہدایات رسول پاکؐ نے ایسی جاری فرمائیں جن کا ثبوت و ماخذ کتاب اللہ میں واضح نہیں وہ ہدایات وحی خفی سے تعلق رکھتی ہیں انہیں

حضورؐ کی ذاتی ہدایات اور ذاتی احکام قرار نہیں دیا جا سکتا، اسی لئے حقیقی مفہوم میں شریعت ساز صرف خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے کتاب و سنّت کے باہمی تعلق پر حجۃ اللہ البالغہ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ حاصل یہ کہ حضورؐ کا تشریعی تصرف بھی نائب خدا کے طور پر ہے، جو رسالت کا حقیقی مفہوم ہے۔ اس میں تکوینی تصرف کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص کلامی اجتہاد کی تشریح کے بعد اس حقیقت کو صاف طور پر بیان کر دیا ہے کہ یہ تصورات جس دلیل پر مبنی ہیں وہ ایک باریک و لطیف شے ہے۔ اس لئے عام ذہن کی گرفت میں نہیں آ سکتی۔ لکھتے ہیں:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل ایمان کے اموال و نفوس میں تصرف کا حق معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ واسطہ اور وسیلہ کا تعلق ایک لطیف اور مخفی شے ہے جو اہل بصیرت کے سوا کسی پر واضح نہیں بلکہ قرآن و احادیث کے اشارات سے بھی بدشواری سمجھ میں آتا ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے قانونِ شریعت کے عام قاعدہ کے مطابق آپ کے لئے نکاح و مہر اور عدل و مساوات کا فریضہ عائد کیا ہے۔"

اگر ملکیت کے اس حق کا لحاظ کیا جاتا تو عام خواتین آپؐ کے لئے مثل باندیوں کے حلال ہوتیں لیکن اس سے کم فہم لوگوں کو شہوت پرستی کی تہمت لگانے کا موقعہ مل جاتا۔"

(آبِ حیات صہ ۲۰۷)

یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند نے مولانا نانوتوی کے ان اجتہادی اور استنباطی تصورات کو عوام میں شہرت دینے سے گریز کیا اور عوام میں انہی عقائد کی تبلیغ و تشہیر کی جو عقیدۂ توحید کے مطابق تھے۔

آبِ حیات کے تصوّرات

ذیل میں آبِ حیات کے تصورات کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے، یہ حضرت نانوتوی کے تفردات ہیں، جنہیں جماعتِ دیوبند کی طرف سے تسلیم کرنے کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے۔

مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند (نبیرہ مولانا محمد قاسم صاحب) کی بعض

تحریروں میں ان تصورات کی جھلک نظر آتی ہے۔ دران کی حیثیت بھی مولانا کے ذاتی تصورات کی ہے۔

مولانا نانوتوی نے آبِ حیات میں حضورؐ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے :-

النَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب) حضورؐ منت کے روحانی باپ ہیں۔ روحانی باپ کا درجہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے، اہلِ ایمان کی ارواح حضورؐ کی روح پاک سے تخلیق کی گئی ہیں۔

حضورؐ کی حیات ذاتی ہے۔ دوسرے مومنین کی حیات عرضی ہے۔ آپؐ کی حیات قابلِ زوال نہیں۔ البتہ موت کے وقت یہ حیات مستور (پردہ میں) ہوگئی اور اہل ایمان کی حیات زائل ہو جاتی ہے۔

جیسے سورج گہن میں سورج کی روشنی حجاب (پردہ) میں ہو جاتی ہے، زائل نہیں ہوتی، بخلاف چاند گہن کے، اس کی روشنی زائل ہو جاتی ہے۔ ——— حضورؐ کی موت کی مثال جیسے چراغ پر سرپوش ڈھانپ دیا جائے اور مومنین کی مثال جیسے چراغ کو بجھا دیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے درمیان اتحاد واشتراک اور مثلیت کا تصور غلط ہے۔ اگرچہ شکل وصورت واحکام جسمانی مثلاً کھانے پینے وغیرہ میں مماثل کہا جائے ——— قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ——— جس طرح آفتاب اور اس کی شعاعوں میں مثلیت ذاتی نہیں بلکہ آسمان وزمین کا فرق ہے۔ لاکھوں عکس بھی مثل آفتاب نہیں ہو سکتے، اگرچہ صورت اور رنگ میں نورِ آفتاب اور اصلی آفتاب میں مشابہت ہے لیکن برابری کا خیال باطل ہے۔

ازواج مطہرات آپؐ کی باندیاں تھیں، ان پر حضور کا حق ما ملکت ایمانکم سے زیادہ تھا۔ مالک کی ملک عارضی ہوتی ہے، آزاد کرنے یا فروخت کرنے سے زائل ہو جاتی ہے مگر امتیوں پر آپ کا جو حق ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتا کیونکہ ارواحِ مؤمنین حضورؐ کی روح سے پیدا کی گئی ہیں۔

حقیقی مالک تو خدا ہے لیکن دوسرے درجہ میں رسول پاکؐ کی ملکیت کو سمجھئے کیونکہ حضورؐ تمام عالم کے لئے وسیلہ اور واسطہ فی العروض میں جیسے ہاتھ اور قلم، اصل میں حرکت ہاتھ

کو لاحق ہوتی ہے، قلم کی حرکت ہاتھ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس ہر کمال میں حضور واسطہ ہیں۔ خاص کر ارواحِ مومنین کے لئے۔

آخرت میں آپ کو مقامِ وسیلہ کا دیا جانا اسی طرف اشارہ ہے۔ والعاقل یکفیہ الاشارہ ـــــ عجب نہیں کہ یہ روایت صحیح ہو۔

لولاك لما خلقتُ الافلاكَ ـــــ اگر اے نبی! تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا، مضمون تو اس کا صحیح ہے۔ اس لئے مومنین کی ارواح کی قدر و قیمت اور فضیلت ایک حیثیت سے عرشِ اعظم سے بھی زیادہ ہے۔ (آبِ حیات ۲۲۴)

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حیات "حیاتِ برزخی" ہے جو حیاتِ جسمانی سے زیادہ قوی التاثیر ہے، لیکن حضرت نانوتوی کے فلسفہ کے مطابق وہ حیات حقیقی ہے یعنی جسم روحانی تعلق کے ساتھ حیات ہے۔

دیوبند کے مشہور محدث مولانا انور شاہ صاحب کے نزدیک حیات النبیؐ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی روحانی توجہات امت کی طرف مبذول ہیں، اُسی کا اثر ہے کہ یہ امت بحیثیت مجموعی ہدایت پر قائم ہے۔

ماہر القادری نے اسی مفہوم کو اس شعر میں بیان کیا ہے

کبھی کا کاروانِ کیف و مستی لٹ چکا ہوتا ـــــ یہاں سب سو رہے ہیں ایک تُو بیدار ہے ساقی

شہدا فی سبیل اللہ کی حیات کے بارے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ حیات بھی حیاتی اثرات و اعمال کے مفہوم میں ہے، جس کی طرف قرآن کریم نے ـــــ یُرزَقُونَ ـــــ (وہ رزق دیئے جاتے ہیں) سے اشارہ کیا ہے۔

اور یہ علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ حرمتِ نکاح کا تعلق، مقامِ نبوت کی عظمت و حرمت سے ہے، جو جمہور کا مسلک ہے اور آبِ حیات کے فلسفہ کے مطابق اس حرمت کا تعلق حضورؐ کی حیاتِ حقیقی سے ہے۔

ہمارے اکابرِ دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ آپ پر محبت نبویؐ کا غلبہ تھا، اسی محبت کا اثر تھا کہ آپ تواضع و مسکنت کا پیکر نظر آتے تھے، آپ کے شیخ حضرت امداد اللہ صاحب مہاجر مکی آپ کو نصیحت کرتے تھے کہ مولانا

قاسم صاحب! علم کے وقار کا خیال رکھو ــــ یعنی اتنی تواضع اختیار نہ کرو کہ علم کی توہین ہونے لگے۔ مولانا نانوتوی کا لباس، ایک کھدر کا موٹا تہبند، ایک کھادی کی نیم آستین ــــ نہ چغا، نہ عبا، اور عصار کے تکلفات ــــ

آپ کے مقابلہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (جو آپ کے ساتھی اور پیر بھائی بھی تھے) کی شان دوسری تھی، آپ پر اتباع سنّت کا رنگ غالب تھا، آپ قرآن و حدیث کے واضح نصوص کی پیروی کو ضروری سمجھتے تھے، جس میں محدثانہ اور فقیہانہ احتیاط ہے اور عام مسلمانوں کے لئے یہی راہ نجات کی راہ ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے ہفت مسئلہ سے آپ نے اتفاق نہیں کیا اور جب حاجی صاحب سے کہا گیا کہ مولانا گنگوہی کو ہفت مسئلہ سے اتفاق نہیں ہے تو آپ نے فرمایا "وہ بڑے عالم ہیں"

مولانا نانوتوی نے آب حیات میں آپ کے لئے رونقِ طریقت اور زیبِ شریعت کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جماعت دیوبند کا مسلک جن اکابر کے افکار پر قائم ہے۔ مولانا گنگوہی ان میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں ــــ مولانا محمد قاسم صاحب عاشقِ رسول کے طور پر مشہور ہیں،

جماعت دیوبند کے عظیم فقیہ مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب سے کسی نے ایک سوال میں مختلف مصالح کے تحت بدعی افکار و اعمال کی ترویج پر فتویٰ طلب کیا، مفتی صاحب نے احتیاط کی بنا پر تفصیل میں جانے کے بجائے اختصار کے طور پر یہ لکھا:

"آہ! یہ سوال بہت پیچیدہ اور تفصیل طلب ہے، میں سر دست اس کے جواب میں صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ یہ ہے ؎

میندار سعدی کہ راہِ صفا　　　تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً ــــ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

(کفایت المفتی جلد ۱ ص ۱۴۹)

جماعت دیوبند میں حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہؒ علم حدیث و فقہ اور عملی تقویٰ اور احتیاط اور دانش مندی میں اپنی مثال آپ سمجھے جاتے تھے۔

مقام نبوّت کی عجمی تعبیر

از : خالد مسعود مدیر "تدبّر"

مصنّف : علامہ ابوالخیر اسدی (مجلس نشر السنۃ مخدوم رشید) ملتان

یہ کتاب نہایت علمی تحقیق پر مبنی ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہمارے ملک کے بڑے فرقے مقام نبوّت کے بارے میں اپنا جو عقیدہ ظاہر کرتے ہیں وہ سراسر عجمی فلسفہ سے ماخوذ ہے۔ اس کی جو تعبیر کی جاتی ہے اس سے نہ صرف مرتبہ نبوّت مجروح ہوتا ہے بلکہ اس سے توحید کی بنیادیں بھی متزلزل ہو جاتی ہیں۔ جس طرح اہل تصوف نے دین کو مسخ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اسی طرح مقام نبوّت کی غلط تعبیر پھیلانے میں بھی ان کا بڑا ہاتھ ہے۔

فاضل مصنّف کی تحقیق کی رو سے مجوسیوں کے چند عقائد خاص تھے۔ وہ یزداں (خدا) کو ہر چیز میں موجود مانتے تھے۔ وہ اس کو پوجنے کے لیے مجسمہ تراشنے کے خلاف تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس سے خدا کا تقید ثابت ہوتا تھا۔ تناسخ اور حلول کے عقائد مجوسی نقطۂ نظر کا شاخسانہ تھے۔ مجوسیوں کا

دوسرا اہم عقیدہ یہ تھا کہ وہ نبی کے لیئے بشری عوارض سے پاک ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک کوئی بشر نبی نہیں ہو سکتا تھا۔ الوہی صفات سے متصف روحانی طاقتیں ہی نبوت کے منصب پر فائز ہو سکتی تھیں اور خدا کا تقرب حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ان روحانی طاقتوں کو وسیلہ بنایا جائے یہ روحانی وسیلے خدا سے الوہی اختیارات حاصل کر لیتے اور بندے اپنی حاجات کے لیئے ان کی طرف رجوع کرتے مجوسیوں کے نزدیک خدا اگرچہ واحد ہے لیکن اپنے مظاہر کی وجہ سے وہ کثیر ہے۔ اس کی یہ کثرت آسمان کے ستاروں کی تعداد کے بقدر ہے کائنات کا وجود روحانی وسیلوں کا مرہونِ منت ہے

فاضل مصنف کے نزدیک مذکورہ بالا مجوسی عقائد کو اہلِ تصوف نے بالعموم اور ابن عربی نے بالخصوص اپنے نظریات میں سمو لیا۔ اس نے نظریہ وحدت الوجود کی داغ بیل ڈالی۔ اس میں خدا کو ہر شے میں موجود مانا گیا۔ اماموں اور صوفیا میں خدا کا حلول تسلیم کیا گیا۔ روحانی وسیلوں کے لیئے تعینات کی اصطلاح استعمال کی گئی جس وسیلے سے کائنات وجود میں آئی اس کے لیئے تعین اول یا حقیقت محمدیہ کی اصطلاحیں وضع کی گئیں۔ چنانچہ کائنات کا مبدأ اول حقیقت محمدیہ کو قرار دیا گیا اور جب وہ مبداءِ اوّل ہے تو یہ ماننا لازم ہوا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے تصرف میں ہے اور اسی پر اسی کا حکم چلتا ہے۔

علامہ صاحب کی تحقیق میں نوا فلاطونی فلاسفہ کی عقل اوّل اور عیسائی

متکلین کی کلمہ (LOGOS) کی اصطلاحوں اور حقیقت محمدیہ کی اصطلاح میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے اور ابن عربی کا فلسفہ انہی سے ماخوذ ہے۔ اس کی کوئی بنیاد کتاب و سنت میں نہیں ہے۔

ہمارے ملک کے دو بڑے مسلک بریلوی اور دیوبندی مسلک ہیں فاضل مصنف نے ان دونوں مسالک کے نمائندہ علماء کی تحریروں سے یہ واضح کیا ہے کہ دونوں نے ابن عربی کے فلسفے کو حرزِ جاں بنا لیا ہے اور ان کے مقام نبوّت کے عقائد اسی سے مستعار ہیں۔

بریلوی مسلک میں ذات نبوّیہ کی دو جہتیں مانی جاتی ہیں۔ ایک جہت کو ذات الٰہی کا جامع مظہر مان کر اس کے لیئے تمام صفات الٰہیہ بطور نیابت تسلیم کی گئی ہیں اور اس کا نام حقیقت محمدیہ رکھا گیا ہے۔ جب کہ دوسری جہت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عنصری وجود کے باعث بشری جہت ہے۔ پہلی جہت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبدءِ کائنات اور اس کا مختارِ کُل مانا جائے۔ گویا آپ کے ہاتھوں میں کائنات کا کامل انتظام ہے۔ اس ذمہ داری سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لیئے ضروری ہے کہ حضور کو عالم ما کان و ما یکون (ماضی و مستقبل کے تمام حالات کا عالم) اور کائنات میں ہر جگہ موجود مانا جائے یہی عقیدہ حاضر و ناظر کہلاتا ہے۔ بریلوی علماء علم غیب، نور نبوّت اور آنحضرتؐ کی رحمۃ اللعالمینی کی تشریح اسی بنیاد پر کرتے ہیں۔ فاضل مصنف نے جناب احمد رضا خاں بریلوی، علامہ سعید احمد کاظمی اور

مفتی احمد یار خان کی کتابوں سے طویل اقتباسات نقل کر کے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔

علمائے دیوبند بھی خدا کے بعد عقل اوّل یعنی حقیقت محمدیہ کا درجہ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ذاتی ہے جبکہ دوسرے تمام انبیاءؑ کی نبوت عرضی ہے۔ ان انبیاء میں جو خصوصیت نظر آتی ہے وہ ان کا ذاتی کمال نہیں بلکہ وہ ظل اور عکس محمدی ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اور ساری کائنات ان کی فرع۔ درخت کی جڑ نہ ہو تو اس کی شاخیں بھی باقی نہیں رہ سکتیں۔ لہٰذا اگر آپ کی ذات زندہ نہ ہو تو کائنات کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ آنحضرت تمام علوم سابقہ و لاحقہ کے جامع ہیں اور اس کی تائید تعین اوّل صفت علم سے ہوتی ہے۔ فاضل مصنف نے مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا مدنی، مولانا محمد منظور نعمانی، محمد طاہر قاسمی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی کتابوں سے اقتباسات پیش کر کے اپنے اس دعویٰ پر دلیل فراہم کی ہے کہ یہ تمام افکار ابن عربی سے ماخوذ ہیں۔

بریلوی اور دیوبندی مسالک میں مقام نبوت کی اس تشریح کے نتیجے میں فاضل مصنف نے چند نتائج اخذ کئے ہیں مثلاً یہ کہ اصل چونکہ اپنی فرع سے مقدم ہوتی ہے اس لئے آنحضرتؐ کائنات میں شامل نہیں ہو سکتے چونکہ تمام انبیاء آپؐ کی فرع ہیں اس لئے ان کی نبوت پر حقیقی نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ آپؐ کا عنصری وجود چونکہ نسل آدم میں ظاہر ہوا، اس لیے اس کو جو نبوت ملی وہ بھی حقیقت محمدیہ کی ایک فرع ہے حقیقت

محمدیہ کا فیض چونکہ باقی ہے تو جب تک فیض کا یہ مرکز بند نہیں ہو گا نبوت کے اجراء پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی ۔ کائنات کی اصل ہونے کی وجہ سے جس طرح آپ کی حقیقت سے اسلام کا صدور ہو گا۔ اسی طرح اس سے کفر کا صدور بھی تسلیم کرنا پڑے گا ۔ اس طرح اسلام اور کفر کے درمیان حقیقی امتیاز ختم ہو جاتا ہے ۔

فاضل مصنف نے بڑی تحدی کے ساتھ یہ کہا ہے کہ بریلوی اور دیوبندی مسلک کتاب و سنّت پر نہیں بلکہ ابن عربی کے فلسفہ پر مبنی ہیں اور ابن عربی سے قبل کے اسلاف کی تحریروں میں ان عقائد کا نام و نشان بھی نہیں ملتا ۔ اس فلسفہ میں استعمال کردہ اصطلاحات اور تعبیر کی دلیل اگر کوئی شخص ابن عربی سے پہلے کے مصنفین کی کتابوں میں دکھا دے تو وہ اپنی تحقیق سے دستبردار ہونے کو تیار ہیں ۔ اس فلسفہ میں حدیث لولاک یا اس قبیل کی جن روایات سے استدلال کیا گیا ہے وہ تمام تر موضوع ہیں جن سے استشہاد کرنا ایک معصیت ہے ۔

کتاب چونکہ ایک فلسفہ کو زیر بحث لائی ہے اس لیئے یہ عام فہم نہیں اور خود مصنف نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ احقاق حق کی خاطر علماء کے لیئے لکھی گئی ہے مصنف نے اس میں یہ خبر دی ہے کہ وہ اس کا دوسرا حصہ "مقام نبوت کی اسلامی تعبیر" کے نام سے لکھ رہے ہیں معلوم نہیں یہ تصنیف مکمل ہوئی ہے یا نہیں ۔

یہ کتاب ان لوگوں کے لیئے نہایت بیش قیمت ہے جو بریلویت اور

دیوبندیت کی علمی بنیاد کو سمجھنا چاہتے ہوں اس لحاظ سے اس کو مذہبی طبقوں میں بڑی پذیرائی ملنی چاہیئے لیکن چونکہ مصنف نے دونوں حریف مسالک کے مؤقف کو غلط ثابت کیا ہے اس لئے ہمیں خدشہ ہے کہ یہ قیمتی تحقیق کہیں نظر انداز نہ کردی جائے یا مصنف کو پرویزیوں کے عجمی سازش کے نظریہ کا خوشہ چین نہ بتا دیا جائے۔ بہر حال ہم اس کتاب کے مطالعہ کی پُرزور سفارش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تصوف نے ہمارے دین میں کس طرح نقب لگائی ہے اور کتنے علماء و فہماء اس کی ترک تازیوں کا شکار ہوئے ہیں۔